مجموعہ تالیفات

سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240)

بسلسلہ

مقالاتِ حجۃ الاسلام جلد 6

اَجوبۂ اربعین

ردِّ روافض

اہلِ تشیع کے 40 سوالوں کے جوابات

تالیف

سیدنا الامام الکبیر آیۃ من آیات اللہ قاسم العلوم والخیرات
حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۲۴۸ھ تا ۱۲۹۷ھ
بانی دار العلوم دیوبند

مقدمہ

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

اَجوِبہ اَربعین

تاریخ اشاعت..................شوال المکرم ۱۴۴۱ھ

ناشر..................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت..................ساؤتھ پنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان

بائنڈنگ..................اشرفیہ بک بائنڈنگ.....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات..........انار کلی..........لاہور

مکتبہ سید احمد شہید..........اردو بازار..........لاہور

مکتبہ رحمانیہ..........اردو بازار..........لاہور

اسلامی کتاب گھر..........خیابان سرسید..........راولپنڈی

اسلامک بک کمپنی..........امین پور بازار..........فیصل آباد

مکتبہ رشیدیہ..........سرکی روڈ..........کوئٹہ

مکتبۃ الشیخ..........بہادر آباد..........کراچی

والی کتاب گھر..........گوجرانوالہ

مکتبہ علمیہ..........اکوڑہ خٹک

دارالاشاعت..........اردو بازار..........کراچی

قرآن محل..........کمیٹی چوک..........راولپنڈی

مکتبہ دارالاخلاص..........قصہ خوانی بازار..........پشاور

مکتبہ اسلامیہ..........امین پور بازار..........فیصل آباد

ممتاز کتب خانہ..........قصہ خوانی بازار..........پشاور

مکتبہ ماجدیہ..........سرکی روڈ..........کوئٹہ

مکتبہ عمر فاروق..........شاہ فیصل کالونی..........کراچی

مکتبہ نعمانیہ..........گوجرانوالہ

اسلامی کتاب گھر..........ایبٹ آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

کلماتِ مرتب وناشر

پہلے مجھے پڑھئے!

امابعد! سیدنا الامام الکبیر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی نایاب کتب ورسائل کا مبارک سلسلہ ''مقالات حجۃ الاسلام'' کی چھٹی جلد ''اجوبہ اربعین'' آپ کے سامنے ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی یہ کتاب پہلی مرتبہ میرٹھ میں محمد سراج کے مطبع ہاشمی سے ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئی۔

پھر ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے ۱۴۰۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۱ء میں اس کو پہلے ایڈیشن کی نسبت بہت اچھے انداز میں شائع کیا اور اس ایڈیشن کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ شروع کتاب

میں حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ (بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) نے ایک وقیع علمی مقدمہ بھی لکھا جس میں حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ کی تالیفات اوران کا مختصر تعارف دے دیا جو اہل ذوق کیلئے بڑی نعمت ہے۔

''اجوبہ اربعین'' کا یہ جدید ایڈیشن آج ۱۴۴۱ھ میں شائع کیا جارہا ہے۔ گویا تقریباً ۴۰ برس بعد اس کی جدید اشاعت ہورہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے مخدوم ومکرم حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے ''مقالات حجۃ الاسلام'' کیلئے بہت سی نادر و نایاب کتب فراہم کیں اور دیگر کتب کیلئے قیمتی آراء سے نوازتے رہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

اللہ پاک حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے علوم ومعارف سے استفادہ کرنے کی توفیق سے نوازیں اور محض اپنے فضل سے اس علمی کتاب کی جدید اشاعت کو شرف قبول نصیب فرمائیں آمین۔

والسلام محمد اسحٰق غفرلہ

عشرہ آخر شوال المکرم ۱۴۴۱ھ بمطابق جون 2020ء

عکس ٹائٹل قدیم طبع اول ۱۲۹۱ھ

حصہ اول

اجوبۂ اربعین

در رد روافض

عکس ٹائٹل طبع ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجوبۂ اربعین

ردِ روافض

شیعہ کے چالیس سوالات کے جوابات

از

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ العالی

بانی، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ادارہ نشر و اشاعۃ مدرسہ نصرۃ العلوم

گوجرانوالہ ○ پاکستان

فہرست مضامین

اجوبہ اربعین (حصہ دوم)

اَجوبۂ اَربعین رَدِّ روافض

(حصہ اوّل)

حجۃ الاسلام مجدّد دین وعلوم بانی دارالعلوم دیوبند
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مُقدمہ

(از: احقر عبدالحمید سواتی خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلام عَلٰی رسوله سیدنا محمد وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاتْباعه اجمعین.

امابعد! اُنیسویں صدی عیسوی ﴿تیرہویں صدی ہجری﴾ میں امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے پسماندہ لوگوں میں برصغیر ﴿ہندو پاک﴾ میں ایک حکیم عالم پیدا ہوا جن کا نام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھا یہ عالم مجدد دین ومجدد علوم وفنون تھا۔ یہی عالم دار العلوم دیوبند کا بانی مبانی اور علوم اسلامیہ کی از سرنو اشاعت کرنے والا عظیم المرتبت عالم دین اور کامل درجہ کا ولی اور خدا پرست تھا۔ آج کے برصغیر میں دینی، مذہبی، اخلاقی اور علمی قوت کا سب سے اچھا سرمایہ وہی لوگ ہیں جو مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اوران کی جماعت کے توسط سے ''امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ'' سے مربوط ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ گزشتہ پوری صدی میں اس پایہ کا کوئی حکیم عالم پیدا نہیں ہوا تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کس پایۂ کے عالم تھے یہ بات ان کی تصنیفات سے ظاہر ہوتی ہے اوران کے تلامذہ اور مدارس ومکاتب کا علمی نظام اور وہ تحریکات اور اصلاحات جو برصغیر کے کونے کونے پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح ہم امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی اور تحقیقی کارنامے اُن کی کتابوں سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اوران وسیع وعریض اثرات سے جو برصغیر میں بالخصوص اور تمام عالم میں بالعموم پھیلے ہوئے ہیں اُن سے دریافت کرسکتے

ہیں۔ اسی طرح حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ورسائل کا مطالعہ کرنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ عقلی اور ذہنی طور پر کتنے بلند مرتبہ عالم دین تھے۔

آپ کے رفیق حضرت مولانا محمد یعقوب نے جوآپ کی ایک مختصرسی سوانح عمری لکھی ہے اسی میں درج بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کوابتداء سے ہی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مثلاً حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ تم کواللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اورتم بہت بڑے عالم ہوگے۔

اسی طرح ایام طالب علمی میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نےخواب میں دیکھا کہ ''میں خانہ کعبہ کی چھت پرکھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہورہی ہیں''۔ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ مکرم مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا''۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب سفر حج پر گئے تھے تو آپ کے پیر ومرشد حضرت مولانا حاجی محمد امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھےاب مدتوں سے نہیں ہوئے''۔ (سوانح مذکور) اور پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کی تحریر وتقریر کومحفوظ رکھا کرو۔ اورغنیمت جانو''۔ (سوانح مذکور)

اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد جناب اسد علی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فرمایا تھا کہ بھائی اسد علی مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جوولی کامل ہے۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال حافظہ کا حال یہ تھا کہ تراویح میں قرآن کریم سنانے کے بعد فرمایا کہ ''فقط دوسال صرف رمضان کے مہینے میں قرآن کریم یاد کیا ہے''۔

عبادت کا حال یہ تھا کہ اکثر تمام رات تنہا نوافل میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے ایک رات ایک رکعت میں ستائیس پارے پڑھے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ماہِ شعبان (یا رمضان) ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ تاریخی نام ''خورشید حسین'' ہے۔ اور آپ کی وفات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ ۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء بعد نماز ظہر بروز جمعرات واقع ہوئی۔ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے انتصار الاسلام کے مقدمہ میں جو کلمات تحریر فرمائے ہیں ان کا نقل کرنا شاید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین و معتقدین کے لئے باعث تسلی بن سکے، مولانا سید فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حیف صد ہزار حیف کہ زمانہ ایسے ''عالم ربانی'' سے جو اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا خالی ہوگیا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ ''حامی شریعت'' جو نہ فقط اپنی جان بلکہ پڑوسیوں کی بھی جانیں شریعت کی حمایت میں جھونک دے۔ اس وقت دنیا سے اُٹھ جائے، ہائے وہ باغ اسلام کا باغبان کہاں گیا جو اس باغ کی حفاظت کرتا تھا، جس سے اس کو رونق تھی ہائے اب اس باغ کی خدمت کون کرے گا، اس کی روشیں کون درست کرے گا۔ ''خس و خاشاک'' سے صحن چمن دین کس طرح صاف ہوگا۔ ہائے وہ نخل بند گلستان اسلام کدھر گیا جو سرو اسلام یعنی صراط مستقیم کی درستی و موروثی کی فکر رکھتا تھا۔ ہائے وہ جاروب کش باغ دین کہاں گیا۔ جس کی تقریر خس و خاشاک اوہام کے لئے جاروب تھی۔ اب سوائے حسرت و افسوس کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا البتہ ایک ذات وحدہٗ لاشریک جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

جناب مولانا مرحوم نے شاگرد و معتقد بہت چھوڑے اب ان کو چاہئے کہ جناب مولانا مرحوم کی طرح جان و مال و عزت و آبرو کا کچھ خیال نہ کریں۔ آپس کے جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ خدا و رسول کے دشمنوں سے لڑیں۔ حتی الوسع دینِ اسلام کی حمایت کریں''۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور تاریخی حالات مکمل طور پر مولانا مناظر

احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح قاسمی کے تین مجلدات میں مدوّن کیے ہیں جن کے ساتھ ان کے حالات کے لئے مزید وقائع اور استشہادات، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ المعقول والمنقول استاذ العلماء و سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشتیاق احمد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کاتب نے بھی حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ، ایم اے فاضل دیوبند نے بھی ''انوار قاسمی'' میں حضرت کی سیرت کا بڑا حصہ مدوّن کر دیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے بھی ایک عمدہ رسالہ ''بانی دارالعلوم'' مرتب کیا ہے جو اپنی زبان اور استناد کے اعتبار سے معیاری ہے۔ اسی رسالہ کا ایک حصہ مکمل طور پر ''بیس بڑے مسلمان'' کے مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کر لیا ہے، ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح حیات بھی بہت عمدہ کتاب ہے جس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے تمام اہم واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں ۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''شاندار ماضی'' میں بھی ایک بڑا حصہ ذکر کر دیا ہے۔ ''طبقات الحنفیہ'' کے مصنف مولانا فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت کی تاریخ ذکر کی ہے۔ اور مولوی رحمان علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''تاریخ علمائے ہند'' فارسی میں بھی حضرت کا ذکر کیا ہے۔ ''موج کوثر'' کے مصنف شیخ اکرام مرحوم نے بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے مولانا کے شاگرد رشید مولانا منصور علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مذہب منصور'' میں حضرت کی زندگی کے کئی حیرت انگیز واقعات ذکر کیے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی مفصل سوانح حیات اور آپ کے ملفوظات وحکایات ولطائف حیات اور علمی تقریرات وغیرہ آپ کے قدیم شاگرد و خادم مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (محشی ابی داؤد و ابن ماجہ)

نے بھی مرتب کی تھی۔ جس کی ضخامت ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھی مگر افسوس کہ وہ کتاب طبع نہ ہوسکی اور زمانہ کے دست برد سے ضائع ہوگئی۔

﴿حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم مولانا امیر شاہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی حکایات کی کتاب ''امیر الروایات'' میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں﴾

لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کی تسہیل اور آپ کی کتابوں کی تبویب جو مولانا مناظر احسن صاحب کرنا چاہتے تھے اس پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ مولانا اس سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اور اسی طرح مولانا انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال تھا کہ ''انوار قاسمی'' کی دوسری جلد میں علوم قاسم سے بحث کی جائے گی۔ غالباً وہ بھی یہ کام نہیں کر سکے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کی تحقیق وتشریح وتسہیل وتفہیم کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ کوئی عالم اس کو انجام دے جو اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ عام اہل علم بلکہ بہت سے خواص کے بس کا بھی یہ کام نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو خاص توفیق عنایت فرمائے۔ اور اس کام کو اس کے لئے آسان کردے۔

حکمت قاسمیہ

احکام اسلام کی عقلی ونقلی تائید قدیم وجدید فلاسفی کی تردید اور شرائع اسلامیہ کے غامض اسرار وحکم۔ دلائل کا عجیب وغریب سلسلہ، قدیم وجدید فلسفہ کے اُٹھائے ہوئے اعتراضات کا کافی شافی رد۔ نظام اسلام کو مربوط شکل میں پیش کرنا، یہ سب ''حکمت قاسمیہ'' کے اہم مقاصد میں شامل ہیں۔ لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا صحیح معنوں میں وہی شخص مطالعہ کرسکتا ہے اور ان سے مستفید ہوسکتا ہے جو علوم عقلیہ میں کافی بصیرت رکھتا ہو۔ دین کی اعانت کے لئے عقلیات کا حصول بھی اسی طرح باعث اجر وثواب ہوگا جس طرح نقلیات کا۔ بلکہ بعض اوقات دین پر قائم رہنا

معقولات حاصل کئے بغیر بہت دُشوار ہوتا ہے۔اسی لئے عقلیات دیوبندی نظام تعلیم کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہا ہے۔حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''علماء کو چاہئے کہ عقلیات کے حصہ کو اسی طرح ذوق وشوق سے حاصل کریں جس طرح نقلیات کو حاصل کرتے ہیں۔اس کے بغیر وہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی کتابوں کے سمجھنے سے عاری رہیں گے اور اگر ایسا ہوا تو انہیں آسانی سے بہکانے والے بہکاتے رہیں گے۔ کیونکہ جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہ ہو اس کو اسی طرح دوسرے لوگ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکیمانہ آراء واَفکار اور خاص نظریات اور دین کی محققانہ اور عارفانہ تشریحات کو جاننا اشد ضروری ہے۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کا حافظہ اور ذہانت عطا فرمائی تھی۔جب کوئی بات یا اشکال آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دلائل آپ کے ذہن میں بیک وقت مجتمع ہیں۔اور ان میں سے آپ مخاطب کے حالات کی مناسبت سے دلیل منتخب فرما کر بیان کرتے ہیں،کمال درجہ کا تبحر علمی قدرت نے عطا فرمایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نقلیات وعقلیات کے بہت بڑے ماہر اِمام تھے،علم عقائد میں آپ نے ''حجۃ الاسلام'' اور ''تقریر دل پذیر'' جیسی ادق،لیکن بہت گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔''ما بعد الطبیعات'' اور ''ملکوت،جبروت عالم مثال لاہوت برزخ'' اور ''اُمورِ آخرت'' کو بالکل عقلی براہین کے انداز میں افہام کے قریب کر دیا ہے۔مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ''حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حقائق ومعارف اپنے لوگوں کو یعنی ''اہل اسلام'' کو سمجھا دیتے ہیں۔لیکن مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے حقائق غامضہ غیر مسلموں عیسائی،یہود ہنود،بدھ،مجوس وغیرہ کو اسی طرح سمجھا سکتے ہیں جس طرح اہل اسلام کو''۔چونکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر علم منطق فلسفہ اور ریاضی اور طبعی فلسفہ وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔ذرائع تفہیم میں بالکل

''عقل عامہ'' سے بات کرتے ہیں اور مشاہداتی دلائل جو موجودہ دور میں ہر اہل خرد و تمیز اور اصحاب عقول کے ذہن میں فٹ بیٹھ جاتے ہیں، ان سے کام لیتے ہیں۔ زبان اُردو آپ کی نہایت دقیق ہوتی ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ حضرت کے زمانہ تک بھی اُردو زبان نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ جتنی آج ہے۔ اور کچھ اصطلاحات وغیرہ کی دقت کی وجہ سے مشکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن علمی ذوق والے حضرات محنت سے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہر ایک صاحب علم کے بس کا روگ نہیں کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکے اس کے لئے کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کیلئے بھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ ''جب تک حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہم میں موجود تھے ہم منطق کو تازہ کرتے رہتے تھے تا کہ حضرت کے کلام کو آسانی سے سمجھ سکیں ان کی وفات کے بعد اس سے دِل سرد ہو گیا''۔

اجوبہ اربعین

اجوبہ اربعین کے بارے میں عرض ہے کہ احقر عبدالحمید سواتی تقریباً پینتیس (۳۵) سال سے اس کتاب کا متلاشی تھا، حضرت قاسم نانوتوی کی باقی کتب ورسائل نظر سے گزرے تھے اور کچھ بقدر فہم ان سے استفادہ بھی کیا، لیکن ''اجوبہ اربعین'' کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی، اس کے مطالعہ کا انتہائی شوق تھا۔ اس کی تلاش جاری تھی۔ ایک دفعہ اتفاق سے ''سید الخطاطین'' حضرت سید انور حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ ''نفیس رقم'' ﴿جن کو اللہ تعالیٰ نے کمال ظاہر و باطن عطا فرمایا ہے آپ صاحب نسبت اور بلند رُوحانیت کے مالک بزرگ ہیں﴾ کسی کتاب کی تلاش میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ تشریف لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ''اجوبہ اربعین'' ہے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا ''ہے'' میں نے عرض کیا کہ مطالعہ کے لئے عنایت فرمائیں۔ انہوں نے ازراہ عنایت بڑی خوشی سے کتاب کا مطالعہ کیلئے عنایت

فرمائی۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ بات ظاہر ہوئی کہ موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت ضروری ہے۔ لیکن کتاب غالباً صرف ایک مرتبہ ہی طبع ہوئی ہے، دوبارہ اس کی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ اور ابتدائی طباعت بھی غالباً بڑی عجلت سے ہوئی ہے۔ اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اُن کی اصلاح ضروری ہے، عربی عبارات بھی بہت سی غلط ہی طبع ہوئی ہیں۔ احقر کے پاس اتنا وقت وفرصت نہ تھی۔ چنانچہ اس کام کے لئے فاضل نوجوان مولانا حافظ مہر محمد صاحب فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور فاضل تخصص فی علوم الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، جو بڑے صاحب استعداد نوجوان ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

مذہب رفض وتشیع سے انہیں خصوصی مناسبت ہے، احقر نے ان کو اس کام کی طرف متوجہ کیا انہوں نے اس کو قبول کیا اور کتاب کی تصحیح شروع کردی، اور ساتھ ہی ساتھ بعض عنوانات کا اضافہ بھی کیا، اور کہیں کہیں کچھ حواشی بھی لکھے تا کہ کتاب کی افادیت میں اضافہ اور آسانی بھی ہو۔ کتاب کی جلد اَوّل کی تصحیح کے بعد اس کی خواندگی کے لئے احقر نے مولانا مفتی حافظ محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی جو کئی سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم میں افتاء کا کام کرتے ہیں ۔ ساتھ تدریس بھی، موصوف خود بھی مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' کے قدیم فضلاء میں سے ہیں اور ان کو فتویٰ نویسی میں کافی وسیع تجربہ اور درک ہے۔ اور دوسرے صاحب مولوی محمد اشرف صاحب فاضل نصرۃ العلوم کو اس کام کے لئے مقرر کیا جو محنتی اور مستعد نوجوان ہیں۔ ان حضرات نے اس کی خواندگی مکمل کی۔ چنانچہ جلد اَوّل اس قابل ہوسکی کہ اس کی کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے۔

کتاب کی طباعت ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم کی طرف سے ہو رہی ہے۔ عنوانات کا اضافہ، بعض احادیث کے الفاظ، اور صفحاتِ کتب ان سب کو قوسین کے اندر رکھا گیا ہے۔ تا کہ اصل کتاب کے ساتھ امتیاز قائم رہے، اکثر حواشی اور عنوانات مولانا حافظ مہر محمد صاحب نے کئے ہیں اور حوالہ جات اور صفحات کی تلاش میں مولانا حافظ مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور مولوی محمد اشرف صاحب شریک ہیں۔ اور بعض مقامات

میں احقر عبدالحمید سواتی بھی ان کے ساتھ شریک رہا ہے۔

کتاب کیلئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اس بات کی ضمانت کیلئے کافی ہے کہ کتاب ''علوم ومعارف حقائق ودقائق'' کا مجموعہ ہے۔

''اجوبہ اربعین'' بھی ان کُتب میں سے ہے جن میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وفیوض مناظرانہ وتنقیدانہ مضامین کا وقیع سرمایہ موجود ہے، یہ کتاب ''اہلِ رفض وتشیع'' کے رَدّ میں ہے برصغیر (پاک وہند) میں نویں اور دسویں صدی ہجری سے تشیع ورفض کا فتنہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے قدیم اَدوار میں بھی علماء اہل سنت و الجماعت کے جید اور محقق حضرات اس فتنہ کا اپنے اپنے دَور میں رَدّ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ''امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ'' نے اس فرقہ ضالہ کا اپنی معروف ومشہور کتاب ''منہاج السنۃ'' میں بڑی قوت وشدت کے ساتھ رَدّ کیا ہے۔ امام مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلہ میں عظیم کام کیا ہے۔ اور پھر ان کے بعد امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کی بہت سرکوبی کی ہے، پھر آپ کے فرزند امام عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسی عمدہ کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے جس کے بارے میں ہمارے استاذ محترم امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''تحفہ اثناء عشریہ'' کا جواب اہل تشیع قیامت تک نہیں دے سکتے''۔ ہمارے اکابر میں سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فتنہ کے رَد میں متعدد کتابیں، رسائل اور مکاتیب لکھے ہیں۔ چنانچہ ''ہدیۃ الشیعہ'' جیسی گراں قدر کتاب جو عمدہ اور سہل عام فہم زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ پھر ''اجوبہ اربعین'' کا نمبر ہے۔ اس کے علاوہ ''انتباہ المؤمنین'' بزبان فارسی اور ''فیوضات قاسمیہ'' کے کئی مکاتیب اور دیگر متعدد مکاتیب میں اس فتنہ کا پورا تعاقب کیا گیا ہے۔ کتاب ''آب حیات'' کا ایک بڑا حصہ بھی اس فتنہ کے رَدّ پر مشتمل ہے، ''وراثت نبوی'' اور ''حیات نبوی'' کی دقیق بحث بھی کی گئی ہے۔ ''اجوبہ اربعین'' کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اہل رفض وتشیع

کی طرف سے چالیس اعتراضات اہل سنت والجماعت پر کئے گئے ہیں، ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن رات میں مکمل کیا ہے۔

اور اس میں اٹھائیس (۲۸) اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ﴿سابق ناظم دینیات مدرسہ علی گڑھ﴾ بھی شریک تھے۔ یہ مولانا عبداللہ صاحب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے۔ بڑے نیک وصالح انسان تھے، یہ مولانا محمد میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ عرف منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم تھے۔ منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق اور برصغیر ہند و پاک کی آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ یہ بڑے عرصہ تک جلاوطن رہے اور جلاوطنی کی حالت میں کابل میں ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ ان کے فرزند مولانا حامد انصاری غازی ہیں جو فاضل دیوبند اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور ہندوستان کے مشہور صحافی ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہر ایک اعتراض کا ایک ایک جواب مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ پہلا جواب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اور دوسرا جواب مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، بعض جوابات نہایت مختصر ہیں اور بعض کافی طویل ہیں۔ زبان اُردو قدیم ہے "علم عمیق" اور "فہم دقیق" ہے۔ جوابات لاجواب ہیں، جن کے پڑھنے اور ان میں غور وفکر اور تدبر کرنے کی ضرورت ہے اور انصاف شرط ہے۔

پہلے حصہ میں زیادہ تر بحث "مسئلہ خلافت" کے بارے میں تحقیقات پر مشتمل ہے یہ مسئلہ ایک اہم اور اُصولی مسئلہ ہے اور خلفاء راشدین اربعہ کی خلافت علی منہاج

النبوۃ ہے۔ اور علی الترتیب ان کے مراتب بھی اسی طرح ہیں جب تک اس اُصولی مسئلہ پر یقین نہ ہو۔ دیگر شرائع اور احکام کا ثبوت بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''ازالۃ الخفاء'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''واکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک بہم رسانید ندلا جرم نور توفیق الٰہی در دل ایں بندہ ضعیف علمے را مشروح ومبسوط گردانید۔ تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں اصلے است از اُصول دین تاوقتے کہ ایں اصل را محکم نگیرند، ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے کہ در قرآن عظیم مذکور شدہ مجمل است بدون تفسیر سلف صالح بحلِ آن نتواں رسید، واکثر احادیث خبر واحد محتاج بیان بغیر روایت جماعۃ از سلف آں راں، واستنباط مجتہدان ازاں متمسک بہ نگردد، وتطبیق احادیث متعارضہ بدون سعی ایں بزرگواراں صورت نگیرد، وہم چنیں جمیع فنون دینیہ مثل ''علم قرأۃ وتفسیر وعقائد وعلم سلوک'' بغیر آثار ایں بزرگواراں متاصل نشود، وقدوہ سلف دریں اُمور بخلفاء راشدین است تمسک ایشاں باذیال خلفاء ''جمع قرآن'' ومعرفت قرأۃ متواترۃ از شاذہ مبنی بر سعی خلفاء است وقضایا وحدود واحکام فقہ وغیر آن ہمہ مترتب بر تحقیق ایشاں، ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ می خواہد''۔ (صفحہ ا، جلد ا)

ترجمہ: ''اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکارا ہوگئی اور عام لوگوں کے دل ان کے شکوک وشبہات سے متاثر ہونے لگے اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے۔ لہٰذا توفیق الٰہی کے نور نے اس بندہ ضعیف (امام ولی اللہ) کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں (خلفاء اربعہ) کی ایک اصل ہے اُصولِ دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے تو کوئی مسئلہ مسائل شریعت میں سے مضبوط نہ ہوگا، کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بغیر سلف

صالحین کی تفسیر کے ان احکام کا حل نہیں ہوسکتا اور اکثر حدیثیں خبر واحد میں شرح کی محتاج ہیں۔ بغیر اس کے کہ سلف کی ایک جماعت ان کو روایت کرے۔ اور مجتہدین ان سے استنباط کریں، قابل تمسک نہیں ہوسکتیں اور نہ بدون ان بزرگوں کی کوشش کے متعارض احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے، اسی طرح تمام فنون دینیہ مثل علم قرأت وتفسیر وعقائد وسلوک بغیر ان بزرگوں کے اَقوال کے کسی اصل پر قائم نہیں رہ سکتے، اور سلف صالحین نے ان اُمور میں خلفائے راشدین ہی کی پیروی کی ہے اور انہیں کے دامن کو مضبوط پکڑا ہے۔ قرآن کا جمع ہونا۔ اور قرأت شاذہ سے قرأۃ متواترۃ کا امتیاز پانا خلفائے راشدین ہی کی کوشش پر مبنی ہے اور اسی طرح قضاء کے فرائض اور حدود اور احکام فقہ وغیرہ انہیں خلفاء کی تحقیق پر مترتب ہیں، لہٰذا جو شخص اس اصل کے توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت تمام فنون دینیہ کو مٹانا چاہتا ہے"۔

"اجوبہ اربعین" کا دوسرا حصہ جو بارہ (۱۲) اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حق رقم کا مرہونِ منت ہے۔ اس میں دقت نظر، زیرکی، عمیق حقائق ومعارف لطائف وظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں متعہ کا مسئلہ، فدک وراثت جیسے اہم مسائل کے علاوہ "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق صعب اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے حضرت کی تمام کتابیں جو اس وقت تک طبع ہوچکی ہیں ان کا اجمالی تعارف کرادیا جائے، بعض کتابیں نایاب بھی ہیں بعض صرف ایک دفعہ یا دو دفعہ ہی طبع ہوئی ہیں۔ حضرت کی تحریرات کے بعض حصے ابھی تک طبع بھی نہ ہوسکے اور وہ دستیاب بھی نہیں، حضرت کی تمام کتب ورسائل ومکاتیب کی جدید طباعت کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) حجۃ الاسلام

یہ بڑے سائز کے ۵۰ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اُردو زبان میں اس میں اسلام کے تمام ضروری عقائد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حکیمانہ طرز بیان میں ذکر کیے ہیں۔ اور اس انداز میں ان کی تبیین وتشریح کی ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس کو پڑھ کر اسلام کے عقائد کے بارے میں اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور غیر مسلم حضرات بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ رسالہ بارہا طبع ہوا ہے اور بہت سے خوش بخت لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اس کے عنوانات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کئے ہیں، یہ رسالہ بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن رات میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا نام ''حجۃ الاسلام'' حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا ہے۔ یہ رسالہ ''حکمتِ قاسمیہ'' کا ایک اہم جز ہے، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''میں نے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''حجۃ الاسلام'' مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

(۲) تقریر دلپذیر

یہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال اور عجیب و غریب کتاب ہے، افسوس کہ یہ کتاب حضرت مکمل نہیں کر سکے، یہ اُردو زبان میں ہے، تمام عقائد دینیہ اُصولیہ وفروعیہ کو عقلی استدلال سے قریب الفہم کر دیا ہے، اس طرح کہ اگر کوئی غیر متعصب غیر مسلم بھی اس کو پڑھے گا تو اسلام کے ''نظام عقائد'' کو برحق ہی سمجھے گا۔ اور اس کو بھی بہت کم اشکالات واقع ہوں گے۔ یہ کتاب بھی بارہا طبع ہو کر خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہے۔ اس کتاب کی تبویب غالباً مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی نے کی ہے۔ کتاب کے دیباچہ یا حواشی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز کہیں کہیں مختصر حواشی بھی تحریر کئے گئے ہیں اس میں بعض حواشی حضرت مولانا سید فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، اس کتاب کی ابتداء میں حضرت مولانا محمد

قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہ نظرِ خیر خواہی خلائق سب اہل مذاہب خواہ وہ مسلمان ہوں، یا ہندو، یہود، نصاریٰ، مجوس آتش پرست، وغیرہ سب کی خدمت میں دین اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور عقل سلیم رکھنے والے سب حضرات سے درخواست کی ہے۔ کہ تعصب کو برطرف رکھتے ہوئے ایک بار اس کتاب کو اَوّل سے آخر تک پڑھیں۔ اگر حق و باطل کی تمیز ہوجائے تو اس کو قبول کریں ،نہیں تو اِصلاح کریں۔ پھر وجود صانع۔ توحید، صفات سے لے کر تمام اعتقادی مسائل کا عقلی ثبوت اور عمدہ تمثیلات سے بیان فرمایا ہے۔ اور عقلیات کے اماموں کے باطل نظریات کی پُر زور تردید فرمائی ہے۔

(۳) انتصار الاسلام

اس رسالہ مبارکہ میں آریہ سماجیوں کے دس سوالات کے جوابات لکھے ہیں۔ ہر ایک اعتراض کے دودو جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیئے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے، جس سے معترض کو خاموش کردیا ہے۔ اور دوسرا جواب تحقیقی، آریہ سماجیوں اور اس قسم کے دیگر معترضین حضرات کو ایسے دندان شکن جوابات دیئے ہیں کہ ہمیشہ ان لوگوں کو اس قسم کے اعتراضات کرنے کی جرأت نہ ہوسکے۔ کمال درجہ کی تحقیقات پر مشتمل ہے اس رسالہ کی تبویب اور عنوانات کا قائم کرنا اور بعض جگہ مفید حواشی تحریر کرنے کا کام مولانا سید محمد میاں دیوبندی نے کیا ہے۔ رسالہ بارہا طبع ہوا ہے اور ہزارہا لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس رسالہ کا مقدمہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) قبلہ نما

یہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم اور معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ یہ دراصل انتصار الاسلام کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ کتاب آریہ سماج کے پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ میں

مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اہل ہنود پر بُت پرستی کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی ایک مکان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں جو بہت سے پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے اَوّلاً سات جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جواب کافی شافی ہے۔ پھر اس کے بعد آٹھواں جواب دیا ہے جس کی دو تقریریں کی ہیں ایک مجمل دوسری مفصل، یہ کتاب نہایت باریک حروف کی کتابت سے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، اکثر حصہ اس کتاب کا مفصل جواب پر حاوی ہے۔ اس میں حقیقت کعبہ حقیقت صلوٰۃ سجدہ کی حقیقت استقبال کی شرح عابدیت و معبودیت اور تجلی الٰہی اور خانہ کعبہ کا مورد و مہبط تجلی ہونا۔ اور یہ کہ جسم کی مسامتت مکان (کعبہ) کی طرف ہوتی ہے اور رُوح کی تجلی الٰہی کی طرف، اور یہ کہ مسلمان اس تجلی الٰہی کی طرف ہی سجدہ کرتے ہیں، اور وہ تجلی الٰہی گویا عین معبود ہوتی ہے۔ تجلی کا ورود خانہ کعبہ پر کس طرح ہوتا ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نہایت ہی غامض حقائق کا ذکر کیا ہے اور ایسی عجیب علمی بحث فرمائی ہے کہ بلا مبالغہ نہ کسی کان نے سُنی ہوگی اور نہ کسی آنکھ نے کسی کتاب میں دیکھی پڑھی ہوگی۔ حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ حقیقت صلوٰۃ وغیرہ جیسے دقیق اور عسیر الفہم مسائل کا تذکرہ کمال متانت و رزانت اور عقلی انداز میں کردیا ہے، عبادت کی حقیقت اور تجلی الٰہی کے ساتھ مصلی کی توجہ اور مسامتت کی دقیق و عمیق بحث، پھر آخر میں بُعد مجرد (بعد موہوم) پر بڑا دقیق تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تبویب و تبیین مضامین بھی نہیں کی گئی حالانکہ یہ بارہا طبع ہوئی ہے۔ لیکن دقیق ہونے کی وجہ سے اہلِ علم نے ادھر توجہ نہیں فرمائی، لیکن ''علوم قاسمیہ'' کا ایک بڑا حصہ اس کتاب میں آگیا ہے، سنا تھا کہ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب ﴿انوار الباری شرح بخاری کے مصنف﴾ نے ''قبلہ نما'' کی ایک ہزار عنوانات سے تبویب و تسہیل کی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ یہ رسالہ نادر تحقیقات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے اور اس میں جس طرح عقلی استدلال کئے گئے

ہیں ان سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بلندیٔ مرتبت نمایاں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری ''توثیق الکلام'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی قابلِ قدر خدمت کی ہے مگر اس سے کماحقہٗ کتاب حل نہیں ہوگی۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایک خاص نہج پر اس کی شرح تحریر فرمائی تھی مگر وہ ضائع ہوگئی''۔

(۵) آبِ حیات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ایسی دقیق عمیق اور صعب بلکہ اصعب کتاب ہے حالانکہ اُردو زبان میں ہے اپنی دقت کی بناء پر شاید ہی کوئی کتاب اس کی مثال ہو ہم نے اپنے استاذ و شیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ترمذی اور بخاری شریف کے درس کے دوران بارہا سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب علماء کے امتحان کے لئے لکھی ہے''۔ اس کو دیکھنا اور اس کے مطالب کا حل کرنا اور اس کو پوری طرح سمجھنا معرکہ کی چیز ہے ہر ایک عالم کے بس کا روگ نہیں ہے اس کتاب کو کماحقہٗ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے کہ جس طرح ''ہدیۃ الشیعہ'' کی تصنیف کا محرک حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے اسی طرح آبِ حیات کی تصنیف کا محرک حضرت پیر و مرشد مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے اُن کے ایماء پر ''مسئلہ حیات النبی'' پر اس کتاب کو ''ہدیۃ الشیعہ'' سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا ہے اور اس کتاب کے وجدانی اور الہامی حقائق کی تصدیق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، اس کتاب میں نقلیات یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف منطق پر مشتمل ہے۔ ان کا خیال غلط ہے یہ صحیح ہے کہ نقلیات کے ساتھ عقلیات کا ایک معتد بہ حصہ

اس میں پایا جاتا ہے۔ جو شخص عقائد حقہ سے پوری طرح باخبر ہو اور ان دلائل سے بھی آگاہ ہو جن سے ان عقائد کی توثیق کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور مذہب شیعہ سے اچھی طرح آگاہ ہو پھر عام علوم وفنون کے علاوہ عقلیات بالخصوص علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی اور علم کلام وغیرہ میں کمال درجہ کا درک رکھتا ہو اور اس کے ساتھ مستقل مزاج بھی ہو جو مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور ذہن بھی وقاد طبع ذکی اور مزاج سیال رکھتا ہو اور اس میں کسی حد تک للّٰہیت و روحانیت بھی پائی جاتی ہو۔ اور کشف سے بھی فی الجملہ مناسبت رکھتا ہو وہ اس کتاب کو سمجھنے کا اہل ہوگا اس کتاب کے دو تین صفحات مطالعہ کرنے کے بعد ذہن درماندہ ہو جاتا ہے اور اس پر بے حد تھکاوٹ اور بوجھ پڑتا ہے اور اس وقت اس کو ترک کر دینا پڑتا ہے تاکہ پھر کسی دوسرے وقت تازہ دَم ہو کر اس کا مطالعہ کیا جا سکے، امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے بہرحال یہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۸۶ھ میں لکھی ہے اور پھر حج کے موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پڑھ کر اس کی تصدیق وتصویب فرمائی ہے اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی حضرت خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس لئے یہ ہیچمدان بدترین گنہگاران، زبان ودل سے اس بات کا معترف ہے کہ میرے کلام پریشان میں اگر کوئی سخن دل نشین اہل دل، اور کوئی تحقیق لائق تصدیق اہل حق ہے تو وہ حضرت مرشد برحق ادام اللہ فیوضہ کے انتساب وتوسل کا پھل ہے اور اگر اختلاط اغلاط اور آمیزش خرافات ہو تو یہ تیرہ دروں خود قائل ہے کہ اپنی عقل نارسا ہے اور اپنے دماغ میں خلل ہے یہی وجہ ہوئی حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ کے سنانے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جب زبان فیض ترجمان سے آفرین وتحسین سُن لی تو اَصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہوگئی یوں کہ منکر نہ مانے تو وہ جانے منکروں کا کام یہی ہے"۔

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن اب تک کسی صاحب علم

نے اس کتاب کی تبویب و تسہیل کی طرف توجہ نہیں فرمائی میرے پیش نظر مطبع مجتبائی دہلی کا طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۰۵ء (۱۳۲۳ھ) کا مطبوعہ ہے اور بڑے سائز کے دوصد ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کتاب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات النبی پر نہایت نفیس بحث کی ہے کتاب کے جملہ مضامین اور علوم معارف پر بحث کرنا مجھ جیسے کم فہم طالب علم کا کام نہیں ہے۔

مولوی سعید احمد پالن پوری توثیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "آب حیات" (اُردو) اثبات حیات انبیاء علیہم السلام اس کتاب کا موضوع ہے آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے اگرچہ اس میں ایک معتد بہ حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ﴿اوّلین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند﴾ کی رائے یہ تھی کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا اس کو نکال دیا ہے۔ اور یہ "اوراق متخرجہ آب حیات" پھلادہ ﴿بھارت میں ایک مقام کا نام ہے﴾ میں ہیں غرض اس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے۔ ولعل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ یوفقنی لذالک وماذالک علیہ بعزیز۔

احقر عبدالحمید سواتی عرض کرتا ہے کہ اوّلاً یہ روایت جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ منکر معلوم ہوتی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا محض اس لئے نکال دیا جائے کہ وہ ادق، اصعب یا عسیر الفہم ہے یہ حق صرف مصنف کا ہے کہ وہ خود اپنی کتاب میں سے نکال دے دوسرے حضرات یا ناشرین وغیرہ کو اس کا حق حاصل نہیں اگر خود مصنف نے ان اوراق کے استخراج کی اجازت دی ہے تو اس کا ثبوت قطعی ہونا چاہیے۔ اگر یہ اوراق مصنف کی اجازت کے بغیر نکالے گئے ہیں تو ان کو دوبارہ کتاب کے ساتھ شامل کرنا از حد ضروری ہے ورنہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً عرض ہے کہ اگر کتاب کے ادق ہونے کی وجہ سے اس کے حصوں کو الگ کرنا عام ناشرین یا شارحین کے لئے جائز ہوتا تو پھر تمام ادق قسم کی کتابوں میں وہ حصے جو عام فہم نہیں ہیں وہ نکال دیئے جاتے لیکن ایسا کرنا روا نہیں۔

ثالثاً عرض ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابیں اسی قسم کی ہیں مثلاً ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے بعض مقامات ''الخیر الکثیر'' ''تفہیمات الٰہیہ'' کے بہت سے حصے بدور بازغہ کے کئی مقامات، ''الہوامع'' کے کچھ حصے، ''سطعات'' کے بعض، ''سطعات لمحات'' کے کئی مقامات، ''الفوز الکبیر'' کے بعض مقامات بلکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابوں کے کئی مقامات ایسے ہیں لیکن ان کو کسی شارح یا ناشر نے کتاب سے نکال دینے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کو عسیر الفہم ہونے کی وجہ سے نکال دیا جائے۔

(۶) تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مختصر سا رسالہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معرکۃ الآراء اور علمی رسالہ ہے۔ ایک استفتاء کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے رسالہ اپنے استدلال اور علمی نکات کی دقت کی وجہ سے مشکل ہے، بعض لوگوں نے کم فہمی یا اپنی شقاوت کی وجہ سے عبارتوں میں قطع برید وتقدیم وتاخیر کر کے کچھ کا کچھ بنا کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر تکفیر بازی بھی کی ہے۔ دراصل رسالہ میں حضرت نے آیتِ ختم نبوت (خاتم النبیّین) کی ایسی عالی تحقیق فرمائی ہے جس کی مثال علمی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور رتبی ہر طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ آخر میں استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام کی تصویب وتصدیق بھی شامل ہے۔

(۷) مناظرۂ عجیبہ

یہ کتاب بھی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اوّل میں ''محذورات عشرہ'' جو تحذیر الناس کی عبارتوں پر کئے گئے ہیں۔ اور ان کے جوابات ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں وہ خط وکتابت ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہم عصر عالم مولانا عبدالعزیز صاحب نے تحذیر الناس پر جو اعتراضات کئے تھے اور جانبین سے چار چار خطوط میں مولانا

عبدالعزیز صاحب اعتراضات لکھتے رہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے جوابات تحریر فرماتے رہے بالآخر مولانا عبدالعزیز صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کو تسلیم کرلیا۔ جو اہل حق کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مکتوب ثالث میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''اپنا دین وایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں''۔ (ص ۱۰۳، طبع قدیم)

اتنی واضح بات کے بعد بھی جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں ان کے بارے میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسے بدنیتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں روزِ قیامت میں روسیاہی کے سوا کیا ہوگا۔

(۸) مکاتیب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید طباعت میں اس مجموعہ کا نام قاسم العلوم مع اُردو ترجمہ انوار النجوم'' ہے۔ یہ فارسی زبان میں دس مکتوبات کا مجموعہ ہے اس کی ترتیب وتبویب وتسہیل وتحشیہ وترجمہ حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند فیصل آبادی نے کیا ہے اور لاہور سے طبع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ پہلی طباعتوں میں چار حصوں پر مشتمل تھا لیکن اب اس کی ایک ہی جگہ مترجم شکل میں جمع کر کے طباعت کرائی گئی ہے۔

اس میں بعض مکتوبات بہت اہم ہیں مثلاً مکتوبات ''شرح حدیث ابی رزین'' بہت مشکل اور اہم مکتوب ہے۔ اس کا ترجمہ اور تفہیم ابھی بہت کچھ ناکافی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک بھی بہت مشکل حدیث مانی جاتی ہے۔ محققین نے اس حدیث کی شرح اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الانسان الکامل'' میں اور امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیوض الحرمین، الدر الثمین اور تفہیمات الٰہیہ'' وغیرہ کتب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الاسماء والصفات'' میں اور شیخ ابن

عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتوحاتِ مکیہ'' میں اس حدیث پر بحث کی ہے۔ اس میں ''عماء'' کا مفہوم متعین کرنا اور نیز فوقیت تحتیت مکان ظرفیت وغیرہ کی وجہ سے اشکالات پیدا ہوتے ہیں اور مسئلہ بھی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور تجلیات کی بحث، یہ مکتوب بھی فارسی زبان میں ہے۔ ''علوم قاسمیہ'' کی دقت اس میں نمایاں ہے۔ مکتوب صعب بلکہ اصعب ہے۔ اس پر بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہے اور اس کی تبویب وتسہیل ارباب حکمت قاسمیہ کے لئے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اسی طرح عصمت انبیاء کا مکتوب بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایسے عمدہ طریق پر عصمت انبیاء کا مسئلہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے، اختصار وجامعیت کے ساتھ ہزاروں صفحات سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ جن جن حضرات نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ان سب سے دلائل کی قوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ متکلمین کی عام کتابوں میں ایسی عمدہ بحث اس مسئلہ پر کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی طرح ماأھل لغیر اللّٰہ کے موضوع پر جو مکتوب ہے وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے، اس مکتوب کا اُردو ترجمہ اور تبویب وتسہیل حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم نے کی ہے جو بہت عمدہ ہے اگر طبع ہوجائے تو بہت مفید ہوگی اُمید ہے کہ عنقریب یہ بھی طبع ہوجائے گی۔

باقی مکاتیب بھی علمی نکات سے لبریز ہیں اور ہر ایک مکتوب اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسلام کے بہت سے شرائع وقوانین، احکام کی علل ومصالح اسباب خفیہ اور حکم غامضہ جس طرح ان مکاتیب سے سمجھ میں آتی ہیں اَز حد اہم اور لاجواب ہیں۔

(۹) تصفیۃ العقائد

اس رسالہ میں جو اُردو زبان میں ہے سرسید احمد خان بانی علی گڑھ کالج کے پندرہ سوالوں کے جوابات ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید احمد خان صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کی نیچریت کا نہایت لطیف اَنداز میں رَدّ فرمایا ہے، اور سب کو لاجواب کردیا ہے۔ اور ضمناً علم وحکمت کے بے شمار

حقائق آ گئے ہیں۔آخر میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب ہے سر سید احمد خان صاحب کے نام جو ناصحانہ اور مبلغانہ انداز میں احقاق حق کے لئے لکھا گیا ہے۔

(۱۰) اسرارقرآنی

یہ مختصر سا رسالہ ہے فارسی زبان میں ہے جس میں مختلف آیات قرآنیہ کے بارے میں مولانا محمد صدیق صاحب مرادآبادی نے سوالات حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے تھے۔جن کے جوابات حضرت نے تحریر فرمائے ہیں اور بہت سے اشکالات کو رفع کیا ہے آخر میں معوذتین کی حکیمانہ تفسیر ہے اور ''مثنوی رومی'' کے ایک مشکل شعر کی شرح ہے۔درحقیقت یہ بھی مکاتیب کے سلسلہ میں شامل ہے۔

(۱۱) تحفہ لحمیہ

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رَدّ لکھا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اوران کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا ہے۔اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اوران کی ہڈیاں اور دیگر اجزاء کا استعمال کرنا اوران سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کون سا انصاف ہے۔

(۱۲) انتباہ المؤمنین

یہ مختصر سا رسالہ فارسی زبان میں ہے۔اور ترمذی شریف کی اس حدیث کی شرح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کی ایک فضیلت کی خاص وجہ بیان فرمائی ہے۔بے مثال تحقیق پر مشتمل ہے۔رسالہ کے آخر میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب عربی زبان میں ہے جو انہوں نے شیخ عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا اور ''تقویت الایمان'' کے بارے میں اُٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

(۱۳) میلہ خدا شناسی

اس رسالہ میں اس مذہبی مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی روئیداد مذکور ہے جو ۱۲۹۳ھ میں شاہ جہان پور میں ہوا تھا۔ جس میں مختلف مذاہب کے پیرو کاروں نے حصہ لیا تھا۔ ہندو، عیسائی اور مسلمان سب ہی اس میں شریک ہوئے تھے۔ اور اہل اسلام کو اس میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس بحث میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حضرت کی تقاریر اور جوابات اس میں درج ہیں۔

(۱۴) مباحثہ شاہ جہان پور

اس مجموعہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تقاریر ہیں جو آپ نے ۱۲۹۵ھ میں مختلف عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کے اعتراضات کے جوابات میں کی تھیں۔ پنڈت دیانند سرسوتی۔ پنڈت اندرمن، پادری اسکاٹ جو انجیل کا مفسر مانا جاتا تھا اور پادری نولس وغیرہ معترضین نے جو مختلف اعتراضات اُٹھائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کس چیز سے پیدا کیا ہے اور ذات باری تعالیٰ محیط کل کس طرح ہے؟ اور خدا تعالیٰ اگر عادل ہے تو پھر رحیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بائبل کیوں الہامی نہیں اور وِید کے الہامی ہونے میں کیا چیز مانع ہے؟ نجات کس چیز میں حاصل ہو سکتی ہے؟ وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقاریر میں ان سب اعتراضات کے جوابات بأحسن طریق ذکر کیے ہیں۔ اور اسلام کی حقانیت کے عقلی و نقلی قوی دلائل بیان فرمائے ہیں جو تمام اہل عقل و خرد کیلئے سامان طمانینت پیدا کرتے ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھ مخالفین کے رَدّ کیلئے بے مثال قوی دلائل کا ذخیرہ آتا ہے۔

(۱۵) توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام

یہ اُردو زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنی ممنوع ہے نقلی دلائل کے ساتھ زیادہ تر عقلی انداز میں یہ مسئلہ سمجھا دیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

(۱۶) الدلیل المحکم

اس رسالہ میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تحقیق بیان فرمائی۔ **توثیق الکلام** اور **الدلیل المحکم** درحقیقت ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زائد ہیں ﴿ان دونوں کی شرح وتسہیل و اضافہ عنوانات تمہید مقدمات وغیرہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا سعید احمد پالن پوری نے کی ہے۔ اوراس کا نام ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' تجویز کیا ہے اور مکتبہ وحیدیہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے﴾

(۱۷) لطائفِ قاسمی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور تراویح کا مسئلہ اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) جمال قاسمی

اس رسالہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو مکتوب ہیں جو حضرت مولانا سید جمال الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک مکتوب میں ''وحدتِ وجود'' کی تشریح ہے اور دوسرے میں سماع موتی کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا سید جمال الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہم نے ''سور رسائل ہندسہ۔ ہیئت۔ فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ جبر ثقیل و غیرہا علوم میں، ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ واللہ اعلم کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان رسائل کے لکھنے کا موقع پیش آیا یا نہیں، اور یہ کہ یہ رسائل کس کے پاس ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ''انتصار الاسلام'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اور جناب مولانا کی وہ تحریریں جو زیر طبع اب تک نہیں آئیں۔ اور وہ کوئی سو موجود ہوں گے ان کے شائع کرنے پر بندہ نے کمر ہمت باندھی تو ہے خداوند کریم مدد کرے۔ آمین۔

(۱۹) فیوضِ قاسمیہ

یہ مجموعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ مکاتیب پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے آپ سے دریافت کئے تھے۔ بعض میں شیعہ حضرات کے اعتراضات کے جوابات ہیں اور کچھ اعتراضات وہ ہیں جو حضرت کی کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' پر اُٹھائے گئے تھے ان کے جوابات دیئے ہیں ایک مکتوب جمعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے یزید کے ایمان اور عدم ایمان کی بحث۔ نذر لغیر اللہ کی تحقیق۔ علم غیب مختص ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ سری و جہری قرأۃ کی حکمت بدعت وسنت کی تحقیق۔ تصور شیخ کا مسئلہ۔ اورنفس کی تحقیق وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۲۰) مصابیح التراویح

بزبان فارسی۔ بڑے سائز کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مسئلہ تراویح کی وضاحت ہے اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تشریح اور بیس (۲۰) عدد رکعت تراویح کا ثبوت شرعی وعقلی دلائل سے، اور یہ کہ بیس (۲۰) تراویح پڑھنا سنت کی فرد ہے یہ بدعت نہیں اس کو بدعت شمار کرنے والے حضرات غلو وتعدی کا شکار ہیں اور زیادتی کے مرتکب ہیں۔ اور حدیث **علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین** کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے یہ غیر مترجم ہے، اس کو ادارہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند نے طبع کرایا ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلمیذ رشید مولانا سید احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں تھے۔ ان کے ایک استفتاء پر جو انہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے جواب میں لکھی ہے نہایت اعلیٰ تحقیقات پر مشتمل ہے مولانا سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ:

''اس کتاب کا ترجمہ مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے

کیا ہے جو انوار المصابیح کے نام سے شائع ہوا ہے مگر اس سے کتاب کما حقہ حل نہیں ہوتی ہے۔ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے"۔

(۲۱) الحق الصریح فی اثبات التراویح

یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں مصابیح التراویح کی طرح بیس (۲۰) تراویح کے اثبات میں لکھا ہے یہ بھی ایک صاحب جناب عبدالرحیم خان صاحب کے مکتوب کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اور اس میں بیس (۲۰) رکعات کی مخالفت کرنے والے حضرات کے تعصب وہٹ دھرمی کو ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور متعصبین کی افسوس ناک حالت کو خوب آشکارا فرمایا ہے۔

(۲۲) "اسرار الطھارۃ" یہ بھی مختصر سا رسالہ ہے اور اس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں "طہارۃ" کے "اسرار و حکم" اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ قہقہہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضوء ہوتے ہیں اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں۔ جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۳) قصائدِ قاسمی

اس رسالہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند قصائد ہیں ایک قصیدہ بہاریہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں زبان اُردو میں ہے۔ جس کے ایک ایک شعر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت لگاؤ و تعظیم ظاہر ہوتی ہے، ایک قصیدہ عربی زبان میں ہے جو ترکی خلافت کے خلیفہ وقت سلطان عبدالحمید کے بارہ میں لکھا ہے بڑا معیاری قصیدہ ہے زبان کے اعتبار سے کسی متقدم شاعر کی فصاحت و بلاغت سے کم نہیں ۔ اس طرح ایک قصیدہ فارسی زبان میں ترکی خلافت کے متعلق

ہے۔اُس دور میں علماء دیو بند کا ایک بنیادی نظریہ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اتصال تھا جس کے نمائندہ ترکی تھے۔ایک قصیدہ میں اپنے رفیق شہید حضرت حافظ ضامن کا مرثیہ لکھا ہے اور شجرہ منظومہ بھی فارسی زبان میں ہے۔اس مجموعہ میں کچھ قصائد دوسرے اکابر کے بھی ہیں مثلاً مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک ایک قصیدہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۴) حاشیہ بخاری شریف

آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد علی سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے بالکل اسی انداز میں جس طرح حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔تحریر کیا ہے اور آخری حصہ کے مشکل مسائل کا خوب حل کیا ہے۔

(۲۵) فتویٰ متعلقہ اُجرت تعلیم

جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی تعلیم پر اُجرت لینے کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر محققانہ طریق پر بحث کی ہے۔

(۲٦) جواب ترکی بہ ترکی

یہ رسالہ دراصل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کے اشارہ اور حکم سے آپ کے تلمیذ حضرت مولانا عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات سے اور آپ کے طرز استدلال سے آریہ سماجیوں کے ایک رسالہ کے رَدّ میں لکھا ہے۔ رسالہ آریہ سماچار بابت ماہ اساڑھ بکرمی ۱۲۹٦ھ میں "لالہ انند لال" آریہ سماجی نے اسلام کے متعلق بعض غلط قسم کے اعتراضات کئے تھے۔ان کا جواب اسی کی زبان اور محاورہ میں دیا گیا ہے یہ قدیم طباعت میں ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ بھی بہت سے علمی افادات پر مشتمل ہے۔اور اس کے عنوانات وغیرہ کا اضافہ اور تسہیل مولانا اشفاق احمد دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم

نے کی ہے۔اور ''براہینِ قاسمیہ'' کے نام سے مجلس معارف القرآن کی طرف سے عمدہ کاغذو کتابت کے ساتھ دیو بند سے طبع ہوئی ہے ❁

(۲۶) ہدیۃ الشیعہ

۱۲۸۳ھ میں شیعہ کے کچھ اعتراضات کے بارہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر روانہ فرمائیں۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق اوقات میں ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر ماہِ صفر ۱۲۸۴ھ یعنی چند ماہ میں اس کو مکمل کیا اور اس کا نام ''ہدیۃ الشیعہ'' رکھا اس کتاب میں شیعہ حضرات کے تمام اور ما بہ الامتیاز مسائل کا ذکر آ گیا ہے۔خلافت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان و مقام شیعوں کا عقیدہ وتقیہ، مباحث فدک ، وراثت وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم اور وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھر ان روایات سے بھی جو مسلم عند الشیعہ ہیں، تمام اعتراضات کے ایسے مسکت جوابات دیئے ہیں کہ ان کے جواب سے ان شاء اللہ شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اُردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اس میں منطقی اصلاحات وغیرہ کا ذکر بھی کم ہے۔اس سے عام تعلیم یافتہ حضرات بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔اور اس کتاب میں ضمناً ایسے عجیب وغریب علمی نکات بیان کئے گئے ہیں جن سے اہل علم کو ''ایقان واذعان'' نصیب ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین قیّم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ عطا فرمائی تھی، یہ کتاب اس پر دلیل بین ہے، یہ کتاب پاکستان میں دوبار طبع ہوئی ہے۔پہلی دفعہ کراچی میں۔ پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب (سابق خطیب مسجد ہیڈ کوارٹرز کراچی) نے کتاب میں جا بجا عمدہ مفید عنوانات قائم کئے ہیں جس سے کتاب کی اچھی تبویب وتسہیل سے اس کتاب کے مضامین ومسائل زیادہ قریب الفہم ہو گئے ہیں

ساتھ کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے اور اس کی دوسری طباعت لاہور میں مکتبہ نعمانیہ والوں نے کرائی ہے۔ بہرحال جو حضرات فرقہ شیعہ کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں ان کے لئے بالخصوص اور عام اہل علم کے لئے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ اَز حد ضروری ہے اور غایت درجہ کا مفید۔

(۲۸) اَجوبہ اَربعین

یہ اُردو زبان میں پہلی طباعت سے دو حصوں میں تقریباً ڈھائی صد صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں شیعہ حضرات کے چالیس (۴۰) اعتراضات کے جوابات ہیں۔

مولانا سعید احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے توثیق الکلام کے مقدمہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا تعارف بھی مختصر طور پر کرایا ہے، اسی ضمن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی چند مزید کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۲۹) اجوبة الكاملة فى الاسولة الخامسه (اُردو)

کسی شیعہ کے پانچ لغو قسم کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

(۳۰) مکاتیب قاسمی (فارسی)

یہ مسائل سلوک پر چند مکاتیب ہیں۔

(۳۱) الحظ المقسوم من قاسم العلوم (عربی)

یہ جزء الذی لایتجزّی کا اثبات اور سماع و غناء کی تحقیق پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری کے نام یہ دو مکتوب ہیں۔ جو فصیح عربی زبان میں ہیں۔ واللہ اعلم

احقر عبدالحمید سواتی

خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ (ماہ شعبان ۱۴۰۱ھ)

دیباچہ

(طبع اَوّل ۱۲۹۱ھ۔اَز ناشر رحمہ اللہ)

بعد حمد خداوند متعال وصلوٰۃ وسلام بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجمیع اصحاب و آل رضی اللہ عنہم بندہ احقر و بے ثبات ''محمد حیات'' عرض کرتا ہے کہ ان دِنوں بعض عقل کے کچے مذہب کے متزلزل لوگوں نے چند سوال شیعوں کی جانب سے پیش کیے، ہر چند کہ یہ مضامین قدیمی اور پُرانے تھے جن کے جواب بارہا علمائے اہل سنت و جماعت نے دیئے اور لکھے مگر عادت ان مذہب والوں کی ہے کہ انہی باتوں کو رنگ بدل کر پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ اٹھائیس سوال اسی قبیل کے تھے، جواب ان سوالوں کے مشفق ومکرم مولوی عبداللہ صاحب انبیٹھوی فرزندرشید مولوی انصار علی صاحب نے لکھے تھے زاں بعد وہی سوال جناب فخر الاماثل مرجع الافاضل جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش ہوئے، تو جناب موصوف نے بھی باصرار احباب قلم برداشتہ ایک روز وشب میں اس کے جواب تحریر فرمائے۔ یہ دونوں تحریریں بندہ کو ہاتھ آئیں اور مناسب زمانہ یوں معلوم ہوا کہ یہ گوہر بے بہا یوں ہی چھپے نہ رہیں بلکہ چھپ کے مشتہر ہو جائیں اس لئے اس کی طرز مناسب یوں تجویز ہوئی کہ اَوّل سوال لکھا جائے بعد اس کے جواب جناب مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، اس کے بعد جواب مولوی عبداللہ صاحب کا اور ان جوابوں کا ایک حصہ قرار دیا جائے چنانچہ یہ حصہ اَوّل ٹھہرا اور ان جوابوں کے اَخیر میں دونوں صاحبوں نے چند سوال علماءِ شیعہ سے کئے ہیں اگر کوئی صاحب اس رسالہ پر کچھ تحریر فرمائیں تو ان سوالوں کے جواب لکھنے کی بھی ہمت کریں اور بعد اس کے چند مسائل اور کہ مذہب شیعہ کے اُصول مُہمہ سے ہیں، اس پر کچھ تحریریں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمارے ہاتھ آئی ہیں اس کو جُدا کر کے دوسرا حصہ قرار دیا اب یہ کل جوابات چالیس (۴۰) ہو گئے اور اس مناسبت سے نام اس مجموعہ کا ''اجوبہ اربعین'' رکھا گیا، اللہ جل شانہٗ سعی احقر کی مقبول فرمائے۔

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡن، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلام عَلٰی رسولہ
سیدالمرسلین و آلِہٖ و صحبہ واَزواجہ اجمعین .

(سبب تالیف کتاب)

بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ خادم خاص محمد قاسم اپنے مخدوم ومکرم مولانا محمد یعقوب صاحب ﷫ دار العلوم دیوبند کے اوّل صدر مدرس اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ زادہ اور حضرت کے شاگرد بھی۔ مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ﷫ کی خدمت میں عرض سلام ونیاز کے بعد عرض پرداز ہے کہ آج بروز چار شنبہ معلوم نہیں تاریخ ۱۶ ہے یا ۱۷ آپ کا والا نامہ لاوڑ سے میرے پاس آیا دیکھا تو ایک طومار کا طومار تھا، شیطان کے وَسوسوں کو بھی مات کیا، دیکھ کر دل بہت گھبرایا۔ جی میں کہتا تھا یہ ناگہانی بلا اوقات کھونے کے لئے کہاں سے سر پر آپڑی، پھر تسپر حاصل نہ وصول، شیعوں کی راہ پر آنے کی اُمید نہیں ادھر دِل کا ہل کا یہ خیال تھا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب ہی نے ان سوالوں کی اپنی لاحول سے کیوں نہ خبر لی، میں کجا اور دیوبند کجا، مگر کچھ آپ کا خوف کچھ حاجی صاحب (اس سے مراد حاجی ظہور الدین صاحب ہیں جو سوالات حضرت مولانا نوتوی کی خدمت میں لائے تھے۔ ۱۲۔ مہر محمد) کا لحاظ چار وناچار قہر درویش بر جان درویش۔ جب اور وقت فرصت نہ ملی تو اس وقت بعد مغرب لے کر بیٹھا اور اپنے اوقات کے خون پر کمر باندھی، مولانا! میری کم فرصتی کا کچھ حال نہ

پوچھیے، صبح کو۱۲ بجے، شام کو دن چھپے پر کیا چھوٹتا ہوں نہ عقل ٹھکانے نہ ہوش بجا، میں کہیں، دل کہیں تسپر عقل کی نارسائی اور اُوپر کی بے سروسامانی اور ادھر نامہ بر یعنی حاجی ظہور الدین کو گھر کا یہ شوق کہ کل کے جاتے آج ہی جانے کو تیار۔

استاذ زادہ کی تعظیم وفرماں برداری

بہرحال یہ آپ ہی کا اِرشاد ہے کہ مجھ سا کاہل باوجود ہجوم موال ﴿لفظ تو موال ہی ہے لیکن اس کا معنی واضح نہیں ہورہا شاید ملال یا اہوال ہوا۔ واللہ اعلم ۔۱۲۔ سواتی﴾ اور گم گشتگی سامان کتب اس نا اُمیدی پر کہ سائل کو خدا ہی راہ پر لائے تو آئے، قلم اُٹھاتا ہوں اور بنام خدا جو کچھ خیال نارسا میں گذرتا ہے لکھتا ہوں۔ پر یہ ڈر ہے کہ قلم کی باگ چھوڑ دیجئے تو پھر دیکھئے کب انتہا آتی ہے، اور روکئے تو کہاں تک روکئے۔ اس شش و پنج میں بارہا یوں خیال آتا ہے کہ مولانا اس ناکارہ کو معاف رکھتے تو بہت مناسب تھا اور انصاف سے دیکھئے تو میری دلتنگی بجا بھی ہے آپ کے ہوتے میری کیا ضرورت؟ اور اگر آپ کو فرصت نہ تھی تو مولوی عبدالحق مولوی عبداللہ مولوی محمود حسن مولوی فخر الحسن مولوی خلیل احمد مجھ سے کس بات میں کم تھے، پھر آپ کی (طرف سے) اصلاح ہوجاتی تو چاندی کا سونا بن جاتا، (ان علماء کے سامنے) قاسم کیا بکنے لگا۔ مولانا آپ کا اِرشاد برسر، یہ اپنی کیفیت بے اختیاری کا بیان تھا، امتثال اَمر میں بندہ نے چوں تک نہیں کی یہ گستاخی نہیں آپ کے اَخلاق پر ناز تھا۔

ضدی ہٹ دھرم کی اصلاح نہیں ہوتی

دیکھئے یہ آپ کا خادم سر زیر بانیاز رکھ کر بسم اللہ کرتا ہے، مخدوم من! مجھ کو اُمید نہیں کہ سائل راہ پر آئے، انداز سوال کہے دیتے ہیں کہ یہ اُوپر کی بات نہیں اس میں تہ دل کا ملاؤ ہے ہاں خدا کو سب قدرت ہے ورنہ اپنا تجربہ اور پُرانے افسانے سب اسی بات پر شاہد ہیں کہ جیسے کنواں تو ایک پیشاب کے قطرہ سے ناپاک ہوجاتا ہے، اور قطرہ پیشاب بہت سے پانی مثل دریا سے ملے تو پاک ہو، ایسا ہی اہل اسلام کے بگڑ جانے کے لئے تو ایک قطرہ بھی کافی ہے، اور اہل خطرہ بہت سے "لاحولوں" سے بھی درست نہیں ہوتے۔

اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت تامہ

بنی اسرائیل کو دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا احسان کیئے۔ راہِ اسلام تعلیم کیا سو کیا! فرعون کے کس عذاب سے بچایا، تسپر تسلیم احکام میں کس قدر تین پانچ کرتے تھے پہاڑوں کو اُٹھا اُٹھا کران کے سر پر معلق کر دکھایا، اور گرنے سے ڈرایا تب کہیں انہوں نے احکام کو تسلیم کیا۔

مخدوم من! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیسے کیسے معجزے دیکھتے تھے، اور باخبر نہ ہوتے تھے، ہاں سامری نے ایک کرشمہ دکھایا اور سب کو گمراہ کردیا۔ اس کرشمہ اور ان معجزوں کو کیا نسبت؟ غور سے دیکھئے تو یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا۔ نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کے ان کی مدد اور حفاظت کے لئے آتے، نہ اُن کے گھوڑے کی خاک پا سبز ہوتی، نہ یہ تاثیر دیکھ کر سامری اُٹھا کر لاتا، نہ یہ کرشمہ دکھاتا، غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات عظیمہ کہ کسی نبی کے ہوئے ہوں گے، کجا، اور یہ کرشمہ ظاہری کجا، کہ دھوکہ ہی دھوکہ تھا، اور وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل، پھر تسپر ان معجزات کا کچھ اثر نہ ہوا، پر اس کرشمہ پر سارے بنی اسرائیل باوجودیکہ نبی زادے تھے، قدیم کے مسلمان تھے، نیک بد، بھلے بُرے کو پہچانتے تھے لٹو ہو گئے اور ایمان کھو بیٹھے۔

سو مولانا یہاں بظاہر یہی نظر آتا ہے سامریان شیعہ کی یہ دھوکہ بازی جتنا کام کر گئی ہے، میرے جوابات دندان شکن سے وہ اُمید نہیں۔ ہاں یہ بھی اُمید نہیں کہ علماء شیعہ میں اگر کچھ حیاء ہو تو پھر اس طرف کو منہ بھی کریں۔

(اٹھائیس (۲۸) سوال دراصل ایک ہی سوال ہے)

مولانا! ہر چند سوالات مرسلہ دیکھنے میں اٹھائیس ہیں، پر اہلِ فہم جانتے ہیں کہ وہ حقیقت میں ایک سوال ہے، مطلب سب کا فقط اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑائی ہے اور اس کی ویسی مثل ہے جیسے کسی حجام نے کہا تھا۔ ''استاد حجام نائی میں اور میرا بھائی گھوڑا اور گھوڑے کا بچھیرا غلام کو آپ جانتے ہیں

"۔ سو جیسے اہلِ فہم کے نزدیک حجام کی یہ جعل سازی ایسی نہیں کہ اس پر کان رکھئے، ایسے ہی اہل عقل کے نزدیک شیعوں کی یہ دھوکہ بازی اس قابل نہیں کہ فریب کھائے، پر کیا کیجئے عقل بہت دن ہوئے اُٹھ گئی، کوئی کوئی صاحبِ عقل نظر آتا ہے۔ ناچار بپاس خاطر ابناء روزگار اوّل ایک جواب اجمالی معروض ہے بعدازاں تفصیل وار ہر ہر سوال کا جواب عرض کروں گا آپ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے، کہ جواب اجمالی کس کیلئے ہے اور جواب تفصیلی کس کیلئے، پر میں بھی اوروں کو جتانے کیلئے بتائے جاتا ہوں۔ مخدوم من! جواب اجمالی تو فقط اہل عقل اور انصاف کیلئے ہے، جن کی بصیرت و دانش تیز اور سینہ صاف ان کے حق میں ان اٹھائیس سناروں کی کھٹ کھٹ کے سامنے وہ اجمال ایسا ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ جیسے لوہار کی ایک۔ اور جوابات تفصیلی ان کے لئے ہیں جن کو عقل سے بہرہ، نہ فہم سے مطلب، اب قلم کو بہت تھام تھام کر مختصر مختصر عرض پرداز ہوں۔

سب کا اجمالی جواب

اَوّل جواب اجمالی ہے حاصل ان سب سوالوں کا اگر چہ بادی النظر میں جدا جدا معلوم ہوتا ہے بلکہ سادہ لوح تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ یونہی اتفاقی باتیں ہیں، لیکن موافق مصرعہ مشہور ہے۔

ہم خوب سمجھتے ہیں تیرے بھید کی باتیں

سوالات مذکورہ کا مطلب ہم سے پوچھئے، سائل کو نہ حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلب ہے نہ کسی کے اجماع سے غرض، اس کو اپنے مطلب سے مطلب ہے، غرض اصلی اس کی فقط یہ ہے کہ مستحق خلافت فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اور لوگ زبردستی خلیفہ بن بیٹھے، ان پر ظلم کیا، اور اس ظلم کا بار اپنی گردن پر لیا، بایں ہمہ وہ لوگ خطاء وار، گنہگار، منافق، بے دین، بدآئین، بے وفا، سراپا دغا، دل کے نامرد، نیتوں کے خراب تھے (معاذ اللہ) اگر بالفرض والتقدیر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے، اور کسی کا خلیفہ ہونا جائز بھی ہوتا، تو ایسے اوصاف والوں کا خلیفہ ہونا تو پھر بھی جائز

نہ ہوتا۔ جس نے ان سوالات کو لکھا ہے اس کی غرض اس کو تو معلوم ہی ہے پر جس نے غور سے دیکھا ہوگا وہ بھی سمجھ جائے گا۔ کہ مطلب اصلی یہی ہے، اور سب باتیں ہیں۔

اب ہماری بھی سنئے، سائل نے کچھ صراحۃً کچھ کنایۃً اصحاب کرام حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر اعتراض کئے، اور پھر اُن میں کوئی دلیل ایسی نہیں، کہ جو کلام اللہ سے ماخوذ ہو، بلکہ فقط چند شبہے ہیں، جن کا جواب عاقل کو تو بے تامل اور کم عقل کو تھوڑے سے تامل کے بعد معلوم ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف میں چار واضح ترین آیات

پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریفیں عموماً اور خصوصاً کلام اللہ میں اتنی ہیں کہ گنئے تو اُٹھائیس (۲۸) سوالوں سے (کئی گنا) زیادہ ہوں گی سب کی تو گنجائش نہیں، پر بمقدار عدد چار یار چار آیتیں شائقوں کے لئے منقول ہیں۔ اوّل تو پہلی آیت:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورۃ التوبۃ، آیت 100)

حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ: ”اوّل ہجرت میں سبقت کرنے والے اور انصار اور جن لوگوں نے ان کی خوبی اور احسان سے پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور ابھی سے تیار کر رکھی ہیں ان کے لئے جنتیں جن کے نیچے سے بہتی ہیں، نہریں ہمیشہ ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے۔ یہ بڑی مراد ہے“۔

اب دیکھئے اللہ تو بشہادت آیت مسطورہ ان سے ایسا راضی ہوا کہ خدا اس کا ہزارواں حصہ ہی اوروں کے نصیب کرے۔ پر سائل اور حضرات شیعہ تسپر راضی نہیں کہئے یہ وہی مُرغے کی ایک ٹانگ ہے کہ نہیں؟

دوسری آیت

”اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَاللّٰهِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَO يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌO خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ" (سورۃ التوبۃ، آیات،20تا22)

اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر آئے، اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کیا، وہ لوگ سب میں بڑے درجے والے ہیں۔ اللہ کے نزدیک، اور اصل مراد کو وہی پہنچے ہیں، بشارت دیتا ہے ان کو ان کا رب اپنی رحمت کی اور اپنی رضا مندی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لئے ہمیشہ کی راحت اور نعمت ہے اور پھر وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

اس آیت سے صاف روشن ہے کہ مہاجرین اوّلین کے برابر اس اُمت میں کسی کا رتبہ نہیں، اس میں کوئی ہوں امام ہوں یا امام زادے پھر تسپر شیعہ بارہ کے بارہ اِماموں کو اوروں سے افضل بتائے جاتے ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کرتے فوارہ لعنت بن کر اپنی عاقبت رہی سہی بھی خراب کر لیتے ہیں۔

تیسری آیت

"اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (۳۹) نِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (پ۱۷، حج، ع۵، آیت۳۹، ۴۰)

ترجمہ: "اس کا یہ ہے، ہماری طرف سے ان لوگوں کو بھی اجازت ہوئی، جن سے کفار قتال کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مظلوم تھے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ کون لوگ ہیں جن کو بے قصور ان کے گھروں سے نکال دیا (گیا) فقط اتنی بات پر کہ وہ یوں کیوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے"۔

پھر اس کے بعد انہیں لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (سورة الحج ، آیت، ۴۱)

ترجمہ: ''یعنی وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کا بادشاہ بنائیں تو وہ اوروں کی طرح عیش وعشرت میں نہ گزاریں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے زکوۃ دیں گے، نیک باتوں کا حکم کریں گے بُری باتوں سے منع کریں گے''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کامل، مکمل اور ہادی مہدی ہیں بذاتِ خود تو ایسے کہ عبادات بدنی اور مالی دونوں میں پورے، اور ان کیلئے ہادی ایسے کہ بھلے کام سے چوکنے نہ دیں، اور بُرے کام کے پاس پھٹکنے نہ دیں، دیکھئے خدا تو مہاجرین کی نسبت علی العموم لیاقت خلافت کی گواہی دے، پر حضرات شیعہ کی کچہری میں خدا کی بھی نہیں سنتے یہ بھی اندھیر نہیں تو پھر کب ہوگا، خلافت اور امامت میں سوا اس بات کے کہ آپ بذات خود خلیفہ اچھا ہو اور رعیت کا ہادی ہو اور کیا ہوتا ہے نبی کا یہی کام ہے ،خلیفہ اور امام کا کام کیوں نہ ہوگا۔ ورنہ پھر نیابت کا کیا معنٰی ؟

چوتھی آیت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا. (سورۃ الفتح، آیت 29)

ترجمہ: ''اس کا حاصل یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی اور ساتھ والے کافروں پر سخت، آپس میں رحم دل جب دیکھئے رکوع میں جھکے ہوئے سجدے میں پڑے ہوئے کاہے کیلئے؟ اللہ کا فضل اور اس کی رضا کی طلب رکھتے ہیں''۔

اس آیت کو دیکھئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کی جدا تعریف، نعمتوں کی جدا تعریف اعمال کی جدا تعریف کرتے ہیں بشہادت احادیث ایمان تو اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ کے دوست اپنے دوست ہو جائیں اور اللہ کے دشمن اپنے دشمن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

" مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ. (ازالۃ الخفاء، ص ۲۸، ج ۱)

ترجمہ: ''یعنی جس نے کسی سے اللہ واسطے محبت کی، اور اللہ ہی کے واسطے بغض رکھا، اور اللہ ہی کے واسطے دیا، اور اللہ ہی کے واسطے ہاتھ کھینچ لیا، اس نے بے شک اپنا ایمان کامل کرلیا''۔

سو کوئی صاحب انصاف کر کے فرمائیں کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا یہی خلاصہ ہے یا نہیں، پھر نیت اس سے بڑھ کر متصور نہیں کہ طالب رضا ہو عمل اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ شب و روز نماز ہی سے مطلب ہے، اس پر بھی حضرات شیعہ کو پسند نہ آئیں تو یہ معنی ہوئے کہ (معاذ اللہ) جو سب میں بڑا کافر اور بڑا ریا کار، رَنڈی باز شراب خوار ہو۔ وہ قابل خلافت اور امامت ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ ماننے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے

ان آیتوں کے بعد یہ عرض ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو کچھ کیا بجا کیا یا بیجا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اگر یہ ترتیب حسب مرضی شیعہ ہے تو فبہا ورنہ یہ معنی ہوئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ظلم کیا، دین محمدی میں رخنہ ڈالا جن سے ہدایت متصور تھی ان کو دَم نہ مارنے دیا، جنہوں نے نیا دین نیا آئین کر دیا، وہ مسند خلافت دَبا بیٹھے، باقی ان کے معین اور مددگار ہو گئے اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک عاقل سے لے کر دیوانہ تک یہ بات جانتے ہیں کہ جیسے ہدایت کے برابر کوئی عبادت نہیں اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سب میں بڑھ کر رہے ایسے ہی گمراہ کر دینے کے برابر کوئی گناہ نہیں اس لئے شیطان کو یہ منصب سپرد ہوا، سو درصورتیکہ (بزعم شیعہ) ترتیب معلوم غلط اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم ظالم اور بیدین اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مددگار، تو یہ معنی ہوں کہ نعوذ باللہ خدا نے اخوان الشیاطین کی اتنی تعریف کی جو اَولیاء رحمہم اللہ علیہم کو بھی نصیب نہیں۔

اب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ خدا کے قول و قرار کا اعتبار ہے، یا بھول چوک اور تقیہ کا احتمال ہے، اگر خدا کو خدا اور کلام اللہ کو کلام اللہ سمجھتے ہو تو اِیمان لاؤ اور شیطان کے وسوسوں پر نہ جاؤ ورنہ اپنا کہیں اور ٹھکانہ بناؤ۔

صاحبو! بندہ نے کلام اللہ کا حوالہ دیا ہے کسی پنڈت کی پوتھی کا اشلوک، نہیں پڑھا ہے تسپر اگر بوجہ وساوس معلومہ تردّد ہے، تو ہم جانیں کہ خدا کا بھی اعتبار نہیں، پر یوں ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں، الغرض سائل کے اعتراض ہم پر نہیں خدا پر ہیں آگے پیچھے وہی جواب دے دیں گے، ہاں اگر یہ مطلب ہے کہ کلام اللہ پر ایمان اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعتقاد سے سر سے پا تک معمور ہیں پر بطور تحقیق عرض سوالات ہے یہ غرض نہیں کہ دل کے پھپھولے پھوڑیئے اور سوال کے پردہ میں طعنے توڑیئے، بہت سے سوال لکھ کر بھیجئے کسی سُنّی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے اوقات کو خراب کرے گا ان کے سوالوں کے جواب میں کتاب کی کتاب لکھے گا تو آپ کی تسکین دو باتوں میں ہوئی جاتی ہے۔

حضرت موسیٰ وخضر علیہم السلام کے واقعہ میں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طعن کا ازالہ یقینی ہے

سورۂ کہف میں سولہویں پارہ کے شروع میں دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا سفر نامہ مسطور ہے۔ دیکھئے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑ ڈالا پھر کشتی بھی کس کی، جنہوں نے بے لئے دیئے سوار کیا، دریا سے پار کیا۔ کیا یہ بھی کوئی قصور ہے کہ بے وجہ ان کی کشتی توڑ ڈالی؟ اب آگے چلیے۔ آگے بڑھے تو کیا کیا۔ ایک بے گناہ نابالغ لڑکے کو ذبح کر ڈالا گناہ نہیں قصور نہیں؟ کسی کا خوب صورت بچہ یا کھیل ہی رہا تھا یا سر کہیں ہے، دھڑ کہیں ہے۔ دیکھئے یہ افعال حضرت خضر جن میں سر مو شائبہ گناہ نہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کی سمجھ میں نہ آئے عقل کیسی کچھ، نور نبوت کس قدر تسپر، حضرت خضر کے پاس گئے، تو خدا کی تعریف کے بعد گئے، مگر بایں ہمہ صواب کو خطاء اور فعل نیک کو گناہ ہی سمجھے، جب خضر نے بتلایا تو جانا کہ کشتی کا

توڑ ڈالنا ہی کشتی والوں کے حق میں اچھا تھا، ورنہ پیچھے سے کشتیوں کی پکڑ تھی۔ اگر صحیح سالم دیکھتے تو حاکم کے پیادے کھینچ لے جاتے بے چارے ملاح اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھتے، ایسے ہی طفل مقتول اگر جوان ہوتا، تو جیسے شیر بھیڑیئے سانپ کا بچہ بعد جوانی اپنے ہی اَطوار سیکھتا ہے، یہ بھی اطوار کفر اختیار کرتا، اور ماں باپ کو بھی کافر بنا ڈالتا۔ سو جیسے سانپ، شیر، بھیڑیئے کے بچوں کا قبل جوانی ہی مارڈالنا مناسب ہے ایسے ہی اس لڑکے کا مارڈالنا بھی مناسب تھا اس صورت میں گوکسی قدر اس کے ماں باپ کو رنج وفراق کا صدمہ ہو پر ان کے حق میں یہ رنج ایسا ہو گیا جیسے پھوڑے میں نشتر مار کر جراح جب پیپ نکالتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے، پر ہمیشہ ہمیشہ کی تکلیف کے عوض اَوّل تو اس تھوڑی تکلیف پر ٹلتی ہے، پھر جب مادہ فاسد نکلتا ہے، تو اس کی جگہ اَچھا مادّہ پیدا ہوتا ہے، اور تولد مادہ فاسد موقوف ہو جاتا ہے، ہاں تادم بقاء مادہ فاسد، البتہ اُمید تولد مادّہ صالحہ نہیں، سو یہاں بھی بعد مقتول ہو جانے طفل مذکور کے اس کے ماں باپ کو ایک دختر صالحہ ملی جس سے ایک نبی پیدا ہوا، ہاں اگر طفل مذکور نہ مارا جاتا تو پھر تولد نبی کی کوئی صورت نہ تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف خدا نے قرآن میں بار بار کی ہے

بالجملہ حضرات شیعہ کو اگر کلام اللہ کا اعتبار اور خدا کے قول وقرار پر اعتماد ہے۔ تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسی طرح معتقد ہو جائیں۔ جیسے خدا کے کہے سنے سے اپنی سمجھ کو ایک طرف طاق میں دھر، حضرت خضر کے معتقد ہوئے۔

تمہیں کہو اگر خداوند کریم حضرت خضر کی ان باتوں کی ہندی کی چندی نہ بتلا دیتا، تو پھر حضرت خضر سے زیادہ بُرا کون تھا، پھر جب خدا کا اتنا اعتقاد ہے، کہ حضرت خضر کے ایسے ایسے فعلوں کے معتقد ہوئے، تو صحابہ محمدی کے تو اس سے زیادہ ہی ہونا چاہیئے، اَوّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں تعریف کہ ان کی خوبی حضرت ہی کا فیض صحبت سمجھا جائے گا، ورنہ تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کیا کہے گا، عجب صاحب تاثیر تھے جن سے ساری عمر پانچ چار سے زیادہ مسلمان نہ ہوئے اور ہوئے

بھی تو ایسے دنیا دار کہ خدا پناہ میں رکھے، دوسرے خدا کی بات بھی بنی رہے گی، ورنہ آپ کی ان عیب چینیوں سے خدا کا بھی اعتبار نعوذ باللہ نہ رہے گا، اور کیا رہا ہے۔ خدا نے خضر علیہ السلام کی تعریف میں فقط اتنا فرمایا ہے۔

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا"

جس کا حاصل فقط یہ ہے کہ ایک بندہ تھا ہمارے بندوں میں سے، جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے یہاں سے علم تعلیم کیا تھا:

سو اِنصاف کر کے تم ہی فرماؤ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان تعریفوں سے جو اُوپر، مذکور ہوئیں، ان دو باتوں کو کیا نسبت، پھر اگر اپنی غلط فہمی سے عار لگتی ہے، تو اَوّل تو تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ نہیں، وہ کچھ کا کچھ سمجھ گئے، اگر تم اُلٹا سمجھ گئے ہو تو کیا قیامت ہے تسپر اگر تسکین نہ ہو تو خدا کے اعتبار کے بھروسہ انہی روایات کی تکذیب کریئے، جن سے خطائے صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ میں آتی ہے، اور اُن روایات کے بھروسہ سے خدا کی تکذیب تو کچھ ثواب کا کام نہیں، یہاں تک تو جواب اجمالی تھا اور اہل انصاف کو اس کے بعد ان شاء اللہ اور کسی بات کی جانب سے پھر شک نہ ہو گا۔

ہاں کج فہمان نا انصاف کا جواب، جن کی بات وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہو، ہم سے نہیں دیا جاتا، موافق مثل مشہور ''گوہ کی دارو موت'' خوارج سے اپنی تسکین فرمائیں، ہم کس کو بھلا کہیں کس کو بُرا۔

صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ہمارے حق میں تو دونوں مثل چشم و گوش قابلِ اتباع ہیں، اُن کی محبت ان کا اعتقاد ایمان کے لیے ایسے ہیں جیسے (اُڑنے والے) جانور کے دو پر اُڑے تو دونوں سے اُڑے اور ایک بھی نہ ہو تو گر پڑے، صاحبو! حضرات شیعہ اور اہل سنت کا مقابلہ ایسا ہے، جیسے، نصاریٰ اور اہل اسلام کا مقابلہ، ہم تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد ایسے ہی

حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے مقر انہیں برا کہہ سکیں نہ اُن کو، پر نصاریٰ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گستاخیاں کر کر اپنے اعمالناموں۔ ﴿یعنی اپنے اعمال نامے سیاہ کردیتے ہیں﴾ کی درستی کرلیتے ہیں، ایسے ہی اہل سنت کو تو ایک سے ایک زیادہ، سبھی کے غلام، سبھی کے ثنا خواں پر شیعہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت وہی عمل کرتے ہیں۔ جو یہود ونصاریٰ بہ نسبت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے ہیں۔ اب یہاں سے جوابات تفصیلی بہ ترتیب سوالات لکھتا ہوں۔

سوال اَوّل از جانب شیعہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے کوئی حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا یا نہیں؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے حکم خدائے تعالیٰ اور حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہوئے، پر فہم کی ضرورت ہے، ورنہ کج فہمی ہے تو اس کے جواب کے لئے یہ شعر پیشگی مرقوم ہے۔

چوں بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

(حکمِ) خدا کا حوالہ مطلوب ہے تو لیجئے، خلافت کے لئے افضل ہونا افضل ہے، میانجیو کا خلیفہ بھی وہی ہوتا ہے جو اس کا شاگرد رشید ہوتا ہے، نبی کے خلیفہ میں یہ بات بدرجہ اولیٰ چاہیے، اور میانجیو اور لڑکوں کی مثال کی اس لئے ضرورت ہوئی کہ حضرات شیعہ کی عقل لڑکوں سے کچھ کم نہیں، شاید اگر سمجھیں تو مکتب کی بات سمجھ جائیں، بہر حال خلیفہ کا افضل ہونا افضل ہے، سو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا دو طرح سے ثابت ہے، اور تنگی وقت اور جواب کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید ہم اور بھی عرض کرتے، پر اب دو ہی باتوں پر ٹالتے ہیں۔

افضلیت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر دو قرآنی دلیلیں

ایک یہ کہ بشہادۃ آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ سب میں افضل وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو، پھر سورۃ واللیل (شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان طبرسی میں ان آیات کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں ذکر کیا ہے۔ (مہر محمد) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں آپ ہی ارشاد فرماتے ہیں وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَا لَهٗ يَتَزَكّٰى۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ بچایا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ سے وہ شخص جو سب میں زیادہ متقی ہے کون؟ جو اپنے مال کو پاک ہونے کیلئے دیتا ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں، یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آزاد کرنا محض للہ ہے۔ اللہ کیلئے ہے، حضرت بلال کے کسی احسان کا بدلہ نہیں، تطویل سے ڈرتا ہوں ورنہ میں بہت کچھ اس میں ان شاء اللہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا، پھر کیا کروں؟ اُدھر موانع۔ اِدھر آپ، فقط اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ کوئی حدیث ہو تو بتلاؤ، سو میں نے آیت بتلائی ہاں یہ بات باقی رہی کہ یہ آیت ان کی شان میں ہے کہ نہیں؟ سو اس کی تصدیق کیلئے ساری تفسیریں موجود ہیں اور بھی نہیں، تو بیضاوی یا تفسیر عزیزی منگا دیکھئے، باقی آپ نے یہ تخصیص ہی نہیں کی کہ حدیث ہو تو کن کی ہو، اور ظاہر بھی ہے، آپ ایسے دیوانے نہ تھے جو تخصیص کرتے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل اگر ہوں گے تو سنیوں ہی کی کتابوں میں ہوں گے اور یہ نہیں تو پھر آپ ہی فرمایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، ہندوؤں کی پوتھیوں اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کیونکر نکالئے گا، یہ بسط و تفصیل کہاں ہے علیٰ ہذا القیاس فضائل مرتضوی سنیوں اور شیعوں کے اور کس کے پاس ہیں۔

دوسری آیت جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دلالت کرے وہ یہ ہے:

"اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ

اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْم" (سورۃ التوبۃ، آیت ۴۰)

ترجمہ: "حاصل یہ ہے اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا اللہ نے ایسے وقت اس کی مدد کی ہے جس وقت اس کو کافروں نے نکال دیا تھا جس حال میں کہ ایک وہ تھا اور ایک اس کے ساتھ میں ﴿شیعہ تفسیر مجمع البیان ص ۳۰، ج ۳ میں ہے و معناہ فقد نصرہ اللہ منفردًا من کل شیء الا من ابی بکر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد بجز ابوبکر کے ہر ذریعہ سے الگ کر کے فرمائی۔ ۱۲ حافظ مہر محمد﴾ فقط اور تھا، جب کہ دونوں غار میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غمگین مت ہو، اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی تسلی اس پر نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے تائید کی جو تم نے نہیں دیکھے اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کا بول بالا ہے۔"

اس میں دیکھئے حقائق و دقائق تو بہت ہیں، پر غرض مختصر یہ ہے کہ اللہ نے ان اللہ معنا فرمایا۔ اللہ معی و معک نہیں فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے، پر آنکھیں نہ ہوں تو کیا کیجئے کہ جس طرح کی معیت خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی ہاں اگر دونوں لفظ ہوتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ یہ اور قسم ہے وہ اور قسم اس صورت میں بجز اس کے ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام برابر برابر ہو یا اُوپر نیچے بہر حال فاصلہ کی گنجائش نہیں سو برابری تو ممکن نہیں یہی ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرحدِ اسفل اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سرحدِ اعلیٰ دونوں ملے ہوئے ہوں سو ظاہر ہے کہ اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رتبہ اور تینوں سے بلند ہوگا۔ یہ دو آیتیں تھیں۔ اب حدیث سُن لیجئے۔

حدیث سے صدیق اکبر کی افضلیت پر تین دلیلیں

(پہلی دلیل) پر پہلے سُن لیجئے کہ کلام اللہ و حدیث میں یہ کہیں نہیں کہ ماں باپ کے جوتیاں مت مارو وہاں یہ ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْھُمَا۔ یعنی ماں باپ

کے رُوبرو اُف بھی مت کر، اور جھڑک بھی مت، مگر عاقل اتنی بات سے سمجھ جاتا ہے کہ جوتیاں مارنا بدرجہ اولیٰ منع ہے، ہاں دینداران شیعہ بوجہ کم عقلی کچھ متامل ہوں تو ہوں، مگر ہم جانتے ہیں وہ بھی نہ ہوں گے، ایسا بھی عقل کا قحط پڑ گیا، بہر حال ایسا ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی سمجھے، یعنی قریب وفات، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام نماز بنایا، ہر عاقل نے پہچان لیا کہ جو دین کا امام ہو یعنی نماز پڑھائے وہی دنیا کا امام یعنی خلیفہ وقت بھی وہی ہوگا۔ کیوں کہ شیعوں کے طور پر تو سوائے اشرف و افضل کسی اور کا امام بنانا جائز نہیں اور سنیوں کے نزدیک گو جائز ہے پر افضل یہ ہے کہ افضل ہو، تسپر اس اہتمام سے کہ اور لوگ اوروں کے لئے کہیں، اور آپ باصرار تمام صدیق ہی کو نماز پڑھانے کو فرمائیں، اب حضرات شیعہ انصاف فرمائیں، مرتے وقت تو عام لوگ بھی خوف خدا کرتے ہیں، کسی کا بار اپنی گردن پر نہیں لے جاتے اگر (امامت) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ہوتا تو اور کوئی دِلاتا یا نہ دِلاتا، پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ بھی ایسے وقت میں ضرور ان کا حق دِلا کر جاتے۔

حضرات شیعہ کچھ تو اِنصاف فرمائیں! جیسے جوتیوں کی نسبت صاف ممانعت سے یہ زیادہ ہے کہ اُف کرنی اور جھڑکنے سے منع فرمایا، ایسے صاف خلیفہ بنا دینے سے یہ زیادہ ہے کہ ان کو امام عام مقرر کر دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ان ہی کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور اگر بالفرض یہ آیتیں اور یہ حدیث بھی نہ ہوتی تو کیا تھا، خلافت کے لئے وحی کی ضرورت نہیں، فقط اتنی بات دیکھ لینی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں اور مریدوں میں کون زیادہ لائق ہے کہ یہ بات تو معاملات سے اسی طرح معلوم ہو جاتی ہے، جیسے کسی کا بڑا عالم ہونا یا بڑا حکیم ہونا، یا بڑا بہادر ہونا، علیٰ ہذا القیاس چونکہ یہ بحث جواباتِ سوالات اربعہ میں کسی قدر بسط سے لکھ چکا ہوں، اور وہ بھی ساتھ ہی مرسل ہیں تو یہاں اتنے ہی پر اکتفاء لازم ہے۔ غرض ایک جواب تو فقط جواب ہی ہوتا ہے، اور ایک جواب باصواب، جس کے ہر پہلو سے اطمینان ہو، سو امام بنا دینا خلیفہ بنا دینے

سے زیادہ ہے، علیٰ ہذاالقیاس ایک حکم تو فقط حکم ہی ہوتا ہے، اور ایک اصل مطلب سے بڑھا کر کہا کرتے ہیں۔ جیسے لَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ سو یہ نماز کا امام بنادینا بھی ایسا ہی ہے۔

دوسری دلیل

علاوہ ازیں بخاری شریف میں ایک حدیث ہے اس کو سب کو نہیں لکھتا پر بقدر ضرورت اس میں سے ایک جملہ منقول ہے:

" لَقَدْ هَمَمْتُ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ وَابْنِهٖ وَاَعْهَدَ اَنْ يَّقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ اَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتُ يَاْبَى اللّٰهُ وَيَرْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْيَرْفَعُ اللّٰهُ وَيَاْبَى الْمُؤْمِنُوْنَ. (بخاری، ج۱ص۸۴۶)

حاصل معنی یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تحقیق ارادہ کیا تھا میں نے اس بات کا کہ ابوبکر صدیق اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد و پیان کرادوں تا کہ کل کو بولنے والوں کو کچھ گنجائش نہ رہے اور کسی تمنا والے کو تمنا نہ ہو، پھر میں نے کہا اللہ اور اہل ایمان دونوں سوائے ابوبکر کے اور کسی کے رَوادار ہی نہ ہوں گے۔

اور بخاری اور مسلم میں اس حدیث کی دوسری روایت میں بجائے لفظ اعهد الخ اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّىْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَ يَقُوْلُ قَائِلٌ ۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لکھوانا منظور تھا، پر یوں سمجھ کر کہ نہ خدا کو اور کوئی پسند آئے گا نہ مسلمانوں کو، آپ چُپ ہو رہے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس روز آپ نے قلم دوات منگایا، اور بزعم شیعہ حضرت عمر مانع ہوئے، کتابت خلافت صدیقی منظور تھی، پھر نہ جانے شیعہ کیوں بُرا مانتے ہیں اگر شکایت ہو تو سنیان صدیقی کو ہو، شیعوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی داد دینی چاہئے کہ دامادی سے پہلے ہی حق مرتضوی ادا کیا۔

باقی اس کا جواب کہ حضرت نے منع کیا ہے یا نہیں، اور بجا کیا یا بے جا آگے آتا ہے۔ یہاں فقط اس قدر قابل عرض ہے کہ یہ فرمانا کہ میں لکھ دیتا پر کچھ حاجت نہ دیکھی خلیفہ کر دینا ہے یا نہیں؟۔

تیسری دلیل

دوسری حدیث بھی بخاری اور مسلم ہی کی لیجئے:

عن جبیر بن مطعم رضی اللّٰہ عنہ قال اَتَتْ رَسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اِمْرَأَۃٌ فکلَّمَتْہُ فِیْ شَیْءٍ فَاَمَرَھَا اَنْ تَرْجعَ اِلَیْہِ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اَرَءَ یْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْکَ قَالَ اَبِیْ کَاَنَّھَا تعْنِی الْمَوْتَ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَأْتِیْ اَبَابَکْرٍ. (مسلم ص۲۷۳، ج ۲۔ بخاری ص۵۱۶، ج ا۔ ترمذی ص۲۰۸، ج ۲)

حاصل معنی یہ ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کسی بات میں آپ سے کچھ عرض کی آپ نے فرمایا پھر آنا اس نے عرض کیا اگر آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا انتقال ہوجائے آپ نے فرمایا ابوبکر کے پاس آنا۔

اب آپ ہی فرمایئے یہ خلیفہ بنادینے سے زیادہ ہے یا نہیں؟۔ غرض اس قسم کے اُمور بہت ہیں، جو آپ کی خلافت پر دلالت کرتے ہیں، اور وقت استخلاف صدیق اکبر، صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملحوظ رہے، شوق ہو تو کتاب ''ازالۃ الخفاء'' کو ملاحظہ فرمائیں۔

جواب مولوی عبداللہ صاحب

بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ جن سے صراحۃً اور کنایۃً خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی واضح اظہر من الشمس ہے، اس کا انکار بعینہٖ دوپہر کے وقت آفتاب کا انکار ہے۔ چنانچہ ان میں سے چند احادیث مذکور ہوتی ہیں۔ حالانکہ بعض خاص امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، بہ نظر منصفانہ دیکھ کر تصدیق خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کیجئے۔

پہلی حدیث

اخرج ابن سعد عن الحسن قال قال علی رضی اللّٰہ عنہ لَمَّا قُبِضَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نَظَرْنَا فِیْ اَمْرِنَا فَوَجَدْنَا النَّبیَّ صلی اللّٰہ علیہ وَسلم قَدْ قَدَّمَ اَبَابَکْرٍ فی الصَّلٰوۃِ فَرَضِیْنَا لِدُنْیَا نَا عَنْ مَّنْ رَضِیَ

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم عنہ لِدِیْنِنَا فَقَدَّمْنَا اَبَابَکْرٍ. ﴿حضرت شاہ عبدالحق علیہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب ما ثبت بالسنۃ میں ابن اثیر جزری کی اسد الغابۃ سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذکور قول ان الفاظ سے روایت کیا ہے﴾ (ازالۃ الخفاء ص ۶۸، ج ۱، بحوالہ استیعاب)

ترجمہ: تخریج کی ہے یہ حدیث ابن سعد نے حسن رضی اللہ عنہ سے حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہ دیکھا ہم نے اپنے اُمر میں اور پایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ تحقیق مقدم کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے میں پس راضی ہو گئے ہم دنیاوی اُمور میں اس شخص سے کہ جس سے حضرت راضی ہوئے اُمر دین میں پس مقدم کیا ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو۔

قَالَ قَدَّمَ رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اَبَابَکْرٍ وَاِنِّیْ صَحِیْحٌ وَغَیْرُ مَرِیْضٍ وَاِنِّی شَاھِدٌ غَیْرُ غَائِبٍ وَلَوْ شَاءَ اَنْ یُّقَدِّمْنِی رَضِیْنَا لدنُیَانَا مَنْ رضی اللّٰہُ ورَسُوْلُہٗ لِدِیْنِنَا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو امام بنایا اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی، میں بے شک موجود تھا غائب نہیں تھا۔ میں بھلا چنگا تھا بیمار نہیں تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم مجھے (امامت کے لئے) آگے کرنا چاہتے تو آگے کر دیتے پس ہم نے اپنی دنیا کے لئے اسی کو پسند کر لیا جس کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا۔ (مضامین رئیس الاحرار، ص ۲۲۔۱۲ اسواتی)

دوسری حدیث

وقال البخاری فی تاریخہ روی ابن جمھان عن سفینۃ رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ لِاَبِی بَکْرٍ وعُمَرَ وَعُثْمَانَ ھٰؤُلَاءِ الخلفاءُ بعدی.

اور کہا بخاری نے اپنی تاریخ میں کہ روایت کی ابن جمہان نے سفینہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے واسطے کہ یہ خلیفے ہیں میرے پیچھے۔

تیسری حدیث

الحدیث المذکور اخرجه ابن حبان قال حدثنا ابو یعلی حدثنا یحیی الحمانی حدثنا حَشْرَجُ عن سعید بن جمهان عن سفینة لمَّا بَنٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم المسجد وضع فی البناءِ حَجَرًا وقال لابی بکرٍ ضع حجرک الٰی جنب حجری ثم قال لعمر ضع جهرک الٰی جنب حجر ابی بکر ثُمّ قال لعثمان ضع حجرک اِلٰی جنب حجر عمر ثُمَّ قال هٰؤُلاءِ الخلفاءُ بعدی.

اور حدیث مذکور نکالی ہے ابن حبان نے اس نے کہا حدیث بیان کی ابو یعلیٰ نے اس نے کہا حدیث بیان کی یحیٰی الحمانی نے اس نے کہا حدیث بیان کی سعد بن جمہان نے اس نے روایت کی ہے سفینہ سے، ہرگاہ مسجد بنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ایک پتھر اس کی بنیاد میں اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ میرے پتھر کے برابر میں تم پتھر رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ابوبکر کے پتھر کے برابر تم اپنا پتھر رکھو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ، کو فرمایا کہ تم عمر کے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھو، پھر فرمایا کہ یہ میرے پیچھے خلیفہ ہیں۔

چوتھی حدیث

قال ابوزرعة اسناده لا بأس وقد اخرجه الحاکم فی المستدرک و صححه البیهقی فی الدلائل و غیرهما عَلَیْکُمْ بسُنَّتِیْ وَ سُنَّة الخلفاء الراشدین المهدیّین من بعدی اخرجه الحاکم من حدیث عرباض بن ساریة (ترمذی ص ۹۲، ج ۲، باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة)

کہا ابوزرعۃ نے اس حدیث کی اسناد میں کچھ نقصان نہیں اور لایا ہے اس کو حاکم مستدرک میں اور صحیح کہا ہے اس کو بیہقی نے دلائل وغیرہ میں۔ کہ لازم پکڑو طریقے میرے کو اور طریقہ خلفاءِ راشدین مہدیین کو میرے بعد۔ تخریج کی ہے حاکم نے حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے۔

فائدہ اس میں سوچنا چاہئے کہ حضرت نے بلا تعین کسی شخص کے خلفاء من بعدکی اتباع کا حکم فرمایا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو خلفاء بعد وفات ہوں گے راشدین اور مہدیین ہوں گے، **من اتبع فاهتدىٰ و من خالف فغوىٰ.**

پانچویں حدیث

اخرج الترمذی والحاکم من حدیث سلمة بن کهیل عن ابی الزعراء عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ اَصْحَابِیْ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَر وَاهْتَدُوْا بِهَدْیِ عَمَّارٍوَتَمَسَّكُوا بعَهْدِ ابنِ مسعودٍ رَضی الله عنه .

(ترمذی، ص ۲۲۱، ج ۲، مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع کرو تم ان کا جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی عادت اپناؤ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے عہد و پیمان کو مضبوط پکڑو۔

چھٹی حدیث۔۵ روایتیں

(۱) روىَ البُخارِی عن ابن عُمَر قال كُنَّا نَخَيّرُ بَيْنَ النَّاسِ فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم ، فَنُخَيِّرُاَبَابكرٍ ثُمّ عُمَرَ بن الخطاب ثم عثمان بن عَفَّان (بخاری ص ۵۱۶، ج ۱، باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی الله علیه وسلم) و زَادَ الطبرانی فی الکبیر فَيَعْلَمُ بذالک النبی صلی الله علیه وسلم ولا يُنْكِرُه.

ترجمہ: (۱) بخاری رحمہ اللہ نے اِبن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت کے زمانے میں ہم آدمیوں سے اِسے چھانٹتے تھے سو چھانٹتے تھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو، پھر عمر رضی اللہ عنہ کو پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو اور زیادہ کیا طبرانی نے کبیر میں کہ جانتے تھے اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکار نہیں فرماتے تھے۔

(۲)و اَخْرَجَ ابن عساکر عن ابن عُمَرَ قال کُنَّا وَفِیْنَا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نُفَضِّلُ اَبَابکر و عمر و عثمان.

(۲) اور روایت بیان کی ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے ہم فضیلت بیان کرتے تھے۔ ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی۔

(۳) و اَخْرَجَ ابن عساکر عن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ کُنَّا مَعَاشِرَ اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَنَحْنُ مُتَوَافِرُوْنَ. نَقُوْلُ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثم عُمَرَ ثم عثمان ثم نَسْكُتُ.

(۳) اور روایت کی ابن عساکر نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا ہم لوگ جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت میں کہ بہت تھے کہتے تھے افضل اس اُمت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر سکوت کرتے تھے۔

(۴) وَاَخْرَجَ الترمذیُّ عن جَابِرِ بن عبد اللّٰہ قَالَ قَالَ عُمَرُ لابی بَكْرٍ يَا خَيْرَ النَّاس بعد رسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال اَبُوْبَكْرٌ اَمَا اِنَّکَ اِنْ قُلْتَ ذالک فَلَقَدْ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ علی رجلٍ خيرٍ من عُمَرَ. (ترمذی، ص ۲۰۹، ج ۲ مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب)

(۴) اور روایت کی ترمذی نے جابر بن عبداللہ سے کہا کہا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے اے بہتر آدمیوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، سنو اگر تم یہ کہتے ہو تو میں نے بھی حضرت علیہ السلام سے سنا ہے کہ فرماتے تھے طلوع نہیں ہوا آفتاب کسی شخص پر کہ عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔

(۵) وَ اَخْرَجَ البخاریُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قَالَ اَبُوْبَكْر قَال قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيْتُ اَنْ يَّقُوْلَ عُثْمَان قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ قَالَ مَااَنَا

اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بخاری ص ۵۱۸، ج ۱)

(۵) اور روایت کی بخاری نے محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا محمد بن علی نے کہ میں نے اپنے باپ سے یہ کہا کون آدمی بہتر ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہا ابوبکر میں نے کہا پھر کون کہا عمر رضی اللہ عنہ اور میں اس سے ڈرا کہ یوں کہیں پھر عثمان رضی اللہ عنہ، میں نے کہا پھر تم، کہا میں تو ایسا ہی ہوں جیسے ایک اور شخص مسلمانوں میں سے ہو۔

ساتویں حدیث

" وَ اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَغَیْرُہٗ عن عَلِّیٍ قال خَیْرُھٰذِہٖ الْاُمَّۃِ بعد نَبِیِّھَا اَبُوْبکرٍ رضی اللّٰہ عنہ وَالثَّانِیُ عمر رضی اللّٰہ عنہ قال الذَّھبی ھذا متواترٌ ھذا متواتِرٌ عن عَلِّی فَلَعَنَ اللّٰہ الرَّوَافِض ما اجھلھم. (مسند احمد ص ۱۰۶، ج ۱)

ترجمہ: ''اور روایت کی احمد وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا حضرت علی نے بہتر اس امت کا بعد نبی کے ابوبکر ہے اور عمر ہے ذہبی نے کہا کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متواتر ہے متواتر ہے، سو اللہ روافض کو لعنت کرے کیسے جاہل ہیں''۔

آٹھویں حدیث

" اخرج الترمذی والحاکم عن عمر ابن الخطاب قال ابوبکر سیّدناو خَیْرُنَا وَاحَبُّنَااِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ". (ترمذی ص ۲۰۶، ج ۲)

ترجمہ ''اور روایت کی ترمذی نے اور حاکم نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے ابوبکر سردار ہمارے ہیں، اور بہتر ہمارے ہیں۔ اور ہم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ محبوب ہیں۔

فائدہ: غور کرنے کی جگہ ہے کہ ان کی تعریف ان کے ہم چشم و ہم عصر کیسی کرتے ہیں۔

نویں حدیث

واخرج ابن عساکر عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی اَنَّ عُمَرَ صَعِدَ الْمِنبَر ثُمَّ قَالَ اَلا اِنَّ اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْد نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْر فَمَنْ قَالَ غَيْرهٰذَا فَهُوَ مُفْترٍ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِیْ.

(ترجمہ) اور روایت کی ابن عساکر نے، عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی سے، کہ عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے، پھر فرمایا: اے لوگو سنو بے شک افضل اس اُمت کے بعد حضرت کے ابوبکر ہیں سو جو شخص اس بات کے برخلاف کہے، اس کی وہی سزا ہے جو بہتان باندھنے والے کی سزا ہو۔

دسویں حدیث

اخرج ابوالقاسم الطلحی فی کتاب السنة له من طریق سعید بن عروبة عن منصور عن ابراهیم علقمةقَالَ بَلَغَ عَلِيًّا اَنَّ اَقْوَامًا يُفَضِّلُوْنَهُ عَلٰى اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَصَعِدَ الْمِنبَر فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ بَلَغَنِیْ اَنَّ قَوْمًا يُفَضِّلُوْنَنِیْ عَلٰى اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيْهِ لَعَاقَبْتُ فِيْهِ فَمَنْ سَمِعْتُه بَعْدَهٰذَا الْيَوْمِ يَقُوْلُ هٰذَا فَهُوَ مُفْتَر عَلَيْه حَدُّالْمُفترِیْ وَقَالَ اِنَّ خَيْر هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْخَيْر بَعْدُ قَالَ وَفِی الْمَجْلِسِ الْحَسَنُ بنْ عَلِّیٍ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَوْسَمَّى الثَّالِثَ سَمّٰی عُثْمَانَ. (ازالة الخفاء بحواله کتاب السنة، ص ٦٨، ج ١)

(ترجمہ) ابوالقاسم طلحی کی کتاب السنۃ میں بسند سعید بن عروبہ از منصور از ابراہیم از علقمہ روایت لاتے ہیں کہ حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ منبر پر چڑھ گئے تو اللہ کی تعریف وثناء کے بعد فرمایا اے لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں نے اس کے متعلق پہلے (سزا) کا اعلان کیا ہوتا تو ضرور سزا دیتا پس

آج کے دن کے بعد جس کسی سے میں نے سنا کہ وہ یہ کہتا ہے تو وہ بہتان باندھنے والا ہے۔ بہتان تراش کی حد اسے ملے گی۔ اور فرمایا اس اُمت کے سب سے بہتر شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر اللہ بہتر جانتا ہے۔ راوی کہتے ہیں اس مجلس میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، فرمانے لگے اللہ کی قسم اگر تیسرے نمبر پر افضل کا نام لیتے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا لیتے۔

فائدہ: ''افسوس کی بات ہے کہ حضرات شیعہ حضرت امیر المؤمنین کے زمانہ میں نہ ہوئے جو انہی کے ہاتھ سے سوءادبی شیخین کا مزہ پائے''۔

گیارہویں حدیث

واخرج عبدالرحمن بن حميد فی مسند و ابو نعيم و غيرهما من طرف ابی الدرداء ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَت عَلٰی اَحَدٍ اَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَكْرٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيًّا و فی لفظ عَلَى اَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ بَعْدَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ اَفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَكْرٍ.

اور روایت کی عبدالرحمٰن بن حمید نے اپنی مسند میں اور ابو نعیم وغیرہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب نہ طلوع ہوا نہ غروب ہوا کسی شخص پر جو بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہو مگر یہ کہ نبی ہو، (اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد کسی بھی مسلمان پر سورج طلوع وغروب نہ ہوا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے فضیلت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی ماسواء نبی ورسول کے تمام بنی آدم پر ثابت ہوتی ہے۔

بارہویں حدیث

''فی الاوسط عن سعد بن زرارة قال قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ جِبْرِيْلَ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ خَيْرَ اُمَّتِکَ بَعْدَکَ اَبُوْبَكْرٍ''.

(طبرانی کی اوسط میں حضرت سعد بن زرارہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روح القدس جبریل علیہ السلام نے مجھے بتلایا کہ آپ کے بعد آپ کی اُمت کا سب سے بہتر شخص ابوبکر ہے)

فائدہ: سنت جماعت کے نزدیک خلیفہ اوّل کی اس حدیث سے کتنی فضیلت ثابت ہوئی کہ روح القدس جبرئیل بھی ان کو بہتر و افضل تمام اُمت کا فرمائے پر شیعہ اُس کو بھی روح القدس کی غلطی پر محمول کریں گے۔ نعوذ باللہ من ھذاالفرقۃ الطاغیۃ)

تیرھویں حدیث

اخرج الشیخان عن عمر و بن العاص قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ عَائِشَۃ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْھَا قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عُمَرَ بن الْخَطَاب (مسلم ص۲۷۳، ج ۲، بخاری ص۵۱۷، ج ۱، ترمذی ص۲۲۸، ج۲، فضائل عائشہ)

ترجمہ: ’’بخاری اور مسلم نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، کہا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، آپ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا، میں نے عرض کی کہ مردوں میں سب سے زیادہ کون ہے فرمایا اس کا باپ، پھر میں نے عرض کی ان کے بعد کون آپ نے فرمایا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

فائدہ:۔ سوّد اللہ وجوہ الروافض ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے باپ کو سب آدمیوں سے زیادہ چاہیں اور یہ ان کی شان میں کیا کچھ زبان درازیاں کریں۔

چودھویں حدیث

اخرج الترمذی و غیرہ عن انس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ ھذان سَیِّدا کُھُوْل اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنِ

وَالْاٰخِرِیْنَ ۔ (ترمذی ص ۵۲۷)

ترجمہ: اور ترمذی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ دونوں سردار ہیں بڑی عمر کے جنتیوں میں اوّلین اور آخرین کے۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روافض کی مطلقاً بیخ کنی کر دی ہے، کیونکہ شیخین کو سردار کہول جنت فرمایا معلوم ہوا کہ تادم واپسیں مؤمن کامل رہیں گے اور بعد انتقال کھول جنت کے سردار بنیں گے پر یہ فرقہ باغیہ پھر بھی نہیں شرماتا۔ کیا ڈر ہے، اَلْمرء یقِیْسُ علٰی نفسہٖ اگر کوئی بے وقوف اندھا دن کو رات بتلائے، تو اس کا کیا علاج ہے۔

پندرہویں حدیث

اخرج ابن عساکر عن ربیعة بن کعب قَالَ کَانَ اِسْلَامُ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ سَبَبُهٗ بِالْوَحْیِ مِنَ السَّمَآءِ وَذَالِکَ اِنَّهٗ کَانَ تَاجِرًا بِالشَّامِ فرأی رُؤْیَا فَقَصَّهَا عَلٰی بُحَیْرا الرَّاهِبِ فَقَالَ لَهٗ مِنْ اَیْنَ اَنْتَ قَالَ من مَکَّة قَالَ مِنْ اَیِّهَا قَالَ مِنْ قُرَیْشٍ قَالَ اَیُّ شیءٍ اَنْتَ قَالَ تَاجِرٌ قَالَ صَدَّقَ اللّٰهُ رُءْ یَاکَ فَاِنَّهٗ یُبْعَثُ نَبِیٌّ مِنْ قَوْمِکَ تَکُوْنَ وَزِیْرَهٗ فِیْ حَیَاتِهٖ وَخَلِیْفَتَهٗ بِعْدَ مَوْتِهٖ فَاَسَرَّهَا اَبُوْبَکْرٍ حَتّٰی بُعِثَ النَّبِیُّ صلی اللّٰه علیه وَسَلَّمَ فَجَاءهٗ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ مَا الدَّلِیْلُ عَلٰی مَا تَدَّعِیْ قَالَ الرُّءْیَا الَّتِیْ رَءَیْتَ بِالشَّامِ فَعَانَقَهٗ وَ قَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْهِ وَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔ (الریاض النضرة ص ۷۰، ج ۱، بحواله فضائلی)

ابن عساکر نے ربیعہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا باعث وحی آسمانی تھی اور قصہ اسلام یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شام کے ملک میں سوداگری کرتے تھے، آپ نے ایک خواب دیکھا، اس کو بحیرا راہب سے

بیان کیا، اس نے کہا تو کہاں کا رہنے والا ہے، انہوں نے جواب دیا مکہ کا اس نے کہا کون سے قبیلہ سے ہے، انہوں نے کہا قریش میں سے اس نے پوچھا کیا کام کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ سوداگر ہوں، اس راہب نے کہا اللہ تعالیٰ تیرا خواب سچا کرے، اللہ تعالیٰ تیری قوم میں ایک نبی بھیجے گا تو اس کا اس کی زندگی میں وزیر ہوگا اور بعد اس کی وفات کے خلیفہ ہوگا، اس بات کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے سو حضرت کی خدمت میں آئے، اور یہ کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دعویٰ پر کیا دلیل ہے فرمایا وہی خواب جو ملکِ شام میں تو نے دیکھا تھا، یہ سنتے ہی حضرت کو گلے لگایا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں"۔

فائدہ: خیال کرنے کی جگہ ہے کہ کتنی پیشتر حضرت کی تبلیغ رسالت کے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بشارت وزارت وخلافت کی مل گئی۔

سولہویں حدیث

و اخرج الحاکم عن انس بن مالک قَالَ بَعَثَنِی بَنُو الْمُصْطَلِق اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی مَنْ نَّدْفَعُ زَکٰوتَنَا اِذْ حَدَثَ لَکَ حَدَثٌ فَقَالَ اِدْفَعُوْھَا اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقُلْتُ ذَالِکَ لَھُمْ قَالَ قَالُوْا اِسْئَلْہُ اِنْ حَدَثَ بِاَبِیْ بَکْرٍ حَدَثُ الْمَوْتِ فَاِلٰی مَنْ نَدْفَعُ زَکٰوتَنَا فَقُلْتُ لَہٗ قَالَ اِدْفَعُوْھَا اِلٰی عُمَرَ قَالُوْا فَاِلٰی مَنْ نَدْفَعُھَا بَعْدَ عُمَرَ فَقُلْتُ لَہٗ قَالَ اِدْفَعُوْھَا اِلٰی عُثْمَانَ (ازالۃ الخفا ص ۸۶، ج ۱)

اور روایت کی حاکم نے حضرت اَنس بن مالک سے کہا بھیجا مجھ کو بنی المصطلق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہ ہم زکوٰۃ کس کو دیں جب آپ کو کوئی حادثہ پیش آئے۔ آپ نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دو، سو میں نے یہی جا کر بنی مصطلق سے کہہ دیا۔ اَنس کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ حضرت سے پوچھ کہ اگر ابوبکر کو

حادثہ موت پیش آئے تو کس کو زکوۃ دیں سو میں نے حضرت سے جا کر عرض کیا آپ نے فرمایا عمر کو دو، انہوں نے کہا بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کس کو دیں۔ میں نے حضرت سے یہ جا کر کہا آپ نے فرمایا عثمان کو دو۔

سترھویں حدیث

عَنْ سَهلِ بْنِ اَبِىْ حَثْمَةَ قَالَ بَائعَ اَعْرَابِى النَّبِىّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِىٌّ لِلْاَعْرَابِى اِئْتِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْئَلْهُ اِنْ اَتٰى عَلَيْهِ اَجَلُهٗ مَنْ يَقْضِيْهِ فَاَتٰى الْاَعْرَابِىُّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَقْضِيْكَ اَبُوْبَكْرٍ فَخَرَجَ اِلٰى عَلِىّ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ اِرْجِعْ وَاسْئَلْهُ اِنْ اَتٰى عَلٰى اَبِىْ بَكْرٍ اَجَلُهٗ مَنْ يَّقْضِيْه فَاَتٰى الْاَعْرَابِىُّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ يَقْضِيْكَ عُمَرُ فَخَرَجَ اِلٰى عَلِىٍّ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ اِرْجِعْ فَاسْئَلْهُ مَنْ بَعْدَ عُمَرَ فَقَالَ يَقْضِيْكَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلِىٌّ لِلْاَعْرَابِى اِئْتِ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْئَلْهُ اِنْ اَتٰى عَلٰى عُثْمَانَ اَجَلُهٗ مَنْ يَّقْضِيْهِ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى عَلٰى اَبِىْ بَكْرٍ اَجَلُهٗ وَعُمَرَ اَجَلُهٗ وَعُثْمَانَ اَجَلُهٗ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَمُوْتَ فَمُتْ. (ازالة الخفاء ص ۲۹، ج ۱، بحواله اسماعيلى)

(ترجمہ) سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ (بیع کا) کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اعرابی سے کہا کہ حضرت کے پاس جا اور یہ پوچھ کہ اگر آپ کی وفات شریف ہو جائے تو ادا کون کرے گا اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا، آپ نے فرمایا اَدا تجھ کو ابوبکر کریں گے، وہ اَعرابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی آپ نے فرمایا پھر جا اور پوچھ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی انتقال ہو جائے تو کون ادا کرے گا...... اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پوچھا آپ نے فرمایا ادا تجھ کو عمر (رضی اللہ عنہ)

کرے گا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اوران کوخبر دی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا پھر جا اور پوچھ کہ بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کون ہے آپ نے فرمایا عثمان ادا کرے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعرابی سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جااور پھر پوچھ کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہو جائے تو کون ادا کرے گا اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی موت اور عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو جائے اور عثمان رضی اللہ عنہ دنیا سے رحلت کر جائے اگر تو مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو تو بھی مررہ۔

فائدہ: حضرات شیعہ خواہ مخواہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی خلافت کیلئے اپنی جان کیوں تباہ کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہو کر کیوں رُوسیاہ بنتے ہیں حضرت امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہٗ کو خود ان سے پہلے اپنی خلافت کا خیال تھا جو اس دیہاتی کو بار بار بھیج کر خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت کرائی اور خیال خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کس واسطے نہ ہو۔ کیونکہ ایسی قرابتِ قریبہ اور خصوصیت خاصہ یعنی ازدواج حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا اور دوسرے کو کب حاصل تھا پر اُنہوں نے جو خلفائے ثلاثہ کے وقت میں دعویٰ خلافت نہ کیا تو کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔

شیعہ تقیہ کا ازالہ

اور حیلہ تقیہ حسب ظنون شیعہ کے ہم گوز شتر جانتے ہیں:

اَوّل تو اسدیت کے خلاف ہے، دوسرے بہ مقابلہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور خوارج کے کیوں تقیہ نہ کیا، حتیٰ کہ شہید ہو گئے، اور کون سا وقت تقیہ کا ہوگا، اور جن لوگوں نے بہ مقابلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے امیر المؤمنین کا ساتھ دیا وہ ہی بہ مقابلہ خلفائے ثلاثہ کے بھی ساتھ دیتے، اور یہ تقیہ کی بات ایسی مزخرفات ہے کہ ذرا بھی پاؤں نہیں چلتے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کیا کہیں گے، نعوذ باللہ

منھا کیا دونوں سے ترک فرض عین ہوا۔ ایک بات ہم اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین اپنی خلافت میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلفائے ثلاثہ کی تعریف اور فضائل بیان کرتے تھے، اگر وہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ امیر المؤمنین کیسے شیر خدا تھے کہ بعد انتقال سالہا سال کے بھی خلفاء کے خوف سے ان کی تعریف کرتے تھے، افسوس کہ شیر خدا ہو کر مُردوں سے خائف ہو۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تو ایسے بزدل و نامرد نہ تھے کوئی اور علی ہوں گے کہ جن کے یہ شیعہ متبع ہوئے ہیں، اور ان کے متعلق ایسی ایسی نامردیاں بیان کرتے ہیں اور اگر بالفرض والتقدیر ان کے مقتداء علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی ہیں تو یہ اُمور ان کی طرف نسبت کرنے صرف ان شیعہ کی حماقت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ''دانا دشمن بہ از نادان دوست'' مگر ان کا بھی کیا قصور ہے:'' الا ناء یریق بما فیه ۔ جیسے خود ہیں ویسی ہی باتیں کرتے ہیں۔

﴿برتن سے وہی کچھ ٹپکتا ہے جو کچھ اس میں ہوتا ہے۔ مہر محمد﴾

اٹھارویں حدیث

'' و عن جبیر بن مطعم ان امرء ۃ اتت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فکلمته فی شئ فامرھا ان ترجع الیه قالت فان لم اجد ک کانھا تقول الموت قال ان لم تجدینی فاتی ابابکر اخرجه البخاری ومسلم والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه ''(بخاری ص۵۱۶، ج۱، مسلم ص۲۷۳، ج۲، ترمذی ص۲۰۸، ج۲)

(ترجمہ) اور جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی اَمر میں آپ سے گفتگو کی آپ نے اس کو فرمایا کہ پھر آنا اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں گویا یوں کہتی تھی کہ اگر آپ کی وفات شریف ہو جائے آپ نے فرمایا اگر تو مجھ کو نہ پاوے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیو۔ روایت کی اس کو بخاری اور مسلم اور ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

سوال دوم اَز جانب شیعہ

اجماع اہل حل وعقد کی صفت بیان کیجئے۔

جواب سوال دوم:

اجماع اہل حل وعقد کی حقیقت اور صفت تو اتنی ہی ہے کہ سب اہل حل وعقد ایک بات پر متفق ہو جائیں اس میں پوچھنے ہی کی کون سی بات ہے جو حضرت نے سنیوں کو دھمکارا۔

اہل حل وعقد کی تعریف

ہاں یہ پوچھنا مدنظر ہے کہ اہل حل اور عقد کس کو کہتے ہیں تو اس کا جواب ہم سے لیجئے، آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ہم جیسے بے سر وسامان نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے۔ ایک وہ لوگ جو تھوک دار ہوتے ہیں، جیسے آپ کے رئیس، یا چودھری، کم سے کم ایسے سمجھو جیسے دیو بند کے منڈ، جن کے کسی کام میں کھڑے ہو جانے سے دس آدمی کھڑے ہو جائیں، بیٹھ جانے سے دَس آدمی بیٹھ جائیں، سو اَیسے آدمیوں کو اپنی اپنی حیثیت کے موافق اہل حل وعقد کہتے ہیں، حل کے معنٰی کھولنا، عقد کے معنی باندھنا، سو یہ لوگ بھی اَیسے ہی ہوتے ہیں، کہ ان کے باندھے بندھتی ہے، اور کھولے کھلتی ہے، ایسے لوگ اگر کسی کے ساتھ عہد و پیان کر لیتے ہیں، تو ان کے ذریعہ اور ان کے منہ دیکھنے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور تابعداروں کے ذمہ بھی وہ عہد لازم ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی پیر یا کوئی مدرّس کسی سے کچھ عہد یا پیان کرے، تو اس کے مریدوں اور شاگردوں کے ذمہ بھی اس کی وفا لازم ہے، چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ سے بھی عیاں ہے کہ سارے جہان میں یہی دستور ہے، اور اس قانون کو ہر ایک نے تسلیم کر رکھا ہے، یہاں تک کہ اگر دو بادشاہوں میں لڑائی بھڑائی کے بعد صلح ہوتی ہے، تو وہ لڑائی اور صلح ہر ہر سپاہی، اور ہر ہر منشی کی صلح اور لڑائی سمجھی جاتی ہے، مگر اہل عقل پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قافلہ کا افسر کسی سے کچھ عہد و پیان کرے گا تو وہ عہد و پیان اس کے اتباع اور

تابعداروں کے ذمہ لازم ہوگا، ایک کا عہد و پیمان دوسرے کسی قافلہ کے افسر یا اس کے اتباع وخدام کے ذمہ لازم ہوگا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ وزین العابدین رحمہ اللہ کا مقام

اس سے حضرت سید الشہداء شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کو گنجائش حرف گیری نہیں کیونکہ وہ بجائے خود ایک سردار اعظم اور افسر عالم تھے، اوروں کی بیعت سے، یزید کی بیعت ان کے ذمے لازم نہ ہوئی تھی، جو کوئی عقل کا پورا جس کو دھتورے کے پینے کی حاجت نہیں، بوجہ بیعت اہل شام جو یزید پلید کے ہاتھ پر کر چکے تھے، حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرے یا مذہب اہل سنت پر آوازہ پھینکے، ہاں اتنی بات باقی رہی کہ کبھی بعض بزرگ بوجہ کمال خاکساری اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھ کر گوشہ عافیت قبول کرتے ہیں، اور اپنی طرف ہرگز گمان نیک نہیں کرتے جیسے حضرت امام زین العابدین علیہ وعلیٰ آباءہ الکرام۔ السلام، بوجہ خاکساری بوقت دعا اس قسم کے مضامین کہا کرتے تھے، کہ الٰہی شیطان نے میری باگ پکڑ لی ہے، اور میرے اُوپر غالب آ گیا ہے۔ چنانچہ صحیفہ کاملہ میں جو منجملہ کُتب معتبرہ شیعہ میں ہے، اس قسم کی دُعائیں موجود ہیں، سو اس قسم کے لوگ بوجہ خاکساری، اپنی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے، اور اُوپر کے لوگ بوجہ کمال عقیدت، ان کی بیعت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اہلِ دیوبند اپنے بیماروں پر کرم (دَم دُعا) کرنے کے لئے حاجی عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کا قدم رنجہ فرمانا غنیمت سمجھتے ہیں، اور خود حاجی صاحب سے پوچھئے تو بوجہ خاکساری اپنے سے بُرا کسی کو سمجھتے نہیں۔ (دوستوں میں خفگی وشکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔)

سو ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوّل بیعت نہ کرنے کو خیال فرمایئے، بایں ہمہ جہاں دوستی اور محبت ہوا کرتی ہے وہاں رنج بھی ہوا کرتے ہیں، پر اس رنج میں اور اعداء کے رنج میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے، یہاں جوش محبت ہوتا ہے، وہاں زورِ عداوت، اوّل جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے سقیفہ بنی

ساعدہ میں بیعت کے لئے گھیر لیا اور اس وقت چارو ناچار ان کو بیعت کا (قبول) کرنا اسی طرح ضروری ہو گیا جیسے بارہا حاجی صاحب کو بوجہ منت سماجت، اہل دیو بند جامع مسجد کا اہتمام سر پر لینا ضروری ہو جاتا ہے، یا مولوی محمد یعقوب صاحب کو باوجود اس شدّت انکار کے وعظ کا فرمانا۔

تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسا رنج ہو گیا، جیسے دیو بند کی شادیوں غمیوں میں کسی بے خبری کے باعث بھائی رُوٹھ جاتے ہیں۔

ایک مثال

تھوڑے ہی دن گذرے مولوی ذوالفقار علی صاحب کے بڑے صاحبزادے کی شادی میں برادری کے بھائی اتنی بات پر رُوٹھ گئے کہ کھانے کا انتظام طالب علموں کے کیوں سپرد کر دیا، یہ کام ہم سے کیوں نہ لیا، سو جیسے ان صاحبوں کو خدانخواستہ مولوی صاحب سے کوئی رنج نہ تھا، ہاں ناز برداری کہیے، اس لئے تھوڑے سے تملق کے بعد شیر و شکر کی طرح رَل مِل کر ولیمہ کا کھانا نوش فرما گئے، اور اس سب کے تدارک و تلافی میں اتنی بڑی عزت لے گئے، ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیال فرمایئے، اس سے ظاہر کی بے اعتنائی پر جس میں واقع میں ایسی ہی بے اختیاری تھی، جیسے مولوی صاحب کی بے اعتنائی کہ کچھ جان بوجھ کر بھائیوں کی ضد سے نہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رنج ہو گیا، سو وہ رَنج نہ تھا، ناز محبت تھا، اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عرض حال کے بعد وہ رنج مبدل بہ خوشی ہو گیا، اور علی الاعلان یہ فرمایا کہ ہم کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کلام نہیں، اُن کی بزرگی کا رشک نہیں، ہاں ہم کو یہ اُمید نہ تھی کہ بیعت کے وقت ہم کو پوچھنے کے بھی نہیں، اور پھر مجمع عام میں بیعت کی، ادھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ قدر شناسی کی کہ کاہے کو ہوتی ہے، منبر پر کھڑے ہو کر بہ قسم یہ کہا کہ مجھ کو جتنی قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس و لحاظ اور ان کے ساتھ محبت ہے اتنا اپنی قرابت کا پاس و لحاظ نہ ان کی اتنی محبت ہے اور اپنا

عذر بیان کیا، غرض مثل شیر و شکر دونوں ایک ہو گئے وہ مثل ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ تو راضی ہو گئے پر ایرا غیر پچ کلّیان راضی نہیں یہ تحقیق موافق مذہب اہل سنت تھی۔

مذہب شیعہ کے اُصول پر جواب

پر موافق اُصول شیعہ اس کا اور جواب ہے، یعنی اَوّل اَوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اِرادہ ہی نہ تھا کہ بیعت کیجئے، اپنا حق کسی کو کیوں دیجئے، مگر آخر کار موافق سنت خداوندی نعوذ باللہ بداُ واقع ہوا، یعنی یہ سمجھ میں آیا کہ حق میرا نہیں، اس منصب کا مستحق میں نہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اور کیونکر نہ سمجھتے شیعوں کی مانند بدفہم تو نہ تھے جس کو خدا اَتقٰی کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام نماز بنائیں، پنچ ساری خلیفہ مقرر کریں، وہ بھی خلیفہ نہ ہو تو اور کون ہو، دنیا میں تین ہی حاکم ہیں، خدا، رسول یا تیسرے پنچ جسے شریعت میں اجماع کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تو ایک بھی نہ تھا، بہر حال اَوّل سے معتقد خلافت اَوّل کہو یا بعد میں سمجھو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شریک بیعت ہونے میں کچھ شک نہیں۔۔

تقیہ کے عذرِ لنگ کا ازالہ

باقی یہ عذر پوچ کہ تقیہ تھا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبردستی تھی، قدر دانانِ مرتضوی کے سامنے گوزشتر کے بھاؤ بکتا ہے، اس متاع بے بہا اور گوہر یکتا کو پڑیا میں باندھ کر رکھ چھوڑیئے لکھنؤ کی نوابی جب کبھی بحال ہوگی کام آئے گا، غضب نہیں کہ شیر خدا کو گیدڑ سے بھی پرے کر دیا اور شاہ مرداں کو عورتوں سے بھی زیادہ بے عزت بنا دیا، صاحبزادے ایسے غیرت مند کہ عراق کی تیس ہزار ﴿یہ مبالغہ یا شیعوں کی مشہور کردہ حکایت ہے، تاریخ سے تین چار ہزار لشکر کا پتہ چلتا ہے۔۱۲ مہر محمد﴾ فوج جرار و کرار سے بھی نہ چھپے جان نازنین پر کھیل گئے، خانماں کو غارت کرا دیا عزت دنیا کو خاک میں ملا دیا، پر اپنی بات سے نہ ٹلے، اور ادھر سے فقط اتنی درخواست کہ ایک بیعت کر لو پھر جو چاہو سو کرو اگر یہی تقیہ تھا تو کس دن کے لئے تھا، باپ کو

چاہئے تھا کہ بیٹے سے دو چار نمبر زیادہ ہی رہتے، پھر اس قصہ اور اُس قصہ میں زمین و آسمان کا فرق نہیں؟ یزید فقط دشمن دنیا تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ حسب مقولہ شیعہ دشمن دین، اس لئے تبرا کے وقت انہیں کو نشانہ بناتے ہیں، اور اپنی تعریفیں ان کی شان میں سناتے ہیں۔

شیعوں کا تقیہ قرآن کے مخالف ہے

اور اس غیرت اور بے عزتی کی بات بھی جانے دو، حکم خدا بھی یہی ہے کہ خدا کی راہ میں جان پر کھیل جائے، عزت کا پاس نہ کرے، کسی کے بھلا بُرا کہنے سے نہ ڈرے، چنانچہ اَچھے بندوں کی تعریف میں فرماتے ہیں:

" يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ"(سورة المائدہ، آیت ۵۴)

جس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتے اس سے ہر کوئی سمجھ گیا ہوگا کہ اَچھوں کو نہ خوف جان چاہئے نہ پاس آبرو ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرماتے ہیں:

"وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا"(اٰلِ عمران، آیت ۱۴۶)

(جس کے یہ معنی ہیں) بہت سے ایسے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ ہو کے بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے جہاد کیا، تو اس پر نہ وہ سُست ہوئے، نہ ہارے نہ گھبرا کر کافروں کے سامنے لجاجت کرنے لگے۔

سو آپ ہی فرمایئے تقیہ میں سوا ان تین باتوں کے اور کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر کلام اللہ میں کہیں بھی نامردوں اور کم ہمتوں اور بے غیرتوں کی تعریف ہوتی، تو یوں بھی سہی، اور اگر یہی سچ ہے کہ خدانخواستہ تقیہ تھا، تو پھر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام کیا بھی ہوگا تو خدا نے معزول کردیا، کیونکہ ایسے جان کے بچانے والوں سے

آگے کو کیا اُمید اور بہ نظرِ اُمید ہائے دور دراز شیخین کو خلیفہ کر دیا۔ سو یہی سچ معلوم ہوتا ہے کیونکہ الحمد للہ ویسا ہی ظہور میں آیا۔ روم وشام تو درکنار ایران کو بھی مسلمان کر دیا۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

مجتمع ہونا قُضاۃ و امراء اور رؤساء اور علماء کا اجماع اہل حل وعقد کہلاتا ہے، یعنی ایسے لوگ مجتمع ہوں جن کے باندھے بندھے اور کھولے کُھلے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و دیگر مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم تھے، کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کی اور وہی بیعت تاحیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بلا منازعت و تنازع و بلا انکار منکر قائم رہی اور تمام اہل حل وعقد کا مجتمع ہونا ضرور نہیں ہاں اکثر کا اجتماع ضرور ہے تاکہ للاکثر حکم الکل ہو جائے، جیسا کہ خلفاء اربعہ کی خلافت میں ہوا، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت وفضیلت کا کوئی بھی منکر نہ تھا، حتیٰ کہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"لَسْتُ بِمُنْكِرٍ فضل ابی بکرٍ و فضل و عُمَرَ وَلٰكِنْ ابابکر افضلُ من عُمَرَ".

ترجمہ: "میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا منکر نہیں ہوں اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بزرگی کا منکر مگر ابوبکر افضل ہیں عمر رضی اللہ عنہ سے"۔

اخرج ابو القاسم عن عبد خیر صاحب لواءِ علیٍ اَنَّ عَلِیًّا رضی الله عنه قَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَوَّلِ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا فَقِيْلَ لَهٗ بَلٰى يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ قِيْلَ فَيُدْخَلَا نِهَا قَبْلَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ عَلِیٌّ رضی الله عنه اِیْ وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَءَ النَّسَمَةَ لَيَدْخُلَا نِهَا وَاِنِّیْ لَمَعَ مُعَاوِيَةَ مَوْقُوْفٌ فِی الْحِسَابِ.

(ازالة الخفاء بحواله ابو القاسم ص ۶۸، ج ۱)

(ابو القاسم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمبردار عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم کو یہ نہ بتاؤں کہ سب سے پہلے جنت میں

اپنے نبی کے بعد اس اُمت کا کون سا شخص جنت میں جائے گا۔ کہا گیا ضرور بتایئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں سوال ہوا کہ امیر المؤمنین آپ سے بھی پہلے وہ داخل ہوں گے فرمایا ہاں! اس اللہ کی قسم جس نے دانہ پھاڑا اور رُوح بدن کو پیدا کیا وہ یقیناً داخل ہوں گے جب کہ میں معاویہ کے ساتھ حساب میں کھڑا ہوں گا)

فائدہ: افسوس ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام باقر رحمۃ اللہ علیہ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ کچھ فضیلت فرمائیں حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہ تصریح تمام فوقیت دیں اور روافض خذلہم اللہ ان کی خلافت سے منکر ہوں اور ان کے کیا منکر ہیں بلکہ اپنے ائمہ سے منکر ہیں۔

سوال سوم (۳) از جانب شیعہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جو اجماع ہوا وہ بہ موجب طریقہ معیّنہ اہل اسلام کے واقع ہوا یا نہیں۔

جواب سوال سوم

واقعی حضرت ابوبکر کی خلافت پر ایسا اجماع ہوا جیسا اہل اسلام میں چاہیے، بلکہ کسی اور بات میں ایسا اجماع ہوا ہی نہیں، یہاں تک کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب متفق ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ میری بیعت نہ کرنے سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق نہیں جانتے، خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کر تنہا شکوہ و شکایت دوستانہ کر کے وعدہ بیعت کیا، اور اگلے روز مجمع عام میں آ کر بیعت کی۔ اگر جی میں نہ تھی تو اس وقت تک کسی نے خدانخواستہ گلے پر چُھری نہ رکھی تھی، اور رکھتے بھی تو کیا تھا، اماموں کی موت موافق عقیدہ شیعہ اور شہادت کلینی ان کے اختیار میں ہے۔ باقی شیعوں کا یہ

رانڈوں کا سا رونا کہ یوں گلے میں رسی ڈال کر لائے اور یوں ظلم و ستم کیا۔ شیطانی خواب ہے۔ جن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ دس پانچ سے کیا سارے جہاں سے بھی اور چھین والے تھے؟

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

اجماع خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بطریق معینہ (اہل اسلام ہی ہوا، کیونکہ اجماع دین میں اکثر علماء دینداران اور مسلمانوں کا معتبر ہے، جیسا کہ صاحب آیات بینات باقرار علماء شیعہ لکھتا ہے:

''قولہ۔ یہ اَمر کہ سب مسلمانوں نے جو اس وقت تھے حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، باقرار علماء شیعہ ثابت ہے کہ شریف مرتضٰی کے قول سے ظاہر ہے جو ''بحار الانوار'' کی جلد ۳ میں منقول ہے جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بایں الفاظ میں فرمایا ہے:

''جمیع مسلمانان بابوبکر بیعت کروند و اظہار رضا و خوش نودی باد۔ وسکون و اطمینان بسوئے اونمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج از اسلام است''۔

ترجمہ: ''تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور اپنی رضا و خوشی ظاہر کی اور ان پر اطمینان وسکون کا اظہار کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والا بدعتی اور اسلام سے خارج ہے''۔

سبحان اللہ کیا دین اور ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عداوت سے دین محمدی کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مہاجرین اور انصار اور مجاہدین تھے اور جن میں بنی ہاشم اور اہلِ بیت نبوی بھی داخل تھے ان سب کو صراحۃً و کنایۃً کافر بناتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اجماع اہل حل وعقد کا یہ ہوا کہ اس قدر لوگوں نے متفق اللفظ ہو کر بہ خوشنودی تمام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت قبول فرمائی اور اس جگہ اُولوا الالباب کے لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ جب صاحب ''بحار انوار'' کہ جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بہ زبانِ فارسی ''جمیع مسلمانان بابوبکر صاحب

بیعت کردند و اظہار رضا مندی الخ کیا ہے۔ لکھتا ہو۔ حضرات شیعہ اگر حیاء دار ہوں تو ڈوب مرنے کا مقام ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جب جمیع مسلمانوں نے بہ خوشنودی تمام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت قبول کرلی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو مسلمانوں میں ہی شامل ہیں ورنہ یا ''بحار الانوار'' جونہایت معتبر کتاب ہے اور مجتہد صاحب کی تکذیب کردیا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جمیع مسلمانوں میں سے استثناء کردیا، موجب عبارت بحار و ترجمہ مجتہد کے تم خود بدعتی اور خارجی ہو فقط۔

سوال چہارم از جانب شیعہ

اجماع اہل حل وعقد جو اُوپر خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقع ہوا ہے اس میں کون کون سے فضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قابل امامت کے دیکھے۔

جواب سوال چہارم

جتنی باتیں خلیفہ میں چاہئیں سب خلیفہٴ اوّل میں موجود تھیں۔ اعلم الناس۔ افضل الناس، اشجع الناس، اتقی الناس، ازھد الناس، ارحم الناس، اعدل الناس اور سوائے اس کے جتنے وصف شیعوں نے خلافت کے لئے تجویز کئے ہیں سب ان میں تھے سند مطلوب ہو تو جواب سوالات سوم کو منجملہ جواب سوالات اربعہ کے جوان ۲۸ جوابوں کے ساتھ مرسل ہے۔ ملاحظہ فرمالیجئے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

فضل ابوبکر کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک منجملہ متواترات تھا اور بہت سی احادیث ان کی افضلیت کی زبان زد تھیں چنانچہ جو احادیث کہ فضائل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سوال وجواب اوّل میں مذکور ہوئیں وہی فضائل موجب خلافت ہوئے اور ماسوا ان کے اور فضائل لاتعداد و لاتحصٰی ہیں بہ خوف طوالت کے ذکر نہیں کیا۔ نقل مشہور ہے آدمی کے لئے ایک بات کافی ہے اور عاقل کو ایک اشارہ بس ہے اور

آیات قرآنی سے بھی فضائل بے شمار ثابت ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ آیت:

" ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡهُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡیَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (سورۃ التوبۃ ، آیت ۴۰)

ترجمہ: "دوسرا دو میں کا جب دونوں غار میں تھے جس وقت کہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا غمگین مت ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

فائدہ: اس میں دوسرے کا احتمال بھی نہیں۔ اوّل تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب فرمانا۔ دوسرے معیت خداوندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل کیا سبحان اللہ وصل علیٰ اس شخص کی بزرگی پر جس کے ساتھ خداوند دو جہان ہوا ایک فرقہ کیا اگر اس سے تمام عالم باغی ہو جائے تو بھی کیا ہو سکتا ہے ایسے شخص سے منحرف ہونا اپنی ذات بتانی ہے اور دوسری آیت یہ ہے:

" لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُمۡ مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ م بَعۡدُ وَقٰتَلُوۡا" (سورۃ الحدید، آیت ۱۰)

ترجمہ: "برابر نہیں ہو سکتے تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ لوگ مرتبہ میں بہت بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا بعد فتح کے اور جہاد کیا"۔

حمایت رسول میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہادری اور قتال

اور قتال کرنا قبل فتح کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بے انتہا روایت سے ثابت ہوتا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے:

"عَنۡ عَلِیٍّ اَنَّهٗ قَالَ اَیُّهَاالنَّاسُ اَخۡبِرُوۡنِیۡ بِاَشۡجَعِ النَّاسِ قَالُوۡالَا نَعۡلَم فَمَنۡ قَالَ اَبُوۡبَکۡر رضی اللّٰه عنه . لَقَدۡ رَءَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ قُرَیۡشٌ فَهٰذَا یُجَبِّیۡهِ وَهٰذَا یُتَلۡتِلُهٗ وَ هُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ اَنۡتَ الَّذِیۡ جَعَلۡتَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَاحِدًا قَالَ فَوَاللّٰه مَادَنٰی مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوۡبَکۡرٍ یَضۡرِبُ

هٰذَا وَيُحِبِّىْ هَذَا وَيُتَلْتِلُ هٰذَا وَهُوَيَقُوْل وَيْلَكُمْ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰه ثُمَّ رَفَعَ عَلِيٌّ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيْهِ فَبَكٰى حَتّٰى ابْتَلَّتْ لِحْيَتَهُ ثُمَّ قَالَ اَمُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ خَيْرٌ مِنْ اَبِىْ بَكْرٍ فَسَكَتَ الْقَوْمُ فَقَالَ اَلا تُجِيْبُوْنِى فَوَاللّٰهِ لَسَاعَةٌ مِنْ اَبِىْ بَكْرٍ خَيْرٌ مِنْ مِثْلِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَذَالِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ اِيْمَانَهُ وَهٰذَا اَظْهَرَ . (اعلن) (ازالة الخفاء ص ۲۲۹، ج ۱، و صفحه ۲۹۸، ج ۱، بحواله الاستيعاب)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اے لوگو مجھ کو بتلاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے، لوگوں نے کہا ہم تو نہیں جانتے آپ ہی بتلائیے کون ہے؟ کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جب کہ قریش ایذاء دیتے تھے کوئی آپ کو پیٹھ کے بل گراتا تھا۔ اور کوئی منہ کے بل اور یہ کہتے جاتے تھے تو ہی ہے وہ شخص کہ بہت سے معبودوں کے ایک ٹھہرایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قسم اللہ کی ہم میں سے سوا ابوبکر کے اور کوئی حضرت کے قریب نہ ہوا اور ابوبکر کسی کو مارتے تھے، کسی کو کمر کے بل گراتے تھے اور کسی کو پیشانی کے بل۔ اور یہ کہتے تھے خرابی ہو تمہارے لئے کیا مارتے ہو تم ایسے شخص کو جو کہتا ہے پروردگار میرا اللہ ہے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر جو اوڑھے ہوئے تھے۔ اُٹھائی اور روئے یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہوگئی پھر کہا قسم دیتا ہوں میں ساتھ اللہ کے آیا مؤمن آلِ فرعون کا بہتر ہے یا ابوبکر پر لوگ چپکے رہے آپ نے کہا مجھ کو جواب کیوں نہیں دیتے قسم ہے اللہ کی البتہ ایک ساعت ابوبکر کی بہتر ہے مؤمن آلِ فرعون جیسے شخص سے وہ تو ایسا شخص تھا کہ ایمان اپنا پوشیدہ رکھتا تھا اور یہ ایسا شخص ہے کہ اپنے ایمان کو ظاہر کیا"۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی (دیگر حدیث محبوب سبحانی مع آیت قرآنی

عن ابن جريج قال حدثت ان ابا قحافة سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَكَّهُ اَبُوْبَكْرٍ صَكَّةً فَسَقَطَ فَذَكَر ذلك لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَ يَا اَبَابكْرٍ اَفَعَلْتَ هٰذَا فَقَالَ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ السَّيْفُ قَرِيْبًا مِنِّيْ لَضَرَبْتَهٗ فَنَزَلَتْ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ. (سورۂ مجادلة، آيت ۲۲) ازالة الخفاء، ص۲۹۸، ج۱)

ترجمہ: ''ابن جریج سے روایت ہے کہ ابوقحافہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہا اس پر ابوبکر نے ایک طمانچہ ابوقحافہ کے مارا کہ ابوقحافہ زمین پر گر پڑے پھر حضرت نے اس کا ذکر فرمایا کہ ابوبکر کیا تو نے ایسا کیا۔ کہا قسم اللہ کی اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو بے شک اس کے مارتا تب یہ آیت نازل ہوئی: ''نہ پاوے گا تو اس گروہ کو جو اَللہ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت کے دن پر کہ دوست رکھیں وہ ان لوگوں کو جو اللہ رسول سے دشمنی رکھتے ہیں اگر چہ ان کے باپ ہی کیوں نہ ہوں''۔ (الآیۃ)

بعد از رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ہی کفار کے دِل میں کانٹا تھے

دیگر واقعہ غزوۂ اُحد میں مذکور ہے کہ ابوسفیان نے ندا کی۔

هَلْ فِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ وَهَلْ فِی الْقَوْمِ اِبْنُ اَبِیْ قَحافَةَ وَهَلْ فِی الْقَوْمِ ابْنُ الْخطَابَ". (بخاری غزوه أحد ص ۵۷۹، ج ۲)

ترجمہ: ''آیا قوم میں محمد موجود ہے آیا قوم میں ابوقحافہ کا بیٹا ہے آیا قوم میں عمر بن خطاب ہے''

فائدہ : اس کا پوچھنا اس غرض سے تھا کہ اگر خدانخواستہ یہ اشخاص نہ ہوئے تو ہمارا کام بن گیا اور ہم نے میدان جیت لیا اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی آنکھوں میں بھی یہی لوگ اسی ترتیب سے کھٹکتے ہیں۔

سوال پنجم (۵) از جانب شیعہ

آیا کوئی فضیلت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ایسی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ میں نہ تھی۔

جواب سوال پنجم

اس سوال کا اگر یہ مطلب ہے کہ اوصاف حمیدہ میں سے کوئی ایسا وصف بتاؤ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نہ ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے فلانی خوبی ان میں تھی اور ان میں نہ تھی پر اس سے سائل کو کوئی نفع نہیں اگر دو شخصوں میں برابر اوصاف ہوں تب جسے خلیفہ بنادیں بجا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کمی بیشی کا فرق بتلاؤ تو یہ ہمارے ذمہ ہے مگر ہم جواب سوم میں منجملہ جوابات اربعہ میں بالاجمال اس کا جواب دے چکے ہیں۔ الغرض اوصاف میں بلکہ تمام اوصاف میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ سے بڑھ کر تھے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں یا اور کوئی چنانچہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں ''کہ سب میں افضل حضرت ابوبکر ہیں سند مطلوب ہو تو بخاری شریف میں دیکھ لیجئے بروایت محمد بن الحنفیہ فرزند ارجمند حضرت شیر خدا یہ روایت موجود ہے بالجملہ اور عالم تھے تو ابوبکر اعلم تھے اور زاہد تھے تو ابوبکر ازھد تھے اور راحم تھے تو ابوبکر ارحم تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

جواب ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

چند فضائل تو در باب خلافت مذکور ہو ہی چکے اور دیگر فضائل بھی بہت ہیں۔

سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایثار ضرب المثل ہے

مثل قصہ اس رات کے جس رات کو تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقصد ہجرت نماز میں تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر کا یہ حال ہوا کہ سب عیال واطفال کو کفار میں چھوڑ کر حضرت کے ہمرکاب ہوئے اور باوجود تلاش شدید و دوادوید (دوڑ دھوپ) کفار کے حضرت کے ساتھ غار میں رہے اور اس غار میں حضرت کے آرام کے لئے اپنا کپڑا اپھاڑ کر سانپ بچھوؤں کے سوراخوں میں دیا جب کپڑا نہ رہا اور ایک سوراخ باقی رہ گیا اس پر اپنا پاؤں لگا کر بیٹھ گئے اور حضرت اپنے سر مبارک کو حضرت ابوبکر کے

زانو پر رکھ کر بے فکر ہو کر آرام فرمانے لگے اس اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں چند بار سانپ نے کاٹا۔ حضرت خلیفہ نے بہ سبب خیال بے آرامی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دَم نہ مارا۔ حتیٰ کہ بے اختیار حضرت خلیفہ کے آنسو جاری ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے حضرت نے فوراً بیدار ہوتے ہی کیفیت پوچھ کر اپنا لب مبارک لگا دیا فوراً شفاء ہوگئی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

شیعوں کو اتنی ہی بات فرق مراتب کے لئے کافی ووافی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں بوقت بھیجنے خیبر کے رسول مقبول نے لب مبارک لگایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں۔ دوسرے یہ کہ حضرت امیر المؤمنین کی آنکھوں میں بغرض خیبر بھیجنے کے لب لگایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں بے غرضانہ کہ ماسوائے فرط محبت کے دوسری وجہ نہ تھی۔

اور اس واقعہ ہجرت میں سواری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معرفت تیار ہوئی، زادِ راہ اُن کے گھر پکا، غلام ان کا غار میں دُودھ لاتا تھا، بیٹا ان کا خبر کفار کی اور تمام دن کے منصوبے رات کو آکر سناتا۔ غلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رفیق راہ تھا اجیر ان کا رہبر تھا۔ غرضیکہ سفر ہجرت کو رفاقت صدیقی ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ ماسوا ابوبکر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمر پر لے کے کون ہاتھوں کے بل پہاڑ پر چڑھا تھا اور کس کی طرف ایسی مددیں پہنچیں۔ شعر

دوست آں دانم کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے

اور منجملہ فضائل کے گفتگو کرنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یوم بدر و یوم حدیبیہ کے اور رونا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بہ سبب غایت رازدانی کے بوقت فرمانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے:

"اِنَّ عَبۡدًا خَيَّرَهُ اللّٰه تَعَالٰی بَيۡنَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ." (بخاری ص ۵۱۶، ج ۱، مسلم ۲۷۲، ج ۲)

ترجمہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اختیار دیا چاہے دنیا پسند کرے چاہے آخرت"۔

اور خطبہ پڑھنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تسکین دینا لوگوں کو اور کھڑا ہونا مقدمہ بیعت میں واسطے خیر خواہی مسلمین کے۔ پھر اہتمام کرنا جیوش بھیجنے کا حسب ارشاد رسول مقبول کے ملک شام کی طرف اور قتال کرنا مرتدین سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "انت عَتِيۡقُ اللّٰهِ مِنَ النَّار" فرمانا (بے مثال فضیلت ہے) اور طبرانی نے اسے عمدہ سند سے کہا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا اور رسول کی شہادت سے صدیق رضی اللہ عنہ ہیں

" اخرج الطبرانی بسند صحیح جید عن حکیم بن سعد قال سمعت علیا و یحلف لا نزل اللّٰه اسم ابی بکر صِدِّيقًا من السماء

(ابواسحاق السبیعی ابویحییٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ "میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کتنی بار سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا نام اپنے نبی کی زبان پر صدیق رکھا۔ (۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آسمان کا معراج کرایا گیا "فمارأیت شیئًا الا وجدت اسمی فیه مکتوبًا محمد رسول اللّٰه و ابوبکر الصدیق خلیفتی" ﴿(الریاض النضرۃ ص ۶۸، ج ۱، بہ حوالہ ابن عرفہ العبدی والثقفی الاصبہانی۔ ۱۲۔ محمد اشرف﴾ (الریاض النضرۃ ص ۶۸، ج ۱، بحوالہ سمرقندی و صاحب الصفوۃ)

ترجمہ: "حکیم بن سعد سے روایت ہے، کہا سنا میں نے علی رضی اللہ عنہ کو کہتے تھے اور قسم کھاتے تھے کہ بے شک اللہ نے حضرت ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے اُتارا ہے"۔

غرضیکہ صدیق نام پانا اور جبل اُحد کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا " اُسۡكُنۡ يَا اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ نَبِيٌّ وَ صِدِّيۡقٌ وَشَهِيۡدَانِ"

﴿بخاری ص ۵۱۹، ج ا، ابوداؤد، ص ۲۹۱، ج ۲، ترمذی، ص ۲۱۰، ج ۲) اے اُحد حرکت سے تھم جا کیونکہ تیرے اُوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید (عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ) جلوہ افروز ہیں۔ مہر محمد﴾

اور سب مسلمانوں کا متفق ہو کر خلیفہ بنانا۔ اور لکھو کھہا فضائل ہیں کہ احاطہ تقریر و تحریر سے باہر ہیں اللہ کا فضل ہے اہل سنت جماعت کی کتابیں بہت ملتی ہیں۔ حضرات شیعہ کی کتابوں کی طرح مفقود و محجوب نہیں اگر کچھ سلیقہ کتاب بینی کا ہے تو دیکھ لیجئے ورنہ خواہ مخواہ دخل دَر معقولات نہ دیجئے اور بحث و مباحثہ کی ٹانگ نہ توڑیے۔

کتب شیعہ سے صدیق ہونے کا ثبوت

اور اگر ہماری کتابوں کے دیکھنے کا شعور نہیں تو اپنی ہی کتابیں دیکھ کر ذرا تو شرمندہ ہو جایئے دیکھو "کشف الغمہ" کہ جو تمہارے یہاں نہایت معتبر ہے تمہارے کیسے پترے کھولتی ہے۔

" سُئِلَ الْاِمَامُ اَبُوْجَعْفر عَنْ حِلْيَةِ السَّيْفِ هَلْ يَجُوْزُ فَقَالَ نَعَمْ قَدْ حَلّٰى اَبُوْبَكْرِنِ الصِّدِّيْق بسَيْفِه فَقَالَ الرَّاوِیْ اَتَقُوْلُ هٰكَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَكَانِهٖ فَقَالَ نَعَمْ الصِّدِّيْقُ نَعَمْ الصِّدِّيْقُ نَعَمْ الصِّدِّيْقُ فَمَنْ لَّمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ".

ترجمہ:" امام ابو جعفر (باقر) علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ تلوار کو زیور لگانا یعنی سونے چاندی سے آراستہ کرنا آیا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو زیور سے آراستہ کیا۔ راوی نے کہا تم ایسا کہتے ہو؟ یہ سُن کر امام اپنی جگہ سے کُود کر اُٹھے پھر فرمایا ہاں صدیق۔ ہاں صدیق۔ ہاں صدیق۔ پھر جو شخص ان کو صدیق نہ کہے اللہ اس کی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے"۔

فائدہ : غور کرنے کا مقام ہے کہ اوّل تو خود بخود امام محمد باقر نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صدیق فرمایا، دوسرے ان کے فعل کی سند ذکر فرمائی چونکہ سائل

رافضی تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ بھی صدیق فرماتے ہیں حضرت امام محمد باقر یہ لفظ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا ہاں صدیق، ہاں صدیق جو اس کو صدیق نہ کہے اللہ اس کو دین و دنیا میں سچا نہ کرے۔ اے حضرات امامیہ اس وقت میں تم سے بطور راز داری کے پوچھتا ہوں خدا کے لئے سچ تو بتاؤ تمہارے ائمہ تو اس قدر حضرت صدیق کے محبّ و متبع ہیں تم کس کے پیرو ہوئے ہو اور اِماموں تک سے بھی تقیہ کر رکھا ہے اور ایک نصیحت بہ نظر دوستانہ کہتا ہوں کہ صاحب الحیاء والایمان سے اعراض نہ کرو تا کہ کچھ حصہ حیاء کا تم کو بھی مِل جائے۔

سوال ششم (٦) اَز جانب شیعہ

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں کون سے ایسے فضائل ہیں جو حضرت ابوبکر یا دیگر صحابہ میں نہ تھے۔

جواب سوال ششم

اس سوال میں سوال پنجم ہی کو اُلٹ لیا ہے سو اس کا جواب بھی اسی کے جواب میں موجود ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

معلوم رہے کہ جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم میں فضائل جزئیہ میں یہ تفاوت موجود ہے کہ ایک بات ایک میں ہے اور دوسرے میں نہیں اسی قیاس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں دامادی کی فضیلت ہے حضرت ابوبکر میں نہ تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں دوہری پائی جاتی تھی اور بروقت ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس مکان میں تنہا رہنا بے شک فضیلت ہے لیکن حضرب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہو لینا کچھ کم نہیں بلکہ بایں وجہ زیادہ ہے کہ بوجہ حمایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاصمت کفار کو حضرت صدیق سے زیادہ تھی کیونکہ

جتنا کوئی اپنے دشمن سے مرتبط ہوتا ہے اتنا ہی خار گذرتا ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بہ سبب کم عمری کے کچھ مزاحمت نہ تھی دوسرے یہ کہ جس حال میں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ صرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے۔ پھر ان سے کیا پرخاش تھی اسی لئے ان کو بھی کچھ نہ کہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر جا کران کے بیٹے بیٹی اسماء کے طمانچہ مارا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخصوص فضائل

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بہت فضائل ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک نہ لے جانے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ملال یہ کہہ کر دُور کیا۔

"اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی غَيْرَ اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ". (ترمذی ص ۲۱۴، ج ۲، مسلم، ص ۲۷۸، ج ۲)

ترجمہ: "کہا تو اس بات سے راضی نہیں ہوتا کہ میری نسبت ایسا ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ کی نسبت تھے، سوائے اس کے کہ وہ نبی تھے میرے بعد نبی نہیں۔"

اور فتح خیبر کے لئے یہ کہہ کر جھنڈا حضرت نے امیر المؤمنین کو مرحمت فرمایا:

" لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ، اخرجه احمد والبزار عن سهيل بن سعيد. (ترمذی ص ۲۱۴، ج ۲. مسلم ص ۲۷۹، ج ۲)

ترجمہ: "البتہ دُوں گا میں جھنڈا کل کو اس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ اسکے ہاتھ سے فتح دے گا دوست رکھتا ہے وہ اللہ کو اور اسکے رسول کو اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہیں"۔

اور ایک یہ فرمانا "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ اخرجه الترمذی عن ابی سريحته و زيد بن ارقم (ابی سريحته هو حذيفه ابن اسيد صاحب النبی صلی الله عليه وسلم"

اور اہل بیت میں دُعا کر کے داخل کیا جو قصہ عبا مشہور ہے اور مواخات کے وقت یہ فرمایا "انت اخی فی الدنيا والآخرة اخرجه الترمذی عن ابن عمر" تو

میرا بھائی ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور **انا مدینة العلم و علی بابها و غیر ذالک اخرجه الترمذی والحاکم عن علی۔**

ترجمہ): میں شہر علم کا ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ فضائل بے انتہا ہیں لیکن ایسے فضائل جزئیہ خلفاء اربعہ میں بلکہ اکثر صحابہ میں پائے جاتے ہیں بہ خوف درازی عجالہ کے ذکر نہیں کئے اور فضیلت جزوی سے فضیلت کلی ثابت نہیں ہوتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کے مخصوص فضائل

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

اخرج الترمذی عن ابن عمران رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِه (ترمذی ص ۲۰۹، ج۲)

ترجمہ: ”ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے کیا حق کو عمر کی زبان پر اور اس کے دل پر“۔

و اخرج الترمذی والحاکم و صححه عن عقبة بن عامر قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لو کان نبی من بعدی لکان عمر (ترمذی ،ص ۲۰۹، ج۲)

ترجمہ: ”اور روایت کی ترمذی اور حاکم نے اور تصحیح کی عقبہ بن عامر سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر ہوتا نبی میرے بعد تو البتہ عمر ہوتا“۔

اور جیسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث

” اخرج الشیخان . عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنها قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جَمَعَ ثِيَابَهٗ حِيْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ وَقَالَ اَلَا اَسْتَحْیِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْیِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ “ (مسلم ص۲۷۷، ج ۲)

(۲) اَخْرَجَ التِّرْمِذِیُّ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰه عنه وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهٗ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاء عُثْمَانُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ فِيْ كُمِّهٖ حِيْنَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِيْ حجره قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَلِّبُهَا فِيْ حَجْرِهٖ وَ يَقُوْلُ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ (ترمذی ص ۲۱۱، ج ۲)

ترجمہ: ’’امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے درست کئے جب آپ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے فرمایا کہ شرم نہ کروں میں اس شخص سے کہ جس سے فرشتے شرم کرتے ہیں۔ ترمذی اور حاکم نے اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور تصحیح کی اس کی عبدالرحمٰن بن سمرہ سے کہا آئے عثمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزار دینار لے کر جب کہ جیش العسرۃ کا سامان کیا اور لا کر آپ کی گود میں ڈال دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اُلٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے۔ نقصان نہیں کرتا عثمان کو۔ کوئی عمل بعد کا آج کے دن دو بار فرمایا۔

وَاَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَنَسٍ رَضی اللّٰه عنه قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ بْن عَفَّانَ رَسُوْلَ رسولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ قَالَ فَبَايَعَ النَّاسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُثْمَانَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِه فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ اَيْدِيْهِم لِاَنْفُسِهِمْ‘‘. (ترمذی صفحہ ۲۱۱، ج ۲)

اور روایت کی ترمذی نے اَنس رضی اللہ عنہ سے کہا جب کہ حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا تو عثمان بن عفان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مکہ والوں کے پاس قاصد گئے تھے لوگوں نے حضرت سے بیعت کر لی آپ نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام کے واسطے گئے ہیں اور اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ جو حضرت عثمان کے واسطے تھا

بہتر تھا اور لوگوں کے (سب) ہاتھوں سے جوان کے لئے تھے۔ ﴿مؤرخین شیعہ بھی صلح حدیبیہ کے قصہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت کا اقرار کرتے ہیں'' بہ روایت کلینی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لینے کیلئے مارا۔ جب مسلمانوں نے کہا کہ عثمان بڑے خوش نصیب ہیں کہ طواف وعمرہ کرلیا ہوگا آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے بغیر طواف نہیں کرے گا۔ چنانچہ جب واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو نے طواف کیا؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا جب آپ طواف نہ کرسکے میں نے بھی نہیں کیا۔ (حیات القلوب ص ۴۲۵، ج ۲۔ مہر محمد﴾ غرضیکہ اکثر احادیث فضائل میں وارد ہوئی ہیں کہ وہ فضائل ایک کے دوسرے میں نہیں پائے جاتے فضائل جزئیہ سے علو مرتبہ نہیں ہوتا ہاں جس طرح اجماع اُمت خلافت پر مرتبہ بہ مرتبہ چلا آیا ہے۔ اسی طرح فرق مراتب بھی ہے کیونکہ مجموعہ فضائل سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

سوال ہفتم (۷) از جانب شیعہ

سوائے حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کسی اور صحابی کیلئے کبھی ردشمس واقع ہوا؟

جواب سوال ہفتم

ردشمس کی روایت شیعہ کے لئے مفید نہیں

آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا طبرانی اور طحاوی نے بایں طور نقل کیا ہے کہ خیبر کی راہ میں بعد عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے، بعد غروب آفتاب آنکھ کھلی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم نے عصر کی نماز پڑھی آپ نے عرض کیا۔ کوئی نہیں آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آفتاب کو پھر ہٹایا پہاڑوں پر دھوپ نظر آنے لگی۔ اس روایت کا ہر چند صحاح ستہ میں پتہ نہیں اور ابن جوزی نے جو بڑے محدث ہیں اس روایت کو منجملہ موضوعات یعنی جھوٹی حدیثوں میں شمار کیا ہے پر اور محققوں نے اس کی تصحیح ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ

الرَّجِیۡمِ۔ رَدِّ شمس کا معجزہ ۷ ہجری خیبر سے واپسی پر مقام صہبا میں ظاہر ہوا۔ اور یہ حدیث۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے دوسندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل الآثار، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ میں، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء میں۔ مولانا بدر عالم صاحب نے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے فیض الباری کتاب الجہاد میں اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر فرمایا ہے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ھذان حدیثان ثابتان ورواتھما۔ ثقات'' شرح امانی الاحبار کے مقدمہ ص ۵۵ تا ۵۷ میں بھی اس حدیث پر مفصل بحث ہے اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ کشف البس عن حدیث رَدِّ شمس لکھا ہے جس میں اس حدیث کے طرق واسانید پر بحث کی ہے اور اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مواہب میں اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی سے مبسوطاً نقل کیا ہے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے گویا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تصحیح کرنے میں متفرد نہیں بلکہ متقدمین ومتاخرین میں بہت سے حضرات نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ترجیح دی ہے۔ المعتصر من المختصر من مُشکل الآثار میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ''لَمۡ تردّ الشمس مُذُردت عَلٰی یُوشع بن نُون'' سے معارضہ صحیح نہیں اس لئے کہ مُذُردَّتْ کے یہ الفاظ ہوسکتا ہے کہ اس رَدِّ شمس کے واقعہ سے پہلے ہوں اور ردشمس بعد میں۔ تو دونوں میں تطبیق ہوگئی۔ خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء میں لکھتے ہیں اس حدیث پر بعض شراح نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کے رواۃ مطعون ہیں۔ دراصل یہ مغالطہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی وجہ سے ہے حالانکہ اس کی اس کتاب کا اکثر حصہ مردود ہے۔ وقد قال خاتمۃ الحفاظ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ وکذا السخاوی رحمۃ اللہ علیہ انَّ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فی موضوعاتہ تحامل تحاملاً کثیراً۔ یہاں تک کہ بہت سی احادیث صحیحہ بھی اس میں ذکر کردی ہیں۔ جیسا کہ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس

کی طرف اشارہ کیا ہے اور تعدد طرق اس کی صحۃ پر شاہد ہیں۔ مصنف نے بھی اس کی تصحیح کی ہے اور اس سے پہلے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ، ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم میں اس کو حَسَن کہا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے جن پر کلام کیا ہے ان میں احمد بن صالح بھی ہے جو ابو جعفر طبری ہے حالانکہ وہ الحافظ الثقہ ہے، اصحابِ سنن نے اس سے روایت کی ہے اور اس کی توثیق کے لئے یہی کافی ہے کہ بخاری نے صحیح میں اس سے روایت نقل کی ہے تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن قیم اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ یا دوسرے حضرات جنہوں اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے ان کی یہ بات قابل توجہ نہیں۔ احمد بن صالح المصری ابو جعفر ابن طبری ثقہ حافظ من العاشرہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اوہام قلیلہ کی وجہ سے اس پر کلام کیا ہے، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تکذیب نقل کی ہے ابن حبان پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جس پر کلام کیا گیا ہے وہ احمد بن صالح الشمونی ہے اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو احمد بن صالح مصری سمجھا حالانکہ وہ احمد تو بخاری، ترمذی اور ابوداؤد کے رواۃ میں ہے۔ کذا فی التقریب۔ واللہ اعلم محمد اشرف﴾ بھی کی ہے۔ سو ہمیں بھی یہی بات پسند ہے کچھ اپنی محبت کا تقاضا کچھ شیعوں کی خاطر اس پر بھی وہ نہ سمجھیں تو انہیں خدا سمجھے۔

دُعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے

پر ہمیں معلوم نہیں اس سوال میں سائل نے کیا فائدہ سمجھا ہے اگر یہ تمنا ہے کہ یہ معجزہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام لگ جائے تو اس کی اُمید بے جا ہے۔ اگر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کارگزاری اور خاطر داری البتہ باعث دُعا مذکور ہوئی سو یہ کون سی بڑی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ادنیٰ بات ہے۔ اس سے پہلے مکہ میں کفار کی استدعا سے معجزہ شق القمر ہوا تھا تو کفار کی کیا فضیلت نکلتی تھی۔ اور اگر اس میں کچھ فضیلت ہے تو فقط اتنی ہے کہ ان کی یہ خدمت پسند آئی سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت گذاریاں اس سے زیادہ پیش نظر تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی احسان شناسی

بخاری اور مسلم وغیرہ صحاح میں موجود ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں ارشاد فرمایا کہ جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان میرے ذمّہ ہے اتنا کسی کا نہیں پر ان کو قضاء نماز کا اس (خدمت) کی وجہ سے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا ورنہ ان کے لئے دُعاء کرتے تو مغرب چھوڑ مشرق سے آفتاب نکل آتا بایں ہمہ یہ دُعا تھی۔ اور دُعا میں بے اختیاری ظاہر ہے خدا کو اختیار ہے چاہے قبول کرے چاہے قبول نہ کرے اور قبول کرے تو خدا کے نزدیک بڑی بات نہیں پر قابل تعریف یہ بات کہ خدا ساتھ ہو جائے سوتم بھی جانتے ہو کہ ان اللّٰہ معنا کے کیا معنی ہیں اور یہ کس کی شان میں ہے یارِ غار کون تھا اور سکینت خداوندی کس پر نازل ہوئی اور اس کو بھی جانے دیجئے اگر یہ آفتاب کا لوٹ آنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر نہ تھا آپ کی دُعاء کا اس میں اثر نہ تھا اور تھا تو برائے نام تھا ظاہر کا بہانہ تھا ورنہ اصل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی خاطر تھی تو پھر کیا اس سے کچھ فضیلت لازم نہیں آتی ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صحابہ تو درکنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو جائیں گے۔ ادھر یہ معجزہ اوّل حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں حضرت سلیمان سوا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سب سے افضل ہو جائیں گے۔ مگر تمہیں فرماؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو درکنار حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں یا حضرت سلیمان علیہ السلام شفاعت کی حدیث تو سُنی ہوگی اس میں دیکھئے خلائق کس کس کی طرف بغرض شفاعت جائیں گے اس میں کہیں سلیمان (علیہ السلام) کا ذکر نہیں۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

یہ بھی فضیلت جزوی ہے اور یہ فضیلت بہ نسبت فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ حضرت نے فرمایا مَردوں میں سب سے زیادہ مجھ کو ابوبکر محبوب ہے۔ اور بہ

نسبت فضیلت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہ ''لَوْ کَانَ نَبِیٌّ مِنْ بَعْدِیْ لَکَانَ عُمَر''۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور بہ نسبت فضیلت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ''اَلا اَسْتَحْیِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْیِ مِنْہُ الْمَلَائِکَۃُ'' (کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں) کچھ معتد بہا نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ رَدّ شمس فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے ہوا ہے اس میں کوئی فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نہ حاصل ہوئی کیونکہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جس کے واسطے دُعا فرماتے رَدّ شمس ہو جاتا پر چونکہ ان سے کبھی در باب صوم وصلوٰۃ مداہنت نہ ہوئی اس لئے ان کے لئے دُعاءِ رَدّ شمس بھی وقوع میں نہ آئی، درحقیقت امیر المؤمنین کی فضیلت اس میں ظاہر ہوتی کہ خاص ان کی ہی دُعا سے رَدّ شمس ہوتا اور کسی کی دُعاء سے نہ ہوتا اور یہ کہیں ثابت نہیں سائل کو شرم نہیں کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل تھوڑے تھے جو اس کو بڑے اہتمام سے جداگانہ سوال قرار دیا اور ایک قاعدہ اور بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ جو معجزہ نبوی ہے اس سے خواہ مخواہ غیر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اگر اس کو تم نہ مانو تو اکثر معجزوں سے کفار کی فضیلت نکل آئے گی۔ تتبع فضائل جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہ حضرت کے مرغوب ومحبوب تھے لیکن بہ مقتضائے آیت کریمہ:

''وَعَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْض ''الخ (سورۃ النور، آیت ۵۵)

ترجمہ: ''کہ اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو ضرور بر ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا''۔

کے خلفاءِ ایمان اور اعمال صالحہ سے مشرف ہو کر بہرہ اندوز خلافت جہات اربعہ ہوئے۔ جاننا چاہئے کہ خداوند کریم نے خود ان کے ایمان اور اعمال صالحہ اور خلیفہ بنانے کے لئے اتنی مدت پیشتر خبر دی افسوس ہے کہ جو اُمر خداوند تعالیٰ کی مرضی سے ہو روافض اس کو نہ مانیں یہ وہ مثل ہے کہ بادشاہ کا مال صرف ہوا اور خزانچی

کی جان سوکھی ۔ یہ کیسے مسلمان ایماندار ہیں کیا اس بات پر ایمان لائے ہیں کہ حکم خدا وندی نہ مانیں گے اگر یہ بات ہے تو بے شک پختہ مؤمن ہیں"۔

سوال ہشتم (۸) از جانب شیعہ

حضرت علی کے لئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا نہیں کہ وہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسول خدا اس کو دوست رکھتے ہیں یا یہ کہ لڑائی خندق کے دن کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضل ہے تمام اُمت کے اعمال سے جو قیامت تک کریں۔

جواب سوال ہشتم

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمایا کہ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ ان کو دوست رکھتا ہے یہ ہمارا عین ایمان ہے پر اس سے افضلیت کا ثابت کرنا ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔

چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا
کہ عشق آسان نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

﴿یعنی مقصد اصلی پر دلالت بالکل نہ ہو زبردستی کھینچ تان کی جائے شاعر کے شعر میں تین غلطیاں ہیں۔ زلیخا کتاب مولانا جامی کی ہے سعدی کی نہیں پھر مصرعہ ثانی دیوان حافظ کا ہے۔۱۲۔ مہر محمد﴾

صاحبو اوّل تو خدا تعالیٰ ہر متقی کی نسبت فرماتا ہے ان اللّٰہ یحب المتقین۔ دوسرے متبعان سنت کو ہدایت ہے:

"اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (سورۃ آلِ عمران، آیت ۳۱)

ترجمہ: "جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ کو

تم سے محبت ہو جاوے گی اور اللہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور الرحیم ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بات ہر مؤمن کو نصیب ہو سکتی ہے ورنہ ہدایت کے کیا معنی ہیں۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہو تو پھر یہ ارشاد ایسا تھا جیسے یوں کہتے تم خدا ہو جاؤ (اور یہ ناممکن ہے) اور ہم نے (بالفرض مانا کہ یہ اَمر اَوروں کو حاصل نہیں یا بدشواری حاصل ہے پر اس کو کیا کیجئے۔ خدا تعالیٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں اس سے زیادہ فرماتا ہے۔

" یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ" (سورۃ المائدہ، آیت ۵۴)

ترجمہ" حاصل معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی اور خدا سے ان کو محبت ہوگی مؤمنوں کے سامنے ذلیل۔ کافروں کے روبرو بڑے عزت (غلبے) والے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی کے بُرا کہنے سے نہ ڈریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ دے اور بہت وسعت والا دانا ہے۔

اوّل تو یہی فرق دیکھئے کہ وہ حدیث ہے اور یہ آیت دوسرے اس میں فقط محبت طرفین ہی کا ذکر نہیں یہ اتنے لمبے چوڑے فضائل اور بھی ہیں اور پھر کس اَنداز سے فرماتے ہیں یہ ہمارا فضل ہے ہر کسی کو نہیں ملتا جس کو ہمارا جی چاہتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ بہر حال یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں پہلے سے نازل فرمائی گئی ہے دلیل مطلوب ہے تو سنئے: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ ان سے وہ لڑیں گے جو خدا کے پیارے اور ایسے اور ایسے ہوں گے سو آپ ہی فرمایئے کس کے زمانے میں لوگ مرتد ہوئے اور کون ان سے لڑا باقی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اگر نعوذ باللہ مرتد کہتے ہو تو یہ فرمایئے بجز کفار ان سے اور کون

لڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑے یا حسین رضی اللہ عنہ لڑے اور اگر آپ کے نزدیک کفار ہی خدا کے پیارے اور موصوف باوصاف مذکور ہیں تو مبارکباد ہم ہارے تم جیتے۔

خوارج بدعتی تھے

صاحبو! باقی خوارج کو مرتد نہیں کہہ سکتے وہ بدعتی تھے مرتد جب ہوتے جب کہ کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جاتے۔ سو کلام اللہ کی نسبت ان کا اعتقاد تو انہی حدیثوں سے ثابت ہے جن سے ان کی مذمت نکلتی ہے۔ ہاں یہ بات جُدا رہی کہ وہ بدعت کس درجہ کی تھی کفر کے درجہ کو پہنچ گئی تھی یا ابھی سرحد اسلام ہی میں تھی بہر حال مرتد ہونا اور ہے اور بدعتی ہونا اور جیسے شرابی ہونا اور زانی ہونا اور۔ اور اگر بالفرض اس کو ارتداد ہی کہتے ہیں تو وہ اِرتداد اس ارتداد کے برابر نہیں اسی لئے خوارج کے قاتل ایسے عظیم المرتبہ نہ ہوں گے جیسے قاتلان مرتدان زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حق یہ ہے کہ خوارج بدعتی ہیں پر پرلے درجے کے بدعتی جیسے شیعہ ویسے ہی خوارج۔

شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں

ہاں بوجہ سب وشتم افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم اگر روافض کو خوارج سے بڑھ کر کہئے تو بجا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں جو روافض کی مذمتیں ہیں وہ خوارج کی مذمتوں سے بڑھ کر ہیں۔ ہائے افسوس یہ فرقہ بھی اگر اسی طرح لشکر آرائی کرتا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے برسر پرخاش ہو کر سر قلم کراتا تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ جھگڑا ہی چُک جاتا۔

اب رہی یہ بات کہ ایک جہاد خیبر تمام اعمال اُمت سے بڑھ جائے یاروں کی گھڑی ہوئی بات ہے۔ حدیث اور کلام اللہ میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔

جوابِ ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد وانفاق

قول اس کا کہ وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتے ہیں الخ یہ الفاظ بعینہٖ اس قوم

تم سے محبت ہو جاوے گی اور اللہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور الرحیم ہے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بات ہر مؤمن کو نصیب ہو سکتی ہے ورنہ ہدایت کے کیا معنٰی ہیں۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہو تو پھر یہ ارشاد ایسا تھا جیسے یوں کہتے تم خدا ہو جاؤ (اور یہ ناممکن ہے) اور ہم نے (بالفرض مانا کہ یہ اَمر اَوروں کو حاصل نہیں یا بدشواری حاصل ہے پر اس کو کیا کیجئے۔ خدا تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں اس سے زیادہ فرماتا ہے۔

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ" (سورۃ المائدہ، آیت ۵۴)

ترجمہ "حاصل معنٰی یہ ہے کہ اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی اور خدا سے ان کو محبت ہوگی مؤمنوں کے سامنے ذلیل۔ کافروں کے روبرو بڑے عزت (غلبے) والے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی کے بُرا کہنے سے نہ ڈریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ دے اور بہت وسعت والا دانا ہے۔

اَوّل تو یہی فرق دیکھئے کہ وہ حدیث ہے اور یہ آیت دوسرے اس میں فقط محبت طرفین ہی کا ذکر نہیں یہ اتنے لمبے چوڑے فضائل اور بھی ہیں اور پھر کس اَنداز سے فرماتے ہیں یہ ہمارا فضل ہے ہر کسی کو نہیں ملتا جس کو ہمارا جی چاہتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ بہر حال یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں پہلے سے نازل فرمائی گئی ہے دلیل مطلوب ہے تو سنئے: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ ان سے وہ لڑیں گے جو خدا کے پیارے اور ایسے اور ایسے ہوں گے سو آپ ہی فرمایئے کس کے زمانے میں لوگ مرتد ہوئے اور کون ان سے لڑا باقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اگر نعوذ باللہ مرتد کہتے ہو تو یہ فرمایئے بجز کفار ان سے اور کون

لڑا حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑے یا حسین رضی اللہ عنہ لڑے اور اگر آپ کے نزدیک کفار ہی خدا کے پیارے اور موصوف باوصاف مذکور ہیں تو مبارکباد ہم ہارے تم جیتے۔

خوارج بدعتی تھے

صاحبو! باقی خوارج کو مرتد نہیں کہہ سکتے وہ بدعتی تھے مرتد جب ہوتے جب کہ کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جاتے۔ سو کلام اللہ کی نسبت ان کا اعتقاد تو انہی حدیثوں سے ثابت ہے جن سے ان کی مذمت نکلتی ہے۔ ہاں یہ بات جُدا رہی کہ وہ بدعت کس درجہ کی تھی کفر کے درجہ کو پہنچ گئی تھی یا ابھی سرحد اسلام ہی میں تھی بہرحال مرتد ہونا اور ہے اور بدعتی ہونا اور جیسے شرابی ہونا اور زانی ہونا اور۔ اور اگر بالفرض اس کو ارتداد ہی کہتے ہیں تو وہ اِرتداد اس ارتداد کے برابر نہیں اسی لئے خوارج کے قاتل ایسے عظیم المرتبہ نہ ہوں گے جیسے قاتلان مرتدان زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حق یہ ہے کہ خوارج بدعتی ہیں پر پرلے درجے کے بدعتی جیسے شیعہ ویسے ہی خوارج۔

شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں

ہاں بوجہ سب وشتم افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم اگر روافض کو خوارج سے بڑھ کر کہئے تو بجا ہے۔ چنانچہ حدیثوں میں جو روافض کی مذمتیں ہیں وہ خوارج کی مذمتوں سے بڑھ کر ہیں۔ ہائے افسوس یہ فرقہ بھی اگر اسی طرح لشکر آرائی کرتا اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے برسر پرخاش ہو کر سر قلم کراتا تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ جھگڑا ہی چک جاتا۔

اب رہی یہ بات کہ ایک جہاد خیبر تمام اعمال اُمت سے بڑھ جائے یاروں کی گھڑی ہوئی بات ہے۔ حدیث اور کلام اللہ میں اس کا کہیں پتہ نہیں۔

جوابِ ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد و انفاق

قول اس کا کہ وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتے ہیں الخ یہ الفاظ بعینہٖ اس قوم

کے حق میں خداوند تعالیٰ نے فرمائے ہیں جو مرتدین کے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ قائم کرے گا۔ قال اللہ تعالیٰ:

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ (شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان صفحہ ۲۱۰، ج ۲ میں ہے۔ ان اوصاف والوں میں کئی اقوال ہیں سب سے پہلا قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں جو مرتدوں کے ساتھ لڑے۔ حسن بصری۔ قتادہ۔ ضحاک (شاگردان عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کی یہی تفسیر ہے دوسرا قول (سدی کا) یہ ہے کہ انصار مراد ہیں۔ الخ۔ مہر محمد) اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ" (سورۃ المائدہ، آیت ۵۴)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے اللہ کو محبت ہوگی، مؤمنوں کے سامنے نرم۔ کافروں کے رُوبرو بڑے سخت"

مصداق اس آیت کے خلیفہ اوّل اور ان کے معاون ہیں اور وجہ فرق کی کچھ نہیں حضرت امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ بھی ان کے شامل موردان الفاظ کے ہیں علاوہ بریں جیسے دو حدیثیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ ویسی ہی ایک آیت اور ایک حدیث ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں منجملہ چند آیات واحادیث کے بیان کی جاتی ہیں:

"لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ" (سورۃ الحدید، آیت ۱۰)

ترجمہ: "برابر نہیں تم سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ لوگ بڑے ہیں درجے میں ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور جہاد کیا اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے۔)

اس کے مصداق حضرت ابوبکر ہیں جب اللہ تعالیٰ منکم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب خطاب فرما کر اعظم ہونا فرمائے تو پھر کیا حجت باقی رہ گئی اور حدیث یہ ہے:

" عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ عَلَيْهِ عَبَاءَةٌ قَدْ خَلَّهَا فِيْ صَدْرِهٖ بِخَلَالٍ فَنَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَالِيْ اَرٰى اَبَابَكْرٍ عَبَاءَ تَهٗ قَدْ خَلَّهَا فِيْ صَدْرِهٖ بِخَلَالٍ فَقَالَ يَا جِبْرِيْلُ اَنْفَقَ عَلَيَّ قَبْلَ الْفَتْحِ فَقَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَقْرَءُ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ قُلْ لَهٗ اَرَاضٍ اَنْتَ عَنِّيْ فِيْ فَقْرِكَ هٰذَا اَمْ سَاخِطٌ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَسْخَطُ عَلٰى رَبِّيْ؟ اَنَا عَنْ رَّبِّيْ رَاضٍ. اَنَا عَنْ رَّبِّيْ رَاضٍ. اَنَا عَنْ رَّبِّيْ رَاضٍ." (ازالۃ الخفاء ص ۲۹۷، ج ۱)

ترجمہ: "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ کے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے آپ پر ایک چوغہ تھا جسے سینے پر کانٹے سے ٹانک رکھا تھا تو جبرئیل علیہ السلام اُتر آئے اور فرمایا: اے محمد! ابوبکر کو کیا ہو گیا کہ اپنا چوغہ سینے پر کانٹے سے ٹانک رکھا ہے تو آپ نے فرمایا اے جبریل اس نے (سارا مال) فتح مکہ سے پہلے مجھ پر خرچ کر دیا ہے تو جبریل فرمانے لگے بلا شبہ اللہ تعالیٰ ابوبکر کو سلام دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابوبکر سے پوچھیں کیا وہ اس فقر میں مجھ پر راضی ہے یا ناراض؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ رب سے راضی ہوں۔ رب سے راضی ہوں۔"

غور کرنے کی جگہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جس کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے اعظم درجہ کا فرمائے اور سلام کہہ کر بھیجے اور رضا جوئی کا طالب ہو اس کا کیا کچھ مرتبہ ہوگا وہ بہت مُحب و محبوب ہے اور جو کہ آپ نے حدیث خندق کی تحریر فرمائی ہے اہل سنت کی کُتب معتبرہ میں پتہ ہی نہیں ایسے تو بے ٹھکانے کی بات نہ فرمایئے یہ دین کا مقدمہ ہے۔

سوال نہم (۹) از جانب شیعہ

شیخین یا دیگر صحابہ داخل اُمت ہیں یا نہیں؟

جواب سوال نہم: (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل ترین اُمت محمدی ہیں)

شیخین اور دیگر صحابہ داخل اُمتِ محمدی کیا سر دفتر اُمتِ محمدی ہیں اعتبار نہ آئے تو کلام اللہ کی سند لیجئے خداوند کریم سورۃ تحریم (آیت نمبر ۸) میں ارشاد فرماتا ہے:

"یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ"

اس آیت کے معنی اُوپر کے ٹکڑے سمیت یہ ہیں: "اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو شاید تمہارے گناہوں کا بھی اللہ کفارہ کردے اور داخل کردے تم کو ایسی جنتوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ کس دِن جس دن کہ نہ رُسوا کرے گا اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے پھر اس کے بعد اور تعریف فرماتے ہیں مگر ہمیں اختصار منظور ہے مطلب یہ ہے کہ عام مؤمنوں کو یہ ارشاد ہے کہ اگر توبہ خالص کر کے لاؤ گے تو شاید تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ اب دیکھئے "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ" کا ترجمہ بھی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے نبی کے ساتھ سو تم ہی فرماؤ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں یا نہیں۔ ہاں اگر فقط اٰمَنُوْا فرماتے تو یہ بات سب کو عام ہو جاتی مگر اس صورت میں یہ کلام اللہ لغو ہو جاتا۔ اس وقت میں اس مثل کے کیا معنی تھے۔ عام لوگوں کا جو حال ہوگا...... وہ عام لوگوں کے لئے تو یقینی ہے دوسرے اتنی بات کیلئے اور توبہ کرانے کی کیا ضرورت تھی تیسرے عام لوگوں کو نبی کے ساتھ اتنی مشارکت کی اُمید کہاں ہے، بہت سے نام کے مسلمان اس روز رُسوا ہوں گے اور بہت سی رُسوائیوں کے بعد کہیں جنت میں جائیں گے۔

بہر حال اٰمَنُوْا مَعَہٗ کے مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور وہ بایں وجہ سر دفتر اُمت ہیں کہ اُن کے لئے روزِ قیامت رُسوائی کا اندیشہ نہیں اور دوسروں کو ان کی معیت بشرط توبہ خالص میسّر آئے تو آئے ورنہ استحقاق کی تو کوئی صورت نہیں چنانچہ

اس لئے عسیٰ کے لفظ کو بیچ میں لائے ورنہ فقط اس میں کیا کمی تھی کہ یوں فرما دیتے تُوْبُوْااِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَصُوْحًا یکفر عنکم سَیِّئَاتِکُمْ جس سے خواہ مخواہ بھی تائبان مشار الیہم ثابت ہو جاتا اور بیچ میں ایک لفظ بے معنی نہ آتا اور کلام قدیم یوں غیر فصیح و بلیغ مثل کلام احمقان بے عقل نہ ہو جاتا؟

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

جاننا چاہئے کہ قیامت تک جو شخص اتباع کرنے والا طریقہ رسول مقبول کا ہوگا وہ اُمتی ہوگا چہ جائیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہ وہ تو ماسوائے اطاعت خدا اور رسول کے مصاحبت کا بھی درجہ لے کر کسی نے درجہ صدیقیت اور کسی نے فاروقیت اور کسی نے ذی النوریت اور کسی نے اسدیت کا اُڑایا علی رغم انوف المخالفین۔

عشرہ مبشرہ کا ذکر خیر

"اَخْرَجَ اَبُوْ یَعْلٰی مِنْ حَدِیْثِ قُتَیْبَۃَ بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ مالک بن انس عن عبدالعَزِیْزِبْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حمیدٍ عن ابیہ عن عبدالرحمن بن عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّۃِ وَعُمَرُ فِی الْجَنَّۃِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّۃِ وَطَلْحَۃُ فِی الْجَنَّۃِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّۃِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِی الْجَنَّۃِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّۃِ وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدِ بْنِ عَمْرٍو وفی الْجَنَّۃِ وَاَبُوْ عَبَیْدَۃَ بْنِ الْجَرَّاحِ فِیْ الْجَنَّۃِ .(ازالۃ الخفاء، ص ۱۷، ج ۱، بحوالہ مسند ابو یعلٰی ،ترمذی ص ۲۱۶، ج ۱)

ترجمہ: "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دَس (۱۰) آدمی جنت میں ہیں ابوبکر جنت میں ہیں اور عمر جنت میں ہیں اور عثمان جنت میں ہیں اور علی جنت میں ہیں، طلحہ جنت میں ہیں اور زبیر جنت میں ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں

اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں اور سعید بن زید بن عمرو جنت میں ہیں اور ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

ہر مسلمان اُمتِ نبی میں داخل ہے

یہ سب لوگ عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ متبعین سنت رسول امین اُمتی اور جنتی ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ اُمتی ہیں اور اُمتی ہونے میں اَزواج مطہرات اور دیگر اہل بیت اور صحابہ سب برابر ہیں اور اسکو اُمت اجابت کہتے ہیں۔

صحاح میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت نازل ہونے " وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے) سب قریش کو عام خاص کر کے پکارا اور سب سے یہ ہی فرمایا:

" اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا "

ترجمہ: "اپنی جانوں کو بچاؤ آگ سے میں نہیں بے پروا کر سکتا تم سے اللہ کے معاملے میں اور یہ بعینہٖ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اَبلاغ میں سب برابر ہیں اور خاص کر شیخین کی شان میں تو امام محمد باقر سے صاحب نصوص کی روایت ہے۔

" اَنَّهُ قَالَ لِجَمَاعَةٍ فَاضُوْا فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ اَلَا تُخْبِرُوْنِيْ هَلْ اَنْتُم مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالُوْا لَا قَالَ فَاَنْتُمْ مِّنَ الَّذِيْنَ تَبَوَّ ؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ اَمَا اَنْتُمْ فَقَدْ بَرِءْ تُم اَنْ تَكُوْنُوْا اَحَدَ هٰذَيْنِ الْفَرِيْقَيْنِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكُمْ لَسْتُمْ مِّنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى "وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا

غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ"(سورۃ الحشر، آیت ۱۰)

ترجمہ: ''انہوں نے ایک جماعت سے جو ابوبکر اور عمر اور عثمان کے معاملہ میں کھود کرید کررہے تھے کہا بتلاؤ تم مجھ کو تم ہو مہاجرین میں سے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے اور جُدا کئے گئے اپنے مالوں سے تلاش کرتے ہیں اللہ کے فضل کی اور خوشنودی کی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی، کہا انہوں نے ہم ان میں سے نہیں کہا امام نے تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور ایمان کو اپنے دلوں میں دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ان کی طرف ہجرت کرآئے انہوں نے کہا ہم ان میں سے بھی نہیں کہا امام نے تم تو بری ہو چکے، ان دونوں فریقوں میں شامل ہونے سے اور میں گواہی دیتا ہوں نہیں ہو تم ان لوگوں میں سے جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو لوگ آویں گے بعد ان کے کہیں گے اے رب ہمارے بخش دے ہمارے لئے اور ہمارے ان بھائیوں کے لئے جو ایمان میں ہم سے پہلے گذرے اور ہمارے دِلوں میں کینہ مت کر ان لوگوں کا جو اِیمان لائے بے شک تو مہربان ہے بخشنے والا''۔

فائدہ: خیال کرنے کی جا ہے کہ امام محمد باقر نے آیات کی سند لا کر شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل ثابت کئے اور تمہارے دِلوں میں غل یعنی کینہ ثابت کیا اور آیات بالا کے عدمِ مصداق ہونے کا خود تم سے اقرار لے لیا اور تمہارے دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر گواہ بنے تو اب بتاؤ کہ تمہارا کیا دین وایمان رہا۔

سوال دہم (۱۰) اَز جانب شیعہ

شیخین جمیع غزوات نبوت میں ثابت قدم رہے یا کبھی پسپا ہونے کا اتفاق ہوا؟

جواب سوال دہم و یازدہم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے اور نہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ ہاں غرض سائل کو ہم سمجھتے ہیں اس لئے گو وہ صاف نہیں پوچھتا پر ہم صاف جواب دیتے ہیں۔ سائل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آوازہ کستے

ہیں مگراس بے ہودہ دست و پازنی سے کیا فائدہ ہوا۔ **حقیقت حال ہم سے سُنیئے :**

جنگِ اُحد میں لشکر ظفر پیکر جا بجا معرکہ آراء تھا بامداد خداوندی و برکت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آثار فتح نمایاں ہوئے مشرکین بھاگے اہل ایمان نے مال غنیمت پر ہاتھ مارنا شروع کیا مشرکین نے کمین گاہ سے نکل کر پیچھا لیا، مارا ادھر شیطان نے بآواز **اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ** کہہ سنایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے''۔ ادھر تو سر پر وہ بلائے ناگہانی ادھر یہ صدمہ جانی اس بے تابی میں معرکہ آرائی بے حاصل نظر آئی۔ مصرعہ ؎

جس کے ہم عاشق ہوئے تھے اب وہ جاناں ہی نہیں

اس رنج و غم میں خادمان دور آفتادہ کا پاؤں اُکھڑ گیا اور نہ اُکھڑتا تو ان کی محبت پر تف اور ان کی جاں بازی پر حرف تھا اگر وہیں جمے رہتے تو ہم جانتے کہ ان کو صدمہ ہی نہ تھا۔ غرض وہ ایمان دار تھے ایمان داروں کو یہ صدمہ ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا ان کو ہوا پر بے ایمانوں کو محبت کی کیا قدر محبت نبوی ہوئی ہو تو جانیں۔ بہر حال جو لوگ دیدارِ مبارک سے مشرف تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ان کے دل ٹھکانے تھے اور جو لوگ دُور کے مورچوں پر تھے اس خبر ہوشربا سے بے ہوش کر افغاں وخزاں مدینہ کی طرف رواں ہوئے ان میں ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

اللہ نے تو معاف کر دیا پر شیعہ نے نہ کیا

پر چونکہ یہ حرکت قابل ترحم اور لائق قدر شناسی تھی نہ موجب عتاب سرزنش۔ خدا وندکریم نے اس ظاہری خطا سے درگذر فرمایا اور بہر تسکین یہ ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ'' (سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۵۵)

جس کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نے ان کو بھلا دیا تھا پر اللہ نے معاف فرما دیا۔
پر اس کو کیا کیجئے حضرات شیعہ خدا کی بھی نہیں سُنتے خیر وہ نہیں سنتے تو اہل ایمان تو ان (شیعہ) کی نہ سُنیں ورنہ اللہ سے لڑائی ٹھہری وہ معاف کئے جائیں تم نہیں کرتے۔ صاحب اور صاحب ہوتے کون ہیں۔ خدا نہیں خدا کے بیٹے، پوتے، بھائی برادر نہیں ایک راندہ درگاہ حق ہیں جو اُلٹی ہی بکے جاتے ہیں اور خدا سے نہیں شرماتے، بالجملہ نہ یہ قصور حقیقت میں قصور ہے نہ یہ خطا حقیقت میں خطایوں خدا کے سامنے ہماری عبادت بھی خطا ہے نہ اس سے کوئی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے نہ لیاقت خلافت میں بٹا لگتا ہے ورنہ ہم تو نہیں کہتے حضرت یونس علیہ السلام جو بے وجہ بھاگ گئے ان کی شان میں حضرات شیعہ شاید اور بھی کچھ زیادہ کہیں اور منصب نبوت سے معزول فرمائیں کوئی پوچھے کہ خدا کا واسطہ نبوت تو اتنی باتوں سے ہاتھ سے نہ جائے اور خلافت کی لیاقت چھِن جائے۔ فقط۔

جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب

حنین میں ثابت قدم صحابہ رضی اللہ عنہم

شیخین کسی غزوہ میں پسپا نہیں ہوئے سب غزوات میں ثابت قدم رہے یہ اشاعت دین ان کی ثابت قدمی کا ثمرہ ہے کہ بعد فتح ملک عرب ملک شام و رُوم و ایران و توران میں اسلام شائع ہوا اور مسلمان ان ملکوں کے عمدہ نشان ہیں، غزوۂ اُحد اور حُنین میں اوّل ضعفاء مسلمین کے قدم اُٹھ گئے تھے پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم خاص کر شیخین نے میدانِ جنگ نہیں چھوڑا اور شمشیر زنی سے منہ نہیں موڑا اور بے ترتیبی صفوف کے ہو جانے سے بھاگنا نہیں کہلاتا، چنانچہ حنین میں یہی واقعہ ہوا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و

حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت عباس رضی اللہ عنہ وحضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ وحضرت ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ وحضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ودیگر از اہل بیت اس جگہ موجود تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ رکاب راست تھامے ہوئے تھے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ رکاب چپ یا حضرت ابوسفیان باگ بغلہ کی تھامے ہوئے تھے اور یہ سب لوگ دائیں بائیں موجود تھے چونکہ اس غزوہ میں صحابہ نے اپنی کثرت اور کفار کی قلت دیکھ کر خیال کیا تھا کہ ان کو طرفۃ العین میں ہزیمت دے دیں گے۔ اپنی کثرت دیکھ کر استمداد خداوند کریم سے غفلت ہوئی اللہ تعالیٰ کو یہ تغافل پسند نہ آیا اور ان کے متنبہ کرنے کے لئے قدرے تزلزل اور تفرق ڈال دیا جب اس غفلت سے ہوشیار ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پکارنے کی آواز سے لبیک لبیک کہتے ہوئے بجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے اور کفار کو زیر وزبر کر دیا۔ ﴿شیعہ تفسیر مجمع البیان میں "ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" پھر اللہ نے رحمت وتسلی اُتاری اپنے رسول پر اور مؤمنین پر) کے مصداق میں لکھا ہے "حِيْنَ رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ وَقَاتَلُوْهُمْ" یعنی اللہ نے مؤمنین پر تسلی اور رحمت اس وقت اُتاری جب وہ کفار کی طرف پھر پلٹ آئے اور ان سے جنگ کی۔ معلوم ہوا کہ ایسے صاحب سکینہ مؤمنوں کو بھاگنے کا طعنہ دینا قرآن کا انکار اور اپنے ایمان کا خاتمہ کرنا ہے۔ (معاذ اللہ)۔۱۲۔مہر محمد﴾

اللہ تعالیٰ نے مدد بھیجی جیسا کہ کلام میں مذکور ہے:

" لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا" (سورۃ التوبۃ، آیت ۲۵)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی بہت سی جگہ اور حنین کے دن جب کہ خوش کیا تم کو تمہارے زیادہ ہونے نے سو یہ تمہارے کام نہ آئی"۔

" ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا " (سورۃ التوبۃ، آیت۲۶)

ترجمہ: ''پھر اللہ نے ٹھنڈک اُتاری اپنے رسول پر اور سب مؤمنوں پر اور اُتارا ایسا لشکر جس کو تم نے نہیں دیکھا''۔

فائدہ (برائے ازالہ طعن) خیال کی جا ہے کہ جب خداوندِ کریم کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتنی بھی غفلت گوارا نہ ہو تو حضرات شیعہ ان کو کفر و فسق کی کس منہ سے تہمت لگاتے ہیں چاند پر خاک ڈالنے سے کیا ہوتا ہے آپ ہی غبار سے اندھے بنتے ہیں۔ اور اگر یہ اعتراض اشارہ حضرت عثمان کی طرف ہے تو بڑی ہی حماقت ہے سلمنا اگرچہ ان سے خطا صادر ہی ہوئی کیا حرج ہے۔ ہم امام کی معصومیت کے قائل نہیں جو تم دندان اعتراض تو کرو بلکہ ہم بہ نسبت خلیفہ کے ان شرائط کے قائل ہیں۔ (۱) مسلم (۲) حر (۳) مذکر (۴) عاقل (۵) بالغ (۶) قریشی (۷) قادر بر احیاء علوم دینیہ و (۸) اقامت ارکان اسلام و (۹) اَمر بالمعروف و نہی از منکر و (۱۰) قیام (۱۱) اَمر جہاد و قضاء و (۱۲) اقامت حدود۔ علاوہ بریں جب اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اُن کی معافی ہوگئی پھر کیا جھگڑا باقی رہ گیا اور نیز تائب بھی مثل بے گناہ کے ہوتا ہے۔ التائبُ من الذنب كمن لا ذنب له (گناہوں سے تائب اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ نہ کیا۔) و من تاب و عمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا (جو توبہ کرے اور اَچھے عمل کرے وہ اللہ کی طرف لوٹ رہا ہے) سے واضح ہے جب کہ ہمارے نزدیک امامت کے واسطے معصومیت کی شرط نہیں اس لئے گناہ عثمانی موجب عدم قابلیت خلافت نہ ہوا لیکن بہ مقابلہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت حسن رضی اللہ عنہ ترک فرض عین کرنے سے حسب ظنون شیعہ کے قابلِ عہدہ امامت نہ رہے اس بات کا کیا علاج کریں گے۔ کس منہ سے ان کو قابل امامت کہتے ہیں اور دوسروں کی عدم قابلیت منہ پر لاتے ہیں۔

سوال یازدہم (۱۱) از جانب شیعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کسی غزوہ میں پس پا یعنی فرار ہوئے یا نہیں۔

جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے وہ کیوں فرار ہوتے وہ تو اسد اللہ الغالب تھے اپنا یہ مذہب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی کو بُرا کہیں خصوصاً ایسے اکابر کو نعوذ باللہ منہا یہ کمال حضرات شیعہ ہی میں ہے کہ نہ ہوئی بات کو اپنے عقیدہ فاسد کی تائید کے لئے جس طرح چاہیں بنالیں۔

ثابت قدمی کی فضیلت سُنی مذہب میں ہے شیعہ میں نہیں

ہمارے ظنون و کُتب کے بموجب تو جان بازی کے معرکوں میں استقامت کرنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ و خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ہے۔ پر بروایت کلینی و دیگر کتب معتبر شیعہ کے بموجب کہ ائمہ اپنی موت و حیات پر قادر ہیں کچھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ ان کو شیعہ امام ہی نہیں جانتے۔ باوصف حسب ظنون شیعہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم اِمام نہ تھے اور بایں جہت اپنی موت و حیات پر قادر نہ تھے پھر جانبازی کی لڑائیاں لڑتے تھے کس قدر مطیع حکم خدا و رسول تھے اسی واسطے آیت:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ"

(سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۱)

ترجمہ: "بے شک اللہ نے مؤمنوں کے مالوں اور جانوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا"۔ کے مصداق تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور اگر حضرات شیعہ اپنے خیال خام کے یعنی ائمہ کے موت و حیات پر قادر

ہونے پر اسی آیت سے استدلال پکڑیں اس طرح کہ بیع وشراء اپنی ہی ملک میں جاری ہوا کرتی ہے دوسرے کی مِلک میں نہیں ہوتی بے شک ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں پر اَوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے مؤمنین کا لفظ فرمایا اور یہ وصف قرار دیا" **يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** " تو اس میں کچھ تخصیص تمہارے اِماموں کی نہیں یہ منصب جلیلہ دُور تک پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ (آدمی) جس چیز کا مالک ہوتا ہے قادر ہونا کچھ ضرور نہیں چنانچہ باندی، غلام یا بیل بکری کا مالک ہوتا ہے قادر نہیں ہوتا اگر یہ بات ہوتی تو کوئی اپنی باندی غلام یا بیل بکری کو مرنے ہی نہ دیا کرتا۔

پس معلوم ہوا کہ مِلک اور قدرت میں بہت فرق ہے اور آیت مذکورہ سے مِلک ثابت ہوتی ہے نہ قدرت۔ مِلک بھی مانگے پہ تانگے۔ (یعنی مانگنے پر واپسی کا انکار نہیں کرسکتا۔ ١٢۔ مہر محمد) جیسے کوئی بادشاہ ایک شخص کو کسی ضلع کا عامل بنا کر کہہ دے کہ اس کا محصول تو ہی کھا جب ہمارا دِل چاہے گا تجھ کو معزول کردیں گے۔ فقط

سوال دوازدہم (١٢)، سیزدہم (١٣) اَز جانبِ شیعہ (بحث فدک)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ دِلانا کیسا ہے۔ اور عدول حکمی کرنے کی کیا جزاء ہے۔

جواب سوال دوازدہم و سیزدہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وجہ جان بوجھ کر غصہ دِلانا اور خفا کرنا کفر ہے۔ سو اَلحمد للہ کوئی صحابی اس جرم میں مبتلا نہیں ہوا۔ اور اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کچھ چھیڑ چھاڑ ہے اور یہ غرض ہے کہ حضرت فاطمہ ان پر غصہ ہوئیں اور بہ شہادت حدیث **فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّيْ وَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِيْ** ان کے غصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ سمجھے ہو تو یہ بات دِل سے دُور رکھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تو اس میں داخل نہیں ہوسکتے۔

(...... بخاری ٥٣٢، ج١۔ و ص ٧٨٧ ج٢، مسلم ص ٢٩٠، ج٢)

حضرت صدیق حدیث ''صدقہ ترکہ'' کی وجہ سے معذور تھے

ہاں حضرات شیعہ کی فہم کے موافق نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہوئے جاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ناچار تھے: '' لا نورث ما............ ترکناہ صدقۃ '' جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا اس کا سب ترکہ صدقہ ہے اس صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کچھ غم نہیں بلکہ اُمید اتباع ارشادِ نبوی ہے پر حضرت فاطمہ زہرا (رضی اللہ عنہا) کے بے وجہ غصہ ہونے کا شیعہ جواب دیں کہ وہ ناحق کیوں غصہ ہوئیں اہل سنت تو ان کے غصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہاں جیسے دوستوں میں کچھ بحث وتکرار معمولی دیکھ کر بعض سادہ لوح یوں سمجھ جاتے ہیں کہ ان میں آپس میں رنج ہو گیا۔

سوال فدک کے بعد جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بوجہ ندامت طلب ناحق شرمندہ ہوئیں اور آمد وشد کم اور ربط وضبط سابق کم ہو گیا۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بوجہ کمال نیاز مندی دَر دولت پر حاضر ہوئے اور اس احتمال پر کہ آپ خفا ہی ہو گئی ہیں جو وہ بات نہ رہی عذر معذرت کی عفو تقصیر چاہا وہاں رَنج ہی کیا تھا جو جھگڑا پھیلتا راضی رضا ہو کر اپنے گھر کو چلے آئے اس قصہ کو ظاہر بینوں نے رَنج پر محمول کیا حقیقت شناسان دانشمند نے اس طرف ندامت مذکور کا خیال کیا اس طرف احتیاط اور اَدبِ نبوی کا احتمال جمایا سو آپ ہی فرمایئے کہ اس صورت میں طرفین کا کیا قصور رہا حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کا بوجہ لاعلمی فدک کا سوال کر لینا کیا بُرا ہے ہاں بعد طلب البتہ ندامت عمدہ اوصاف میں سے ہے جو سوا اہل کمال اور کسی سے متصور نہیں ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اَدب اور احتیاط فرمائی یہ بے جا کیا یا یہ بے جا تھا کہ ویسے ہی اپنے غرور اَفضلیت اور نخوت خلافت میں پڑے رہتے اور خبر نہ لیتے بہرحال یہ بات اچھی ہے جس میں ممدوح خدا یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی حرف نہ آیا

اور جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تعریف نکل آئی یا یہ کہ ان پر ظلم کا داغ لگے جس سے اتمام کار نعوذ باللہ فہم وفراست خداوندی کو بٹا لگے۔ اور ان پر حُبّ دنیا کا احتمال ہو جس سے سیدۃ النساء ہونے میں شک وشبہ پیدا ہو۔

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور اگر یہ عذر ہے کہ حدیث مذکور غلط ہے تو یہ دوسرا اعتراض ہے بلکہ اس صورت میں یہ اعتراض بھی اس حدیث کے غلط ہونے پر ہی موقوف ہوگا سو پہلے اس کو غلط ٹھہرائیں جب کہیں اس بات کے لئے منہ پھیلائیں۔

مگر یہ یادرہے کہ حدیث مذکور غلط ہو جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات النبی ہونا اور قبر میں اسی بدن سے زندہ ہونا پہلے غلط ہوگا سو تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی قدردانی ہے کہ جیسے اور شیعہ مر کر ناپاک ہو جاتے ہیں اور پھر طُعمہ مور و مار بن جاتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی جسم بے جان ہو گئے؟ اور جیسے اور اینٹ پتھر ہیں آپ کا بدن بھی بے جان ہو گیا۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ آپ کی حیات زیر پردہ موت اسی طرح مستور ہے جیسے چراغ کو ہنڈیا میں رکھ کر سر پوش ڈھک دیجئے یہ نہیں کہ جیسے چراغ روشن ہنڈیا میں ہو یا ہنڈیا کے باہر اس کے روشن ہونے میں کچھ کلام نہیں بلکہ ہنڈیا میں ہو تو نور منتشر اکٹھا ہو جاتا ہے اور اس کے اندر ہی سما جاتا ہے جس سے بہ نسبت سابق ہم تو زیادہ سمجھتے ہیں آپ اپنی کہیئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔

بہر حال ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے آپ کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سوال بے خبری سے تھا

ہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس (حدیث ما ترکناہ صدقۃ) کی خبر نہ تھی بوجہ غلطی اوّل بار طلب فدک میں قدم بڑھایا جب معلوم ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی گواہی دی چُپ ہو رہیں اور پھر اس بات میں کلام نہ کی سو

یہی حدیثوں میں موجود ہے کہ مرتے دم تک پھر گفتگو نہ آئی جس کو حضرات شیعہ نے موافق مثل مشہور کے بھوکے کو دو اور دو چار روٹیاں ہی نظر آتی ہیں ترک کلام پر محمول کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس صورت میں فقط ممدوح خدا یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عیب نہیں لگتا بلکہ خدا تک اور ادھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تک پہنچتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا اس حدیث پر گواہی دینا بجا ہے اور مسلم میں موجود ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غلط سمجھ جانے سے گھبراتے ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ اس سے نبیوں کا غلط سمجھ جانا ثابت ہوتا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو ولی ہیں بالجملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض ممکن نہیں حدیث مذکور غلط کہو گے تو بہت سے ارکان دین ڈھانے پڑیں گے۔

حدیث مَنْ اَغْضَبَھَا کا شان ورود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں ہے

اب رہی یہ بات کہ اگر حضرات شیعہ کا مسلک اختیار کیجئے تو اَلبتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ اعتراض جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا اِرادہ کیا تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے شکایت فرمائی اس پر آپ نے خطبہ فرمایا اور یہ ارشاد کیا:

"فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّیْ مَنْ اَغْضَبَھَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ"

ترجمہ: "فاطمہ میرے بدن کا حصہ ہے جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"

اب فرمایئے یہ کس کو سناتے ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، پھر ابوبکر کے پاس ارشاد نبوی "لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" کا بھی سہارا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کے لئے کس نے کہا تھا علاوہ بریں بارہا معاملات خانگی ہیں باہم رَنج کا اتفاق ہوتا تھا چنانچہ جس روز لقب "ابو تراب" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشرف فرمایا اس روز بھی رَنج باہمی کے باعث حضرت امیر خفا ہو کر مسجد میں آ لیٹے تھے۔

جوابِ سوال سیزدہم (۱۳)

نبی کی عدول حکمی کو کون نہیں جانتا کہ بُری ہے اگر بطور مقابلہ ہو تو کفر ہے اور بطور دیگر، دیگر ہے تو فسق پر بحمد اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً چار یار اور عشرہ مبشرہ وغیرہ مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص اس بلا میں مبتلا نہیں ہوا ہاں بطورِ شیعہ البتہ کسی قدر اِلزام حضرت امیر کو لگ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تہجد کے لئے حضرت امیر کو اُٹھایا حضرت نے جواب دیا پر مخالف طبع نبوی دیا عرض کیا جب خدا کو منظور ہوگا ہم تو جب ہی اُٹھیں گے ابھی نہیں اُٹھتے سو آپ ناچار یہ کہتے ہوئے چلے آئے: " وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا" یعنی انسان بھی بڑا جھگڑالو ہے۔ (بخاری ص ۱۱۱۲، ج ۲۔ نسائی ص ۱۹۳، ج ۱)

قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اگر عنایت ہوئی ہے اور اس پیرایہ میں کچھ قصہ قرطاس کے اشارے کنائے تو اس کا مفصل جواب تو آپ ہدیۃ الشیعہ میں ملاحظہ فرمائیں آیت " وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ " کے ذیل میں بحث مفصل مرقوم ہے۔ "پروار مردان خالی نرود"۔ یہاں بھی کچھ بالاجمال سُن لیجئے۔

مشورہ دینے کو عدول حکمی کہنا انہیں کا کام ہے جن کو سَر و دُم کی تمیز نہ ہو۔ رہی یہ بات کہ (۱) حکم معلوم مشورہ طلب تھا یا نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں بھی (۲) گنجائش مشورہ ہے یا نہیں۔ سو اوّل کا جواب تو یہ ہے کہ بشہادت آیت "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" بروز حجۃ الوداع نازل ہو چکی تھی۔ دین میں تو کمی اور کسر باقی ہی نہ تھی جو اس حکم کو نیا) حکم خداوندی تصور فرمائیں اور یوں کہیں کہ حکم قابل مشورہ نہ تھا۔ اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ قابل مشورہ ہونا تو درکنار خدا تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے " وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ "، یعنی مشورہ کر لیا کروا ے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور یہی وجہ ہوئی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دوبارہ تحریر حکم معلوم تا وقت وفات کچھ نہ فرمایا ورنہ حکم خدا ہوتا تو ہم تو نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ خدا کی عدول حکمی کا شیعوں کو منسوب کرنا پڑے گا۔ بالجملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بھی پسند خاطر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی اور اَمر قوموا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت نہ تھا بلکہ اوروں کے اختلاف کے باعث تھا جو ردوبدل ہوئی اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اور اکثر شیعہ اس پر بھی نہیں مانتے تو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بھی اور آراء کی مانند خدا کو منظور ہوئی ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بندہ تھے خدا نہ تھے اور نعوذ باللہ شیعوں کے (اعتقاد میں) خدا ہی تھے چنانچہ شیر یزداں کا ان سے ڈر کر تقیہ کرنا کچھ اسی کا پتہ دیتا ہے تو (ہمارے اعتقاد میں) خدا سے بڑے نہ تھے چھوٹے تھے مکرر وحی ہوتی اور تاکید فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نہ جانے دیتے۔ لیکن کوئی صاحب انصاف کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب میں تاویل مشورہ کی گنجائش نہیں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے " وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا" تب یہ بات کوئی مشورہ طلب نہ تھی اس کی بھلائی بُرائی کو کون نہیں جانتا۔

دوبارہ نہ لکھوانے کے مصالح

ہاں کتاب معلوم کے لکھوانے میں یہ احتمال تھا کہ کلام اللہ کی نسبت پھر یہ اعتقاد نہ رہے گا۔ جیسا خود فرماتے ہیں "وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" (سورۂ نحل، آیت ۸۹) جس کا حاصل یہ ہے کہ اُتاری ہم نے تیری طرف وہ کتاب جس میں ہر چیز کا بیان ہے ادھر پہلے فرما چکے "اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ" ﴿حدیث ثقلین مسلم ص۲۷۹، ج۲ میں ہے اس کو تین حضرات تابعین یزید بن حیان، حصین بن سبرہ عمر بن مسلم روایت کرتے ہیں۔ اس کی ایک سند ابی حیان عن یزید بن حیان ہے۔ دوسری سند محمد بن فضل عن ابی حیان عن یزید بن حیان۔ تیسری سند جریر عن ابی حیان اور چوتھی سند سعید بن مسروق عن یزید بن حیان ہے

یہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی کے پاس پہنچتے ہیں۔ حصین بن سبرہ۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی سے کہتے ہیں کہ زید آپ نے بہت بھلائی پائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ سے احادیث سُنی ہیں آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے ہیں آپ کی اقتداء میں نمازیں پڑھی ہیں بے شک آپ نے خیر کثیر حاصل کی ہے۔ اے زید آپ ہمیں حضور کی کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے حضور سے سُنی ہو"۔ زید نے کہا اے بھتیجے بخدا میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور حضور کے ساتھ جو میرا زمانہ تھا وہ پرانا ہو چکا ہے۔ اور بعض باتیں جو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد رکھتا تھا وہ بھول گیا ہوں۔ اب میں جو بات بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔ (اس کا مطلب یہی ہے کہ جو بات مجھے محفوظ ہوگی میں اس کو بیان کروں گا اور جو بات مجھے محفوظ نہ ہوگی میں اس کو بیان نہ کروں گا۔ پھر انہوں نے حدیث ثقلین بیان کی جو انہیں یاد تھی۔ فافہم۔) پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام میں جس کو خم کہتے ہیں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، وعظ ونصیحت فرمائی پھر آپ نے فرمایا۔ امابعد! اے لوگو! بے شک میں انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آجائے اور میں اس کی بات کو قبول کر لوں (یعنی عالم آب وگل سے چلا جاؤں) اور میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے (قرآن کریم) اس میں ہدایت ونور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں آپ نے برانگیختہ کیا اور ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا (یعنی دوسری وزنی چیز) کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دِلاتا ہوں یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ حصین نے کہا اے زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں کیا آپ کی بیویاں اہل بیت نہیں؟ زید نے کہا آپ کی بیویاں تو اہل بیت ہیں لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے حصین نے کہا وہ کون ہیں؟

زید نے کہا وہ آل علی۔آل عقیل۔آل جعفر، آل عباس ہیں۔ حصین نے کہا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ زید نے کہا کہ ہاں۔جریر کی روایت میں کتاب اللہ کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں۔اس میں ہدایت اور نور ہے۔جس نے اس سے تمسک کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اس سے چوک گیا وہ گمراہ ہوگا۔اور سعید کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سنو! میں تمہارے درمیان دووزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ایک اللہ کی کتاب ہے یہ حبل اللہ ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو ترک کردیا وہ گمراہی پر ہوگا۔اور اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ہم نے زید بن ارقم سے کہا۔آپ کے اہل بیت کون ہیں آپ کی اَزواج ؟ زید نے کہا نہیں۔بخدا عورت ایک زمانہ تک مرد کے پاس ہوتی ہے پھر مرد اس کو طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے خاندان اور قوم کی طرف واپس لوٹ جاتی ہے۔درحقیقت آپ کے اہل بیت آپ کے اصل اقرباء اور آپ کا عصبہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حصین بن سبرہ وغیرہ کو اصرار تھا کہ آپ کے اہل بیت صرف آپ کی اَزواج ہی ہیں تو زید نے ان کا انکار کیا کہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اَزواج بے شک اہل بیت ہیں لیکن اہل بیت صرف یہ نہیں بلکہ آپ کا عصبہ اور خاندان کے لوگ بھی اہل بیت ہیں تم صرف عورتوں میں ہی اہل بیت کو بند کرتے ہو یہ درست نہیں۔عورتوں کا اہل بیت ہونا تو منفک بھی ہوسکتا ہے اور عصبہ کا اہل بیت ہونا غیر منفک ہے۔حضور کی نساء تو نص قرآنی سے اہل بیت میں داخل ہیں لیکن اہل بیت ہونا صرف ان میں ہی منحصر نہیں۔دوسری روایت میں زید کا انکار سائل کے اصرار کے مقابلہ میں ہے جو صرف نساء کے اندر ہی اہل بیت کو منحصر مانتا ہے اب یہ بات کہ مؤطا کی روایت یا دوسری روایات میں دووزنی چیزیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا ہے۔ان میں اور مسلم کی اس روایت میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے لیکن حدیث کی تاویل توجیہ اور اس کا مفہوم معلوم کرلینے کے بعد یہ تعارض نہیں رہتا۔کتاب اللہ کے ساتھ سنت کا ذکر اور اہل بیت کا ذکر اس میں تعارض نہیں۔

کیونکہ کتاب اللہ کو قانون کی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دَراصل کتاب اللہ کی شرح ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین محدثین نے بیان کیا ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو شرح قرآن ہے اس کو معلوم کرنے کے لئے تمام بعد میں آنے والی اُمت کیلئے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں بالعموم جس پر حدیث **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدین** اور **ماانا علیه و اصحابی** دال ہے لیکن اس کے ذرائع میں سب سے اہم اور قریبی ذریعہ آپ کے اہل بیت ہیں۔ جیسا کہ وِتر کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وِتر کو تمام اہل ارض میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی جاننے والا نہیں تو اہل بیت کا قرب اور تعلق اور مشاہدہ جو دوسروں سے زیادہ ان کو حاصل تھا اس کی بناء پر سنت کا معلوم کرنا بہت سے دوسرے لوگوں کی نسبت اہل بیت ہی زیادہ ہیں تو آپ نے کسی مقام میں شرح قرآن یعنی سنت کا ذکر کیا ہے اور کسی مقام میں شارحین سنت کا اطلاق کیا ہے (اہل بیت کا) دونوں کا مطلب ایک دوسرے کے ساتھ مطابق ہے اس میں تعارض نہیں ہے اور اسی پر لن یفترقا کی روایت بھی زیادہ چسپاں معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اور شارحین قرآن دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر کی منزل آجائے یعنی قیامت برپا ہوجائے۔ واللہ اعلم ﴾۔

(عبدالحمید سواتی عفا اللہ عنہ)

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں تم میں کتاب اللہ اور عترت کو چھوڑے جاتا ہوں اگر دونوں کو پکڑے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ سو اب وہ تیسری چیز تھی تو کتاب اللہ کا "**تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ**" ہونا اور یقین کا مایہ ہدایت ہونا دونوں غلط ہو جائیں گے۔ اور اگر انہی دونوں کی تائید تھی تو اب ہی کیا کمی رہ گئی باقی شرح حدیث ثقلین زیادہ مطلوب ہو تو جواب سوم منجملہ جوابات اربعہ مشار الیہا کو ملاحظہ فرمادیکھیں۔

حسبنا کتاب اللہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد تکلیف کتابت سے بچانا تھا

اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عرض کو حسبنا کتاب اللہ جس کو شیعہ عدول حکمی سمجھتے ہیں ممانعت تکلیف سمجھی جائے اور اہل عقل یہی سمجھتے ہیں تو پھر اعتراض کی یہ بات اور قابل تعریف ہو جائے گی بلکہ جن لوگوں نے آپ کی اس تکلیف کو اور وہ بھی اس شدت مرض میں باوجود یہ کہ کتاب اللہ موجود اہل بیت موجود کسی اور ہدایت نامہ کی حاجت نہیں گوارا کیا البتہ ان کو کچھ کہا جائے تو کہا جائے پر ہمارا یہ مشرب نہیں ہمارے نزدیک مشورت میں کبھی صحت کبھی غلطی ہوتی رہتی ہے ہاں حضرات شیعہ برا کہیں تو کہیں پر انہیں بُرا کہیں گے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھلا کہنا بھی ذمہ رہے گا۔ ادا کریں تو فبہا ورنہ قیامت کو دینے دار رہیں گے۔

باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حسبنا کہنے سے جس کے یہ معنٰی ہیں کہ ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے یہ سمجھ لینا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عترت کو جواب دیا یہ بھی طرفہ خوش فہمی ہے اجی صاحب ! اگر کوئی میزبان کسی مہمان کے سامنے دو چار روٹیاں رکھ کر اور روٹی لینے جائے اور وہ مہمان یہ کہے کہ بس یہی بہت ہیں تو عاقل کے نزدیک تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اور روٹی کی ضرورت نہیں۔ پانی کا انکار اس سے نہیں نکلتا۔ ہاں بے وقوفوں کی زبان اور اصطلاح میں اگر اس کے یہی معنٰی ہوں تو ہوں اور اگر کسی اور بات پر یہ ناک منہ چڑھایا جاتا ہے تو اس کو اوّل بیان کریں ورنہ ہمارا کیا قصور؟ بایں ہمہ جواب جواوّل معروض ہو چکا گفتہ نا گفتہ سب اعتراضوں کے بدلے دندان شکنی کے لئے کافی ہے۔

جواب سوال سیزدہم ۱۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی اگر بطور مقابلہ وانکار ہے تو ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلنا ہے ورنہ خدا کو اختیار ہے چاہے بخشے چاہے چھوڑے باقی اس پر سوال سے غرض اصلی جو ہے اس کی جڑ پہلے جواب میں کٹ چکی ہے مکرر تیشہ زنی کا دماغ نہیں۔

جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب

اطاعتِ حکم کی کئی صورتیں ہیں

نبی کو غصہ دِلانا بہت بُرا ہے اور نافرمان کا ماوٰی جہنم ہے۔ مگر ماننا چاہئے کہ درباب امتثال اَمر قاعدہ اُصول کا یہ ہے کہ جیسا اُمر ہو ویسا ہی اس کا امتثال کبھی تو اَمر وجوب کیلئے ہوتا ہے جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃ اور کبھی نہی بصورت اَمر ہوتی ہے اس کا عدم امتثال بہتر ہے اور کبھی تو اَمر شفقت رحمت کا ہوتا ہے اس کا بھی امتثال وجوبی نہیں جیسا کہ کھانے میں مکھی گرنے کے باب میں فرمایا فَامْقُلُوْہُ (ڈبو کر پھینک دو) غرضیکہ ایک اَمر کا دوسرے اَمر سے بہت فرق ہے اللہ کریم اَمر فرماتا ہے:

"فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُر" (سورۃ الکہف، آیت ۲۹)

ترجمہ: "جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے"۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ظاہر ہے کہ یہ الفاظ اَمر کے ہیں اور مراد امتثال اَمر نہیں۔ باعتبار صیغہ کے اَمر اور بدلالت حال کے نہی ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بحکم آیت وشاورھم فی الامر کے حضرت کی خدمت میں اپنی رائے ظاہر کرنے کی اجازت تھی اور بعد ارشاد عرض وتکرار کی گنجائش تھی اس کو کوئی عدول حکمی نہیں کہہ سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بظاہر کئی دفعہ عدول حکمی ہوئی

کیونکہ ایسے ایسے خلاف اَمر تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف بھی نسبت ہو سکتے ہیں اَوّل تو خاص اسی مقدمہ میں لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والوں کو عام حکم فرمایا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو مقابلہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نہ مانا۔

تیسرے " يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ (سورۃ الحجرات، آیت ۲)"

(ترجمہ: اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر اور اس سے بہت چلّا کے بات مت کہو) کے کیوں خلاف کیا وہ تو (بقول شیعہ) معصوم خطا سے تھے نص صریح کا خلاف کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے لئے جگایا اور تاکید کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہ مانا اور یہ فرمانا:

"وَاللّٰهِ مَا نُصَلِّيْ اِلَّا مَا كُتِبَ لَنَا اِنَّمَا اَنْفُسَنَا بِيَدِ اللّٰهِ" (نسائی ص ۱۹۳، ج ۱)

ترجمہ: "قسم ہے اللہ کی ہم تو وہی نماز پڑھیں گے جو اللہ نے ہمارے لئے فرض کی ہے اور ہماری جانیں اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔"

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک پر ہاتھ مار کر یہ فرمایا "كان الانسان اكثر شیء جدلا" (آدمی بہت جھگڑالو ہے) اور یہ کہ صلح نامہ حدیبیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت کے القاب میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ دیا تھا کفار کو ناگوار گزرا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ کو کہ اس کو محو کردو مکرر سہ کرر فرمایا پر ایک نہ مانی اور یوں کہا وَاللّٰهِ لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا (بخاری ص ۶۱۰، ج ۲) قسم ہے اللہ کی میں کبھی آپ کا نام محو نہیں کروں گا۔ الامر فوق الادب کو بھی کار نہ فرمایا۔ ناچار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے محو کیا۔ پس معلوم ہوا کہ اِنکار و اِصرار کسی مصلحت سے ہو بلا تعنت واعوجاج (بغیر ضد اور بدنیتی کے) قلب کے تو کچھ حرج نہیں۔

﴿حاصل یہ ہے کہ جب ان مقامات پر تاکید نبوی کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلاف ورزی کو ہم سب مسلمان ادب اور عشق نبوی پر محمول کرتے ہیں تو اسی طرح قصہ قرطاس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہے قلم دوات لا کر لکھوانے کی تکلیف نہ دو ہمیں کتاب اللہ کافی ہے" کو عشق ومحبت کا مظہر جاننا چاہئے اور صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بے قراری اور بے باکانہ گفتگو کو غیرت ایمانی اور بغض فی اللہ کا مظاہرہ جاننا چاہئے۔ کیونکہ آپ کے پندرہ سو (۱۵۰۰) مؤمنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمائندگی کر رہے تھے تا آنکہ اللہ نے سب پر تسلی اور اطمینان کی چادر ڈال دی جیسے سورۃ فتح کی آیت نمبر

۴ میں ارشاد ہے: " هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ "وہی تو ہے جس نے مؤمنین کے دِلوں میں تسکین نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ اطمینان کو اور بڑھائے (ترجمہ مقبول ص ۶۱۲) ۱۲۔ مہر محمد

سوال چہارم دہم (۱۴) از جانب شیعہ

کبھی پیغمبر خدا نے شیخین کی شان میں کوئی ایسا کلمہ بیان کیا کہ جو ان کی خلافت پر دلیل ہو مثل وصیبی و خلیفتی و ولی کل مؤمن و مؤمنة سید المؤمنین امام المتقین سید العوب وغیرہ اگر بیان کیا تو مفصل معہ پتہ ونشان کے تحریر فرمایئے۔

جواب سوال چہار دہم (شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایات)

شیخین کے حق میں یہ لفظ تو نہیں فرمائے کہ وہ میرے وصی یا میرے خلیفہ یا ہر مؤمن اور مؤمنہ کے ولی ہیں پر اس سے بڑھ کر الفاظ فرمائے ہیں ایک تو یہی فرمایا ہے:

(۱) " اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ " (ترمذی ص ۲۰۷ ج ۲، ازالة الخفا ص ۸۹ ج ۱، بحواله حاکم)

ترجمہ: "یعنی اقتدا کیجیو ان دو شخصوں کا جو میرے بعد ہوں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ"۔

(۲) علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الرّاشدین المهدین من بعدی (ابو داوٗد ص ۲۸۷ ج ۲، ترمذی ص ۹۲ ج ۲)

ترجمہ: "یعنی میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کو لازم سمجھنا"

بایں ہمہ یہ بھی فرمایا کہ آسمان میں تو میرے وزیر جبریل و میکائیل اور زمین میں ابوبکر و عمر ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

علیٰ ہذا القیاس یہ بھی ارشاد ہے کہ جوانانِ جنت کے سردار تو حسنین ہیں اور زیادہ عمر والوں کے سردار ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ باقی آیات سے جو حضرت ابوبکر رضی

اللہ عنہ کی اَفضلیت ثابت ہے وہ علاوہ رہی اب آپ کلام اللہ اور حدیث کو تو لیے پھر یہ بولئے کہ یہ ارشاد جو خلفاء راشدین کے حق میں فرمائے ہیں (مقصد استخلاف میں) زیادہ ہیں یا ولی کل مؤمن۔

اسے تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کے دوستوں کو کہتے ہیں خدا کے حاکموں کو نہیں کہتے ہم بھی حضرت (علی رضی اللہ عنہ) کو تمام اہل ایمان کا دوست اور محبوب سمجھتے ہیں چنانچہ بخاری وغیرہ اور صحاح ستہ میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سوا مؤمن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی محبت نہ کرے گا اور سوا منافق کوئی ان سے بغض نہ رکھے گا۔ سو بفضلہٖ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت کو ہی رہی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شیعہ کی محبت نصاریٰ جیسی ہے

شیعہ کی محبت ان سے ایسی ہے جیسے نصرانیوں کو حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) سے محبت۔ کون کہہ دے گا کہ نصرانیوں کو حضرت عیسیٰ سے محبت ہے ہاں اپنے خیال سے محبت ہے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے ہوتے تو پھر یہ محبت ان کے ساتھ (درست) ہوتی۔ اب تو قصہ ایسا ہے جیسے اندھیرے میں کوئی شخص غیر کے لڑکے کو اپنا فرزند سمجھ کر گود میں اُٹھا کر چومے چاٹے بیٹا بیٹا کہے اور پھر چاندنا ہو تو پہچان کر گود سے پٹخ دے ایسے ہی نصرانی اور شیعہ اس ظلمت کدہ جہل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ کا کچھ سمجھ کر عجز و نیاز کرتے ہیں بروز حشر موافق ارشاد فیض بنیاد "فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ"

ترجمہ: "جس کے معنی یہ ہیں کہ دُور کر دیا ہم نے پردہ تیرا سو آج تیری آنکھ بہت تیز ہے"۔ یہ پردہ جہل مرکب اُٹھایا جائے گا۔ اس روز معلوم ہوگا کہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے امام تھے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ وحی آتی تھی اور نسخ احکام کا اختیار تھا نہ ان کو علم غیب تھا جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ بلافصل تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفات بعقائد شیعہ قرآن وسنت میں نہیں

باقی امام کا قرآن میں مسطور و مذکور نہ ہونا اور علم غیب کا نہ ہونا تو کلام اللہ ہی میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ بشہادت جملہ خاتم النبیین اور آیت:

" قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ" (سورۃ النمل، آیت ۶۵)

ترجمہ "آپ فرمائیے کوئی بھی غیب نہیں جانتا جو آسمان وزمین میں ہے سوائے اللہ کے"

جوابات اربعہ ﴿یعنی کتاب ہذا کا حصہ دوم ۱۲۔ مہر محمد﴾ مشار الیہا میں مذکور ہو چکا۔

غرض ولی کل مؤمن ومؤمنہ وغیرہ الفاظ سے تو یہ مطلب نکالنا ایسا ہے جیسا کسی نے ہجوں سے اپنا نام بتایا تھا۔ عین فے زبر عف غین فے زبر غف میرا نام محمد یوسف۔ باقی لفظ وصی اور خلیفتی سنیوں کی کتاب میں اور کسی روایت میں نہیں پھر کا ہے کیلئے تین پانچ کی جاتی ہیں بایں ہمہ اگر ثابت بھی ہو تو وصی کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو کوئی وصیت کی ہوگی۔ دم وفات اکثر آدمی اپنوں بیگانوں کو وصیت کر جاتے ہیں پر اتنی بات سے وہ خلیفہ نہیں بن جاتے ہم بھی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے در بارہ تجہیز وتکفین۔ مراعات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے وصیت کی ہوگی جن میں سے یہ بھی ہو کہ تم مستحق خلافت نہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے امام احمد یا کسی اور امام کی تخریج سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے (میں نے) تین دفعہ یہ عرض کیا کہ علی رضی اللہ عنہ سب میں مقدم رہیں پر عرض منظور نہ ہوئی باقی نام کتاب ہی تعین مطلوب ہو تو انتباہ المؤمنین۔ (یہ حضرت حجۃ الاسلام بانی دار العلوم دیوبند علامہ محمد قاسم نانوتوی کی اپنی تصنیف ہے۔)

دیوبند میں بہت ہیں مطالعہ کر کے نام کتاب دریافت کر لیں۔ مجھ کو اس وقت یاد نہیں پر یہ یاد ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔

رہی یہ بات کہ دُعا قبول نہ ہوئی سو اس میں کچھ قباحت نہیں اور بھی بعض مواقع میں ایسا ہوا۔ چنانچہ اُمت کی خانہ جنگیوں کے نہ ہونے کی استدعا مقبول نہ ہوئی بخاری وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ معہٰذا نبی بندۂ خدا ہوتا ہے خدا کا حاکم نہیں ہوتا اگر کوئی استدعا قبول نہ ہو تو کیا حرج ہے بلکہ یہ نہ ہو تو پھر اُمتیوں کا ان کی طرف اور گمان ہونے لگے اس لئے حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا بیٹے کے حق میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا باپ کے حق میں مقبول نہ ہوئی۔ کلام اللہ موجود ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصایت وخلافت کا مطلب

خلیفہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میرے بعد ہی متصل تم خلیفہ ہو بلکہ اَوّل تو یہ اِرشاد آئینہ خلافت خاصہ ہے یعنی جب آپ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر پر چھوڑ گئے سو یہ گھر کی خلافت تھی نماز تک بھی آپ کے سپرد نہ تھی جماعت عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کراتے تھے۔ دوسرے اگر خلافت عامہ ہی مراد ہے تو پھر کیا آپ بھی اس وقت میں خلیفہ ہوئے؟ اور اس وقت میں غرض یہ ہوگی کہ میرے اقارب میں تم ہی خلیفہ ﴿چنانچہ ایسی وصیت وخلافت شیعہ کے خاتم المحدثین ملا باقر علی مجلسی نے ''حیاب القلوب ص۶۸۲ ج ۲'' اور ''جلاء العیون ص۵۹'' پر بایں الفاظ نقل کی ہے۔ ''کلینی ابن بابویہ شیخ طوسی، شیخ مفید اور دیگر سنی وشیعہ محدثین نے معتبر سندوں سے حضرت امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اپنی وفات کے وقت حضور نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے چچا میرے اہل خانہ اور بیویوں کے متعلق میری وصیت قبول کرو میری میراث لو میرا قرض ادا کرو اور میرے وعدوں پر عمل پیرا ہو اور مجھے سبکدوش کرو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول میں بوڑھا بال بچے دار ہوں آپ آندھی اور اَبر بہاری سے زیادہ سخی تھے میرا مال پورا نہ ہوگا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا اے علی تو میری میراث لے

تیرے ساتھ کسی کا جھگڑا نہ ہوگا میری وصیت مانو میرے وعدوں پر عمل درآمد کرو میرے قرضے ادا کرو یا علی خلیفہ من باش دراہل من وتبلیغ رسالت من بعد از من بمردم بکن۔ کہ اے علی میرے گھر والوں پر میرے خلیفہ بنو اور میرا پیغام (وصیت) بھی لوگوں تک پہنچاؤ۔؟!۔ مہر محمد ﷺ ہو گے حضرت عباس یا حضرت عقیل رضی اللہ عنہ یا حضرت عبداللہ بن عباس نہ ہوں گے باقی رہے الفاظ باقیہ سید المؤمنین امام المتقین۔ سید العرب وغیرہ نہ کسی صحیح روایت میں ہے نہ ضعیف میں یہ مفتریان مذہب شیعہ کی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔

جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مؤید خلافت احادیث

سبحان اللہ آنکھیں کھولو ہوش میں آؤ صدہا احادیث جو ان الفاظ سے بڑھ چڑھ کر ہیں بیان فرمائی ہیں ایسے تو غافل مت بنو سوال کے جواب میں بھی اس قسم کی احادیث بہت کچھ بیان کردی ہیں پر اور بھی لیجئے یہ اَمر تو نہایت ظاہر و باہر ہے اس میں شبہ کرنا بعینہٖ اپنے آپ کو بھول جانا ہے۔

حدیث نمبر ا

" عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ن الْخُدْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَا مِنْ نَبِیٍ اِلَّا وَلَہٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاء فَجِبْرِئِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاَمَّا وَزِیْرَ ایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ " (ترمذی ص ۲۰۸، ج ۲)

ترجمہ: "ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبی ہوتا ہے اس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے لیکن میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث نمبر۲

اَخْرَجَ الْبَزار وَالْحَاكِمُ عَنْ اَبِیْ اَرْوَالدَّوْسِیّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم فَاطَّلَعَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَیَّدَنِی بِهِمَا " (ازالۃ الخفاص ۹۳ ج ۱، بحوالہ حاکم)

ترجمہ: ''روایت ہے ابو، اروالدوسی سے کہا تھا میں بیٹھا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ آئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے میری مدد کی ان دونوں کے ساتھ''۔

حدیث نمبر۳

وَ عَنْ حُذَیْفَةَ الْیَمَانِیّ قَالَ سَمِعْتُ رسول الله صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَقُوْلُ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَبْعَثَ اِلَی الْاٰفَاقِ رِجَالًا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السُّنَنَ وَالْفَرَائِضَ كَمَا بَعَثَ عِیْسٰی بْنُ مَرْیَمَ الْحَوَارِیِّیْنَ قِیْلَ لَهٗ فَاَیْنَ اَنْتَ عَنْ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ اِنَّهٗ لَا غِنٰی لِیْ عَنْهُمَا اِنَّهُمَا مِنَ الدِّیْنِ كا السَّمْعِ وَالْبَصَرِ". (ازالۃ الخفاص ۸۹ ج ۱، بحوالہ حاکم)

ترجمہ ''اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے میں نے قصد کیا اس بات کا کہ آدمیوں کو اطراف و جوانب میں بھیجوں تا کہ وہ سنتیں اور فرض لوگوں کو سکھلائیں جیسا حضرت عیسیٰ بن مریم نے حواریین کو بھیجا تھا۔ کہا آپ کا ابوبکر اور عمر سے کیا حال ہے فرمایا مجھ کو ان دونوں سے بے پروائی نہیں یہ دونوں دین میں مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔

حدیث نمبر۴

" اَخْرَجَ التِّرمِذِیُّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مَالِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ كَافَیْنَاهُ مَا خَلَا اَبِیْ بَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ

عِنْدَنَا يَداً يُكَافِئِهِ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ اَبِيْ بَكْرٍ" (ترمذی ص ۲۰۷، ج ۲)

ترجمہ: "اور روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کا ہم پر احسان ہے ہم نے اس کا بدلہ (ادا) کردیا ہے سوا ابو بکر کے کیونکہ اس کا ہم پر احسان ہے (کہ) اللہ قیامت کو اس کو بدلہ دے گا اور کسی کے مال نے مجھ کو ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے مال نے نفع دیا ہے"۔

حدیث نمبر ۵

وَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ اللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ وَكَانَ اَحَبُّهُمَا اِلَيْهِ عُمَرُ". (ترمذی ص ۲۰۹، ج ۲)

ترجمہ: "اور اِبنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اَے اَللہ عزت دے اسلام کو ساتھ اس کے جو زیادہ محبوب ہے تجھ کو ان دونوں میں سے ابوجہل کے ساتھ یا عمر بن الخطاب کے ساتھ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ زیادہ عزیز تھے اللہ کو ان دونوں میں"۔

فائدہ: درموازنہ

جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنون و مشکور ہونا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اور عزت دینا اسلام کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو "لا غناء لي عنهما انهما من الدين كالسمع والبصر" فرمایا اور زمین والوں میں دو وزیر فرمایا۔ خلیفتی و وصیی وغیرذٰلک کے الفاظ معدودے کیا کچھ کم ہیں؟ اور ان الفاظ کا پتہ تو فرمایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین کے حق میں یہ الفاظ کب فرمائے اگر سنیوں کی کتابوں میں ہیں تو اطلاع فرمایئے کہ ہم مشکور ہوں اور جب اہل سنت کے نزدیک سرے سے ثبوت خلافت کے

لئے حاجت نص نہیں تو اَیسے اَلفاظ سے سوال کرنا بے حاصل ہے **ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ** (پہلے تختہ قائم کرو پھر نقش ونگار کھینچو)۔

سوال پانزدہم (۱۵) از جانب شیعہ

کبھی شیخین نے مثل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ دعویٰ کیا کہ میں وصی رسول اللہ ہوں اگر کہا ہو تو بیان کیجئے۔

جواب سوال پانزدہم

نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی وصی ہونے کا دعویٰ کیا نہ شیخین نے۔ اور کرتے بھی تو کس بھروسے پر کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو وصی کیا ہی نہ تھا ہاں ابوبکر صدیق کو یوں سمجھ کر کہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے اپنے ترکہ کا جمع خرچ بتلا گئے تھے ﴿وصی اُس شخص کو کہتے ہیں جسے مرنے والا آخری وقت بندوبست وغیرہ کے متعلق اہم باتیں بتا کر جائے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصی رسول ہونا کتب شیعہ سے ثابت ہے، مثلاً ''جلاء العیون کشف الغمہ'' وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی سنگینی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو منجملہ اور باتوں کے پوچھا آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا میرے اہل خانہ کا قریب ترین آدمی۔ پوچھا آپ کو کن کپڑوں میں دفن کریں؟ فرمایا انہی پہنے ہوئے کپڑوں میں یا یمنی سوٹ میں یا مصر کے بنے ہوئے سفید کپڑوں میں پوچھا آپ پر نماز جنازہ کیسے پڑھیں اس وقت لوگ شدت غم سے چلا کر رونے لگے تب آپ نے فرمایا صبر کرو خدا تمہیں معاف کرے''۔ (جلاء العیون ص ۵۷) ۱۲۔ مہر محمد﴾ یعنی یہ ارشاد فرما گئے۔ رہی اس کی صحت تو نسخہ ہدیۃ الشیعہ کو مطالعہ فرمائیں۔ بسط سے بحث کو لکھا ہے کہ قیامت تک ان شاء اللہ جواب نہ آئے گا ہاں ویسا جواب جیسا جاٹ نے دیا تھا کہ تیرے سر پر کولہو'۔ اگر دیں تو دیں۔

جواب ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

وصی ہونے کا دعویٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہیں کیا

چونکہ شیخین کی شان میں خاص لفظ وصی نہیں آیا وہ کیوں جھوٹا دعویٰ کرتے مگر یہ فرمایئے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ دعویٰ کب کیا اور جو کچھ اس کا ثبوت ہو کُتب معتبرہ سنیہ سے بیان فرمایئے اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ وصی تھے تو ان کو کیا وصیت تھی اگر بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافت کی وصیت تھی تو بعد انتقال سید الاصفیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیوں نہ اظہار وصیت کیا اور وصیت کو شاہد گزار کر کیوں اتمام حجت نہ کی اگر یہ ہوتا تو خلیفہ اوّل ہو جاتے باوجود یہ کہ ان کو اسد اللہ الغالب کا خطاب تھا اور ان کے ذوالفقار کے وار کی ہفت زمین کو تاب نہ تھی ان کو کس بات کا خوف تھا۔ آیت:

"لَن يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا" (سورۃ التوبہ، آیت ۵۱) اور " فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" (الاعراف، آیت ۳۴)

ترجمہ: "جو اللہ نے ہمارے واسطے لکھ دیا ہے ہم کو اس کے سوا اور کچھ نہ پہنچے گا اور جب وقت ان کا آجاتا ہے تو ایک ساعت تاخیر اور تقدیم اس سے نہیں کر سکتے"۔

کی آپ کو یاد تھیں جو ہر قسم کے ضرر سے بے خوف کرتی ہے۔

اور تائید دین میں کلفت و مشقت اُٹھانا انبیاء اور ان کے خلفاء کی خوب اختیار ہوا کرتی ہے اور شیعوں کے مسلمات کے بموجب؟ کہ وہ عالم ما کان و ما یکون تھے اور اپنی موت و حیات باختیار خود ہونا۔ علاوہ بریں ہے۔ بایں ہمہ خلفاء ثلاثہ سے درباب خلافت کیوں مخاصمت نہ کی اگر ان کو وصی خلافت بامر خدا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو اس کی طلب میں مداھنت کرنے سے گنہگار ہوئے۔

اور عذر تقیہ کی یہاں گنجائش نہیں کیونکہ مقصود اتمام حجت ہے اگر وصیت درباب اَمر خلافت نہ تھی بلکہ مثل قربانی ذبح کرنے کے یا ایسے ہی اُمور دنیاوی کی وصیت تھی تو شیعوں پر کیا الزام ہے۔

سوال شانز دہم (۱۶) از جانب شیعہ

امامت اور خلافت کی کیا شرط ہے یعنی وہ اُمور کون کون ہیں جو خلیفہ اور اِمام میں ضرور ہونے چاہئیں، سوائے اکٹھا ہونے آدمیوں کے۔

جواب سوال شانز دہم (خلافت کے لئے تین اہم اوصاف)

نبی میں تین باتیں ضرور ہیں: (۱) ایک تو یہ کہ دنیا کی ذرّہ بھر محبت اس کے دِل میں نہ ہو ہاں اللہ کی محبت سے اس کا دِل لبریز ہو۔

(۲) دوسرے بلند ہمت اُولوالعزم ہو۔ (۳) تیسرے علم میں یکتا ہو۔

اوّل کی ضرورت تو اس لئے ہے کہ راز دار خدا بے اس بات کے نہیں ہوسکتا سو اس بات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و بشہادت حدیث مشکوٰۃ جس کی شرح میں رسالہ انتباہ المؤمنین اس ہیچمدان نے لکھا ہے یکتائے روزگار تھے۔ دوسرے وصف کی ضرورت بایں غرض ہے کہ جہان سے مقابلہ ہوگا اگر کم ہمت بزدل ہوگا تو کیا کام چلے گا۔ اس میں حضرت عمر یگانہ آفاق تھے۔ تیسری بات کی ضرورت کی یہ وجہ ہے کہ یہ نہ ہو تو پھر ہدایت ہی کیا ہوگی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قدم آگے بڑھا ہوا تھا غرض اُمور ثلاثہ نبی میں ضروری ہیں جو ان کا خلیفہ ہو اس میں یہی باتیں مدنظر ہوں گی ورنہ پھر خلافت نہیں ناخلفی ہے۔ باقی مضامین متعلقہ حدیث مذکور جو اس جواب کے قابل تھے بہ نظرِ اختصار اور نیز بایں نظر کہ اگر سائل اس سے زیادہ پوچھتا ہی نہیں کہ ان لوگوں میں یہ بھی یہ وصف تھی کہ نہیں۔ ادھر رسالہ انتباہ المؤمنین میں بالتفصیل تمام مرقوم ہوچکی ہیں دیکھ لو۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط: فقہ کی کتابوں میں ہے:

"اَلْاِمَامَۃُ ھِیَ صُغْرٰی وَکُبْرٰی فَالْکُبْرٰی اِسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍّ عَلَی الْاَنَامِ وَتَحْقِیْقُہٗ فِیْ عِلْمِ الْکَلَامِ وَنَصبہ اَھَمُّ الْوَاجِبَاتِ فَلِذَا قَدَّمُوْہُ

عَلٰی دَفْنِ صَاحِبِ الْمُعْجِزَاتِ وَ یُشْتَرَطُ کَوْنُهٗ مُسْلِمًا حُرًّا ذَکَرًا عَاقِلًا بَالِغًا قَادِرً اقُرَشِیًّا لَا هَا شِمِیًّا عَلَوِیًّا مَعْصُوْمًا قَوْلُهٗ لَا هَاشِمِیًّا الخ اَیْ لَا یُشْتَرَطُ کَوْنُهٗ هَاشِمِیًّا اَیْ مِنْ اَوْلَادِهَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ کَمَا قَالَتِ الشِّیْعَةُ نَفْیًا لِاِمَامَةِ اَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ. (وَلَا شُبْهَةَ لَهُمْ فَضْلًا عَنِ الْحُجَّةِ) وَقَوْلُهٗ عَلَوِیًّا اَیْ لَا یُشْتَرَطُ کَوْنُهٗ مِنْ اَوْلَادِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رضی الله عنه کَمَالَ قَالَ بِهٖ بَعْضُ الشِّیْعَةِ نَفْیًا لِخَلَافَةِ بَنِی الْعَبَّاسِ وَقَوْلُهٗ مَعْصُوْمًا اَیْ لَا یُشْتَرطُ اَنْ یَکُوْنَ مَعْصُوْمًا کَمَاقَالَتِ الْاِسْمَاعِیْلِیَّةُ وَالْاِثْنَا عَشْرِیَّةُ اَیْ الْاِمَامِیَةُ. (من طحطاوی)

ترجمہ:"(امامت کی دو قسمیں ہیں صُغریٰ اور کُبریٰ) امامت کبریٰ مستحق ہونا تصرف عام کا خلقت پر اور تحقیق اس کی علم کلام میں ہے اور اقامت اس کی اہم واجبات میں سے ہے اس لئے مقدم کیا اس کو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے دفن صاحب معجزات پر اور شرط ہے امام کا مسلمان ہونا۔ آزاد۔ مرد عاقل بالغ قدرت رکھنے والا۔ قبیلہ قریش سے ہونا۔ ہاشمی علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں۔ لا ہاشمیاً یعنی شرط نہیں اولاد ہاشم سے ہونا جیسے شیعہ کہتے ہیں بہ سبب باطل کرنے امامت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور عمر رضی اللہ عنہ کے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے اور ان کو (دلیل کا) شُبہ بھی نہیں حجت ہونا تو در کنار لا علویاً یعنی شرط نہیں ہے ہونا امام کا اولاد علی بن ابی طالب سے جیسا شیعہ کہتے ہیں بسبب باطل کرنے خلافت بنی عباس کے اور معصوماً یعنی شرط نہیں ہے امام کا معصوم ہونا جیسا اسماعیلیہ اور امامیہ کہتے ہیں۔ نقل ہے اس کی طحطاوی سے۔ (مذکورہ بالا حوالہ طحطاوی کے علاوہ فتاویٰ شامی ص ۵۱۲ ج ۱، طبع مصر میں بھی بعض تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔ ۱۲۔ مہر محمد)

لا ینال عهدی الظالمین سے شیعہ استدلالِ عصمت کا رَد

یہ جو بعض کم فہم معصومیت امام کی لا ینال عهدی الظالمین سے کہتے ہیں قرآن کے مذاق سے غافل ہیں کیونکہ جملہ لا ینال عهدی الظالمین (میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے) لفظاً خبر ہے اور معنیً امر جیسے" اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ

صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ "(سورۃ الانفال، آیت ۶۵)

ترجمہ: اگر تم میں بیس صابر ہوں دوسو پر غالب ہوں گے) معنٰی اس کے یہ ہیں کہ جو ظالم ہو اس کو عہدہ اِمامت نہ پہنچے گا۔ یعنی وہ اس بات کے قابل نہیں کہ وہ متولی اُمور خلق اللہ بنایا جاوے۔ اور آیت:

"وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا. "(سورۃ النور، آیت ۵۵)

ترجمہ: "اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل اچھے کئے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنادے گا جیسا خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور برقرار کردے گا ان کے واسطے ان کا وہ دین جو ان کیلئے پسند کیا ہے اور البتہ بدل دے گا ان کیلئے بعد ان کے خوف کے امن اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو میرا شریک نہیں کریں گے"۔

اس کے ساتھ ملانے سے یہ ثابت ہوا کہ جب خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو عہد امامت پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ظالم نہ تھے بلکہ وہ عادل تھے۔

سوال ہفدھم (۱۷) اَز جانب شیعہ

وہ پوری پوری شرائط حضرت علی رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں یا شیخین میں۔

جواب سوال ہفدھم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ شرائط مذکورہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بھی موجود تھیں اور شیخین رضی اللہ عنہما میں بھی، پر ایسا فرق تھا جیسے ملا محمود بھی عالم اور مولانا محمد یعقوب بھی عالم پر مولانا محمد یعقوب صاحب ان سے زیادہ عالم اور کامل ہیں اسی واسطے شیخین رضی اللہ عنہما کو اوّل خلیفہ کیا۔ حضرت (علی رضی اللہ عنہ) کو بعد میں پھر اس میں یہ بھی عمدگی نکل آئی کہ سب کے سب خلیفہ بھی ہو گئے اگر پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو خلیفہ کرتے تو جو جو ان سے زیادہ مستحق تھے محروم رہ جاتے رہی وجہ تقدیم اور تاخیر

شوق ہو تو رسالہ انتباہ المؤمنین بغور وانصاف دیکھیں سمجھ میں نہ آئے تو شرم نہ کریں کسی ذی استعداد عالم سے پڑھ لیں اگر انصاف اور فہم ہوگا تو ان شاء اللہ اطمینان ہو جائے گا۔ ورنہ ہم تو کس شمار میں ہیں خدا اور رسول کے کلام سے بھی ایسوں کو تو اثر نہیں ہوا۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

وہ شرائط شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم میں پوری پوری موجود تھیں پر چونکہ اجماع حل وعقد کا بہ سبب دلالت آیات اور احادیث مذکورۃ الصدور کے اَوّلاً حضرت ابو بکر کی خلافت پر ہو گیا اس لئے وہ خلیفۂ اَوّل ہوئے۔ اور اَفضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسئلہ دوسرا ہے کہ اس کا ثبوت بھی اجماع سے ہے ثبوت خلافت میں اس کا کچھ دخل نہیں بوقت تقرر اس اَمر کے سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو افضل پایا لیکن معصومیت امام کی کہیں سے ثابت نہیں ہوتی چنانچہ نہج البلاغہ میں جو معتبرات امامیہ سے ہے نص صریح حضرت امیر المؤمنین سے موجود ہے۔

"لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرًّا اَوْ فَاجِرًا الخ". فقط

"آدمیوں کے واسطے امیر لازم ہے نیک ہو یا بد"۔

سوال ہشدہم (۱۸) از جانب شیعہ

حجۃ الوداع اور غدیر کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغمبر نے یہ ہدایت کی یا نہیں کہ میرے بعد تم قرآن اور میری عترت کی پیروی کرنا۔

جواب: یہ تو معلوم نہیں کہ آپ نے یہ ارشاد بھی اسی روز فرمایا ہے پر اس میں شک نہیں کہ یہ فرمایا اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ شعر ؎

تمہیں ہو قبلہ و کعبہ ہمارے دین و دنیا میں
اگر تم سے پھریں حق سے پھریں اور اس کے فرماں سے

پر مشفق من سمجھ کا پھیر ہے اگر ہر کوئی ایسی باتوں کو سمجھ لیا کرتا تو اہل فہم کی کیا قدر رہ

جاتی منجملہ جوابات اربعہ مشار الیہا ایک جواب خاص اسی حدیث کی شرح میں ہے آپ دیکھیں گے تو ان شاء اللہ محظوظ ہی ہوں گے۔ ہاں انصاف اور سینہ صاف کی ضرورت ہے۔

جواب ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

حدیث ثقلین میں تمسک عترت سے مراد اُن کی محبت ہے

یہ حدیث جو مذکور ہوئی بنام حدیث ثقلین مذکور ہے اور اس میں لفظ تمسک واقع ہوا ہے ان تمسکتم بھما۔ اور تمسک بقرآن تفسیر فرمایا ہے اتباع کے ساتھ۔ اور تمسک بعترت کو تفسیر کیا ہے محبت واُلفت کے ساتھ جو شخص تمام اس حدیث اور وجہ اس کے فرمانے کی ملاحظہ کرے گا اس کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث سے حکم اتباع کلام مجید کا اور تعظیم و محبت اہل بیت کی ثابت ہوتی ہے خلیفہ بنانے سے اور وہ بھی کہ بعد وفات متصل ہوں اس مسئلہ کو اس حدیث سے لگاؤ بھی نہیں۔

اور اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوستی کا حکم اور دُشمنی کی نہی نکلتی ہے فعلی الرأس والعین۔ لیکن ایسے الفاظ تنہا کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے واسطے ثابت نہیں بلکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کے حق میں اور اَزواجِ مطہرات اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کے وارد ہوئی ہیں اور نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی شان میں وارد ہوئی ہیں۔

”عَن اَبِیْ الدَّرْدَاءِ فِیْ قِصَّۃِ مُشَاجَرَۃٍ مَعَہٗ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ صَدَقَ وَوَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَھَلْ تَارِکُوْا لِیْ صَاحِبِیْ“ (بخاری، ص ۵۱۷، ج ۱)

ترجمہ: ”ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف بھیجا تم نے کہا جھوٹا ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا سچا ہے اور میری مدد کی اپنے جان و مال سے پس چھوڑ دو تم میرے لئے میرے ساتھی کو“۔

اور شیعہ کے نزدیک بھی اتباع عترت سے یہ مراد نہیں۔ کہ نعوذ باللہ اگر عترت مُضِل و گمراہ ہو تو بھی اطاعت کرو غرضیکہ عترت کی اطاعت مادامیکہ وہ مطیع کلام اللہ و سنت رسول اللہ ہوں ضرور ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ اہل سنت و جماعت تمام اہل بیت کے بہزار دل و جان محبت و تعظیم کرنے والے ہیں جتنی محبت اہل بیت کی ہو سکے فخر و عزت ہے غرضیکہ وہ کسی کے اہل بیت میں سے منکر نہیں جیسا کہ حضرات شیعہ ماسواء بارہ اِماموں کے اکثر عترت کو برائی سے یاد کر کے مخالف اس حدیث کے ہو گئے ہیں اور قرآن شریف کے باب میں جو کچھ ان صاحبوں نے کہا ہے قابلِ ذکر نہیں کوئی بیاض عثمانی کہتا ہے کوئی کمی بیشی تبدیل وتحریف کا قائل ہے۔ **لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه** (قرآن میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے) کو باور نہیں رکھتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کو امام مہدی کے ساتھ کہتے ہیں اور حدیث ثقلین کے الفاظ کو دھیان نہیں کرتے۔

سوال نوزدہم (۱۹) از جانب شیعہ

بعد انتقال پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور نیز اس زمانہ میں اہل سنت اس حکم کے پابند ہیں یا نہیں۔

جواب سوال نوزدہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک اہل سنت اس حکم کے غلام ہیں ہاں شیعہ نہیں یہی وجہ ہے کہ نہ کلام اللہ کی سنتے ہیں اور نہ اہل بیت کے فیوض باطنی سے بہرہ وَر ہیں یہ دولت بحمد اللہ نصیب اہل سنت ہوئی قرآن اور اہل بیت دونوں سے اپنی اپنی قسم کا فیض لیا اور دونوں کو ہاتھ سے نہ چھوڑا چونکہ تفصیل اس اجمال کی جواب سوال سوم مشار الیہا میں مرقوم ہے مکرر لکھنے کی حاجت نہیں۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

صحابہ اہل سنت متمسک بالقرآن اور محبِّ اہل بیت ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تمسک بالقرآن تو ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کسی کو جائے شک نہیں۔ جمع قرآن شریف اور پھیلانا اس کا اور تلاوت کا عمدہ انتظام اور تعلیم قرآن کے تمام اسباب صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں اور اسی پر آج تک اہل سنت قائم ہیں چنانچہ لاکھوں حافظ قرآن اور ہزاروں قاری اس زمانہ آخری تک میں کہ انتہائی کوتاہی کا (زمانہ) ہے موجود (ہیں)۔ اور تمسک بالعترت کا حال یہ ہے کہ خدمت ازواج مطہرات اور اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رشتہ داروں کی تعظیم وتکریم۔ اور توسل ان کے ساتھ اپنی دعاؤں میں اور درود بھیجنا ان پر اپنی نمازوں میں زمانہ صحابہ میں معمول ومروّج تھا اور شبہات اس باب میں اسلاف شیعہ نے نکالے اور آج تک ان کے متبعین انہیں خیالات کو دستاویز اپنے صحت مذہب کی گردانتے ہیں علماء اہل سنت نے چہ سلف اور چہ خلف جواب شافی دے کر بیخ وبنیاد ان شبہات کی اکھاڑ دی چنانچہ جو کچھ اس عجالہ میں مذکور ہے یہ بھی ایک دانہ اسی خرمن کا ہے اور اہل سنت آج تک محبت اہل بیت میں متبع اسی قاعدہ مستمرہ کے ہیں چنانچہ درود صلوٰۃ اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آل محمد معمول متواتر ہے اور مودت فی القربیٰ کو ضروریات سے جانتے ہیں۔

شیعہ عملاً ثقلین سے منحرف ہیں

مگر حضرات شیعہ ہدا ہم اللہ الی الصواب جو مدعی تمسک بالعترت ہیں ان کا حال کچھ تو جواب سابق میں تحریر ہوا اور کچھ یہاں معروض ہوتا ہے یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے لے کر تا تمامی آئمہ سب حضرات بظاہر طریق اہل سنت رکھتے تھے یعنی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الخصوص شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے مداح اور ثناء خواں رہے ہیں اور جن ناعاقبت

اندیشوں نے کوئی کلمہ بے ادبی کا بھی کہا اور ان کے سمع شریف تک اس کی خبر پہنچی تو نہایت منع فرمایا ہے شیعہ کے نزدیک یہ سب محمول تقیہ پر ہے جو ضروریات دین سے ہے ہمیں اس سے کام نہیں مقصود یہ ہے کہ ظاہر ان کا ایسا تھا اور باطن کی کیفیت اُن کی اللہ جانے کیا تھی ۔ کاملین اور اکابر کا حال ہم جیسے قاصر ہمت اور کوتاہ بینوں کو سوا استدلال آثار کے معلوم نہیں ہوسکتا اس لئے جب ان کے اَحوال پر نظر ہوتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زُہد اور تقویٰ اور اعراض دنیا اور ابناء دنیا سے اور تنفر تکلف اور تصنع سے اور گوشہ نشینی اور خلوت گزینی اور کثرت عبادات اور مدام ذکر خداوندی اور خشیت الٰہی اور کمال اظہار عبودیت جو بعینہ طریقہ ان کے جد اَمجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ بزرگوار اس کے نمونہ تھے اب ہم نے اپنے زمانہ کے شیعوں کا حال دیکھا ہے اور ان کے اسلاف کا سُنا ہے سوا اس کے کہ وظیفہ تبرا اور طعن و تشنیع اہل سنت کوئی اَمر ان اُمور میں ان پر غالب نہیں معلوم ہوتا۔

منصف انصاف کر کے فرمائیں کہ شیعوں کا دعویٰ اتباع کس وجہ سے درست ہے نہ طرزِ ظاہر ملتا ہے اور نہ وضع باطن پھر یہ دعویٰ سراسر دروغ بے فروغ ہے اور تمسک قرآن شریف کا تو یہ حال کہ اَوّل تو اس قرآنِ موجود کی نسبت عقیدہ ہی صاف نہیں اور اگر بہ سبب بعضے مصالح کے ان کے اسلاف نے اس کا پورا کلام اللہ ہونا بے تحریف

﴿شیعہ کا قرآن کو نقلی ۔ غیر اصلی اور محرف و بدلا ہوا ماننا ایک بنیادی عقیدہ ہے جو محتاج ثبوت نہیں اُصول کافی ج ۱، طباعت جدید ایران میں ص ۴۱۲ سے ص ۴۳۶ تک تحریف قرآن کا باب پھیلا ہوا ہے ۔ ترجمہ مقبول کے حواشی میں دَسیوں آیات کی لفظی تحریف کی نشان دہی کی گئی ہے شیعہ کے صرف چار مندرجہ ذیل علماء قرآن کو پورا اور بے تحریف مانتے ہیں ۔ الشیخ الصدوق ۔ والشریف المرتضیٰ ۔ الشیخ ابو جعفر الطوسی ۔ الشیخ ابو علی طبرسی صاحب مجمع البیان ۔ ۱۲ ۔ مہر محمد﴾ مان بھی لیا تب بھی خدمت قرآن یعنی اخذ کتاب اللہ سے علماً و عملاً محروم ہیں حافظ ہونا کسی کو نصیب نہیں اور قاری باوجود یکہ قراۃ فرض جانتے خال خال کوئی ہوتا

ہے اور عمل تو جیسا قرآن پر ہے شیعہ کے مجموعہ عقائد اور مسائل سے بخوبی واضح ہوتا ہے جس کا جی چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے علماء اہل سنت نے خاص کر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ (اثناءعشریہ) میں ایسے مطلب کو بہت اُچھی طرح ثابت کیا ہے کہ عقائد اور فقیہات میں یہ گروہ مخالف ثقلین ہے۔ فقط۔

سوال بستم (۲۰) از جانب شیعہ

عقبہ پر کون کون صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا کے لئے آئے تھے ان کے نام اور وجہ آنے کی بیان کیجئے اور یہ کہ وہ صحابی تھے یا نہیں؟

جواب سوال بستم (ارادہ قتل پیغمبر علیہ السلام کا صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہتان ہے)

عقبہ پر کوئی صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں گیا آپ تو بفضل الٰہی عاقل ہیں ایسا سوال مہمل جاہلانہ بھی کوئی کیا کرتا ہے اجی صاحب کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ صحابی معتقد باایمان کو کہتے ہیں سو آپ ہی فرمایئے اہل اعتقاد بھی کہیں اپنے بزرگوں کے قتل کا اِرادہ کرتے ہیں ورنہ یزیدیوں کو یہ گنجائش ہوگی کہ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا کرایا تو کیا! پر شمر اور یزید اور عبداللہ بن زیاد وغیرہ سب معتقدان بالاختصاص اور مریدان خاص تھے۔ ہاں میں بھی چوکا۔ شیعے باوجود اس دعویٰ محبت کے حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے خون کے پیاسے ہیں وہ خود نہ ملے تو ان کی نعشوں کی تصویروں کے ساتھ وہ کرتے جو سوا یزیدیوں کے اور کوئی نہ کرے۔

غرض کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہیں گیا نام کس کا بتایا جائے یہ کام منافقوں اور کافروں کا تھا باقی آپ کو اپنا مطلب پوچھنا منظور ہے تو جیسا آپ گومگو پوچھتے ہیں ہم بھی رَلا مِلا جواب دیتے ہیں پر اتنا فرق ہے کہ ہمارے رلاؤ کا تو یہ فائدہ ہے کہ ایک اعتراض کے ساتھ آپ کے سارے اعتراضات اور شیعوں کے سارے وَسوسوں کا جواب دیتا ہوں سو آپ ہی کہئے کہ کیسا اچھا رَلاؤ مِلاؤ ہے اور آپ کے گول مول کہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر ہم بہت چھان بین نہ کریں تو بروئے انصاف ہمارے

ذمہ اس سے زیادہ جواب دہی نہیں جتنی ہم کر چکے۔

خیر مطلب کی بات سُنیئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں کچھ آیتیں جواب اجمالی میں مرقوم ہوئیں اور ایک آیت جواب سوال نہم میں مرقوم ہوئی اور ان کا ترجمہ بھی بقدر ضرورت معروض ہو چکا اس کو دیکھئے اور پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایئے۔ تمہیں خدا کی قسم! کیا تمہارے خیال میں آ سکتا ہے کہ خدا کی اتنی تعریفوں کے بعد بھی شیخین کو یہ خیال باقی رہے اور اگر پھر بھی یہ بات متصور ہے تو یوں کہو تمہارے نزدیک نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب القتل اور خدا کے دشمن تھے جو ان کے دشمنوں کی اتنی لمبی چوڑی تعریفیں کی کہ العظمۃ للہ۔

جناب من! ہم تو فقط اس بھروسے پر کہ منشی شیخ احمد مولوی وجیہ الدین صاحب مرحوم کے فرزندِ ارجمند ہیں دیوبند کے رئیس زادے چال چلن کے اچھے راہ روش کے عمدہ۔ اگر کوئی یوں کہے کہ بلند شہر کے ڈاکہ میں شریک تھے تو تصدیق نہیں کر سکتے بلکہ دل و جان سے تکذیب کرتے ہیں آپ خدا کے بھروسے بھی اس بات کی تکذیب نہیں کرتے جو چند شیطانوں نے مِل کر آپ کے کان میں پھونک دی ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے بارہ منافقوں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برائی سے پیش آئیں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ وحذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو اس بھید سے آگاہی ہوئی انہوں نے اس وقت جا کر ان خبیث طینتوں کو دفع کیا اور شیخین کو اصحاب عقبہ میں شامل کرنا عین حماقت ہے کیونکہ نعوذ باللہ منہا اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بُرائی منظور ہوتی تو وہ غار میں یا عریشِ بدر کے روز کرتے اس وقت کیا کچھ موقع تھا اور اگر خدانخواستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دِل میں خرابی ہوتی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ مقتضائے "فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ ط وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ" (سورۃ محمد، آیت ۳۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دلی خرابی معلوم کر کے مثل اخبار دیگرِ منافقین کے

واشگاف فرما دیتے اور سب کو احتیاط کا حکم فرما دیتے اور خود بھی احتیاط بدرجہ کمال ہر وقت رکھتے حالانکہ برخلاف اس کے بہت سی آیات اور احادیث سے ان کے فضائل اور اتحاد حضرت سے کمال درجہ کا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کو وزیر فرمانا اور بہ سبب ان کے اسلام کے عزت اسلام کی سمجھنا اور لَوْ کَانَ نبی من بعدی لکان عمر فرمانا وغیر ذٰلک۔

پس جاننا چاہئے کہ جن لوگوں کو یہ رسوخیت اور یہ اتحاد ہو پھر وہ کیوں موقع ڈھونڈیں گے ان کے لئے تو ہر وقت موقع ہی تھا۔ وائے برافہام ناکسان ایسے متحدین (مُحِبّین) کی نسبت یہ تہمت اللہ سے ڈرنا چاہئے ان أخذہ الیم شدید۔

اس اتہام میں بصیرت نبوی پر حملہ اور آیت اظہارِ دین کا اِنکار ہے

ایسا الزام شیخین کی طرف نسبت کرنا دَر پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم فہمی ثابت کرنی ہے نعوذ باللہ منہا۔ کوئی شخص کیسا ہی بے وقوف ہو حتیٰ کہ وحوش و طیور جو حیوان مطلق ہیں وہ بھی اپنے دوست دشمن کو پہچانتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخین کی دوستی یا دشمنی کو نہ جانتے ہوں گے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوصف ان کی طبائع کو جان کر چشم پوشی فرماتے تھے تو گویا اپنی جان اور دیگر دوستوں کی جان کے حضرت دشمن گویا (معاذ اللہ) کفار کی تعظیم و تکریم اور اختلاط و محبت با دشمنانِ خدا رکھتے تھے اور یہ فعل اس آیت کے سراسر مخالف ہے۔

”هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ“ (سورۃ فتح، آیت ۲۸)

ترجمہ: ”وہی اللہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت دے کر اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے“۔

جب بزعم شیعہ کفار کے ساتھ خلا ملا ہوا تھا ہدایت و غلبۂ دین حق کا کہاں ہوا اور کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا کے بھی معارض ہوا کیونکہ بزعم امامیہ کفار و فجار کا عمل دخل رہا نعوذ باللہ من ھٰذہ العقیدۃ الفاسدۃ۔

شیخین کی برائی کرنے میں کچھ تو آگے پیچھے کی خبر رکھا کرو جاننا چاہئے کہ اوّل تو منافقین کی شناخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت مذکورہ سے ثابت ہو چکی اس کو بھی جانے دیجئے نعوذ باللہ منہا۔ کیا خدا کو اپنے حبیب خاص اور محبوبان دیگر سے عداوت تھی کہ وہ ان کے دشمن جان سے نہ آگاہ کر دیتا کیا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بار بار آنے میں تھکان ہوتا تھا یا کچھ حکم خداوندی میں عذر تھا سو اوّل بات کو تو ان کی قوت بازو کے حالات قطع کرتے ہیں اور دوسری بات کو آیت "**لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ**" (سورۃ التحریم، آیت ۶) "وہ فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور کر گذرتے ہیں جس کام کا اُن کو حکم دیا جاتا ہے"۔ قطع کرتی ہے۔

دوسرے یہ کہ جو آیت اس قصہ والوں کے حق میں نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا یہ تو سب اُمور سوائے منافقین کے اور کس کس کے لئے ہوئے بلکہ شیخین کے لکھو لکھا متبعین و معین ہوئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو بھی ہدایت کرے۔ آمین ثم آمین فقط۔

سوال بست (۲۱) و یکم و بست و دوم (۲۲) اَز جانب شیعہ

حضرت پیغمبر خدا نے ان لوگوں کے نام حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتلائے تھے یا نہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا یا نہیں کہ پیغمبر خدا نے میرا نام تو نہیں لیا۔ فقط۔

جواب سوال بست و یکم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ صاحب سر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو جو باتیں بعضے ان کو معلوم نہیں وہ کسی کو معلوم نہ تھیں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہ حضرت عمر نہ حضرت عثمان وغیرہم (رضی اللہ عنہم) کو اور اگر ان اصحاب کبار کو بھی وہ باتیں معلوم ہوں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دیر دیر کی نشست

برخاست سے جو بوجہ دوستی اور خلّت اسلامی جس پر احادیث صحیحہ شاہد ہیں یہ بات مترشح بھی ہوتی ہے۔تو پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے صاحب السر ہونے کے یہ معنٰی ہوں گے کہ وہ اپنے ہم قسم لوگوں میں اس بات میں ممتاز تھے بہر حال راز کی باتوں کو کوئی کیا جانے پھر وہ بھی میں اور آپ۔اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ ایمان کس کا نام ہے باقی یہ نام کا ایمان کس کام کا اور اگر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسماء منافقین اور سلاطین جور معلوم تھے پر آپ کو اس سے کیا مطلب ؟ آپ کو ان باتوں سے اپنے مطلب پنہانی کی اُمید رکھنی ایسی ہے جیسے بیل کے پیٹ سے مرغی کے اَنڈے کی اُمید۔

جواب سوال بست ودوم

علماء اور کاملین انجام سے خائف رہتے ہیں

ہم نے آج تک اپنی یاد میں کوئی روایت اس مضمون کی نہیں دیکھی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام تو نہیں لیا۔ پر پوچھ لیا ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قربان جانا چاہئے۔ایسا خدا کا خوف کس کو ہوگا جو یوں خدا کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے خاتمہ سے اندیشہ مند رہے۔جناب من! کلام اللہ میں سورۃ مؤمنون میں تو اَچھے بندوں کی تعریف میں یہ ارشاد ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ "(سورۂ مؤمنون،آیت ۵۷)

"جس کے معنی یہ ہیں تحقیق وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے ڈرتے ہیں"۔

پھر اس کے بعد ان کا انجام بیان فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ "

ترجمہ:"یعنی ایسے ہی لوگ خیرات میں دیر نہیں کرتے اور وہی لوگ خیرات کو

لے بھاگے''۔ادھر سورۃ فاطر میں ارشاد فرمایا ہے

''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (سورۃ الفاطر، آیت ۲۸)

جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا سے وہی ڈرتے ہیں جو خدا کے جاننے والے ہیں ۔علیٰ ہذا القیاس اور سارے کلام اللہ میں ایک جانہیں بیسیوں جا یہی باتیں ہیں سو حضرات شیعہ کی ہم نہیں کہتے سوا ان کے جس سے چاہئے پوچھ لیجئے ان باتوں کو بشہادت کلام اللہ منجملہ کمالات ایمانی ہی سمجھے گا ہاں شیعہ اگر خوف خدا کو کفر سمجھتے ہوں تو دُور نہیں ۔ ورنہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت ہی کی کیا قدر رہ جائے گی۔

بہرحال یہ بات تو اس قابل تھی کہ آپ نے زنار دلی کو توڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت کا احرام باندھتے ۔توبہ استغفر اللہ احرام نہیں صاحب زیارت کا سامان کرتے پر اُلٹے آپ تو منہ کے آئے مگر اَن کہیاں سنانے لگے سو اس کا جواب بجز اس شعر کے اور کیا دیا جائے۔شعر؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

غرض جواب تو بندہ نے عرض کیا آگے اس کی ضرورت نہیں۔یہ روایت صحیح ہے یا غلط بایں ہمہ اگر اسی کا شوق ہو تو مولانا محمد یعقوب صاحب۔مولانا سید احمد ،ملا احمد صاحبوں سے دریافت فرمالیں زیادہ سمع خراشی ہے۔

جواب ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

قصہ عقبہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ

بڑے افسوس کی بات ہے کہ سائل کو قصص تک کی بھی خبر نہیں علی الاٹکل زمین اور آسمان کے قلابے ملاتا ہے کہاں قصہ عقبہ اور کجا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علامت نفاق بتانا اور کجا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے باب میں دریافت

کرنا۔ قصہ عقبہ کا تو ذکر جواب بستم میں بہ تفصیل تمام مذکور ہے نہ اس بارے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو اسماءِ منافقین بتائے اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ ان سے اپنے باب میں پوچھا بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بطور قواعد کلیہ کے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو علامت نفاق کی فرمائی تھی تا کہ وہ معلوم کرلیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان سے اپنے لئے پوچھنا یہ کمال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خوف خدا اور کمال ایمان پر دلالت کرتا ہے **لِاَنَّ الْاِیْمَانَ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ** اور بدرجہ غایت تقویٰ و پرہیز گاری پر دلالت کرتا ہے کہ اگر حسب اتفاق کوئی مجھ میں برائی ہوگی بھی تو اس کے درپے اصلاح و استیصال کے ہوں گا گے یہ سائل کی فطرتیں ہیں کہ تین قصوں کا ایک قصہ بنا دیا تا کہ ناواقف دھوکے میں آجائے چنانچہ مدارج النبوۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں لکھا ہے اور اس کو قصہ عقبہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

وھکذا عبارۃ مدارج النبوۃ بالاختصار حذیفۃ الیمانی کنیت ابو عبداللہ از کبار صحابہ است صاحب سرِ رسول اللہ بود و نزد وی علم منافقین تعلیم کردہ بعد ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوراصفات نفاق دانانیدہ بود و اشخاص منافقاں و اسماء ایشاں را کہ کدام اند۔ و بود عمر کہ سوال میکرد اورا از حدیث فتنہ و سوال میکرد از علامات نفاق و میگویند کہ یک بارے پرسید عمر اَز حذیفہ آیا چیز یکوے بینی تو از علامات نفاق در من؟ گفت نمی بینم۔

ترجمہ: (مدارج النبوۃ کی عبارت مختصراً یہ ہے کہ حذیفہ یمانی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں حضور علیہ السلام کے راز دان تھے حضور علیہ السلام نے ان کو منافقین کا پتہ بتلایا تھا اور نفاق کی علامات جتلائی تھیں اور منافقین کے اشخاص اور ان کے نام بھی بتائے تھے کہ کون کون ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے فتنوں کی حدیث کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور نفاق کی علامات کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نفاق کی علامات میں سے کوئی میرے اندر بھی آپ پاتے ہیں؟ فرمایا میں آپ میں کوئی

علامت نفاق نہیں دیکھتا)

غور کرنے کا مقام ہے کہ سائل نے دھوکہ بازی کر کے کیا جوتی سے کان گانٹھے تھے پھر کیا ہوا۔ جاء الحق وزهق الباطل.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منافقین کے نام اور علامات کلیہ بتلائی تھیں

جاننا چاہئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منافقینِ عقبہ ہی کا نام نہیں بتایا بلکہ تمام منافقوں کے نام بتائے اور چند نشانیاں بطور کلیہ جیسے کہ حدیث میں منافق کی وارد ہوئی ہیں۔

"اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ وَ اِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ". (بخاری ص ۱۰، جِ ۱، مسلم ص ۵۶، ج ۱)

ترجمہ "منافق جب بولتا ہے جھوٹ کہتا ہے جب وعدہ کرتا ہے خلاف ورزی کرتا ہے اور جھگڑتا ہے تو گالی بکتا ہے جب امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔)

فرمائیں تا دم مرگ منافقین کو پہچان لیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان سے اپنے باب میں دریافت کرنا عین حقانیت و پاک طینتی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انہوں نے بطمع اصلاح اپنے حال کو دریافت کیا نہ بوجہ شبہ کیونکہ وہ لوگ بہ سبب کمال عرفان ذات باری کے باوجود ہزار ہا بشارت کے ہر وقت اسی شان بے نیازی سے لرزاں و ترساں رہتے تھے کہ مبادا کوئی خرابی نہانی خلاف مرضی ربانی ہم میں ایسی نہ ہو کہ جس سے انحطاط مرتبہ کا ہو جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی علامت نفاق کی نہ تھی اور بایں وجہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی قبول کی فقط۔ (یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی)۔

سوال بست سوم (۲۳) از جانب شیعہ (بسلسلہ حدیث قرطاس)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آخری وقت میں پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وصیت کرنے سے کیوں منع کیا۔

جواب سوال بست وسوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کرنے سے کہاں منع کیا ہے اوران کی کیا مقدور تھی جو منع کرتے اتنا طوفان بھی کہیں سُنا ہے پہلے تو آپ ہی فرمائیں کہ وہ وصیت ہی کب تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستورالعمل کے طور پر کچھ لکھوانا چاہا تھا چنانچہ یہ ارشاد "اَکْتُبُ لَکُمْ کِتَاباً لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ" اس پر شاہد ہے اس لئے کہ اس کا حاصل ما قبل سمیت یہ ہے کہ دوات قلم لاؤ ایسی کتاب لکھوا دوں جو تم پھر کبھی گمراہ نہ ہومگر اس وقت آپ کو مرض کی شدت تھی کسی نے یہ سمجھ کر کہ کتاب اللہ کے بعد بشہادت آیت "وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ" (سورۂ نحل، آیت۸۹) "اور ہم نے آپ پر کتاب اُتاری جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے"۔

اور نیز بدستاویز حدیث ثقلین جس کے الفاظ اور معنٰی جواب سوال سوم منجملہ سوالات اربعہ میں مرقوم ہے اور کس چیز کی حاجت ہے۔ یہ رائے دی کہ کیا حاجت ہے کہ ایسے وقت میں یہ تکلیف دی جاتی ہے آپ بوجہ کمال شفقت فرماتے ہیں بطور ایجاب نہیں فرماتے کسی نے امتثال ارشاد کو مقدم سمجھا آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی یہ بولے حسبنا کتاب اللّٰہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق ہوگئی

سو حضرت پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اسے برقرار رکھا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس رائے کو عمدہ سمجھا ورنہ حکم ایجابی ہوتا ہے۔ اور یہ رائے (نہ لکھوانے کی) ناپسند ہوتی تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تو بحکم سورۃ المائدہ کی آیت نمبر۶۷ "یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ" (اے رسول تبلیغ کیجئے ان اُمور کی جو آپ پر رب کی طرف سے نازل کئے گئے۔) ضرور اس کام کو کر کے چھوڑتے اور حضرت امیر دوات قلم لے آتے نافرمانوں کے زمرہ میں داخل نہ رہتے

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اتنے کہنے سے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹ سکتے ہیں نہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رستگاری متصور ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہم یہی کہیں گے سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی ہیں اس رفاقت پر تو خیال کرو کہ خدا کا خلاف کیا (بقول شیعہ) پر حضرت عمر کا خلاف نہ کیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اتنا پیارا ہو کہ اس کے سامنے خدا کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوں پھر تم کس منہ سے بُرا کہتے ہو۔ **استغفر اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

شاید یہ پیار اور محبت اس وجہ سے ہوگا کہ آخر کار داماد مرتضوی ہونے والے تھے۔

تقیہ کے عذر لنگ کا ازالہ

اکثر ایسے مقاموں میں اکثر حضرات شیعہ وہ عذر تقیہ۔ جس کو عذر گناہ بد تر از گناہ کہیے پیش کیا کرتے ہیں سو یہ ہار جانے کی باتیں ہیں، تقیہ کی رَد سے تو کلام اللہ بھرا ہے پر تقیہ کا اثبات کہیں نہیں دو چار دلیلیں تقیہ کے ابطال کی بہت بسط کے ساتھ ہدیۃ الشیعہ میں بھی موجود ہیں اگر طلب حق ہے تو دیکھنی لازم ہیں باقی بقدر ضرورت تو اَوراق گزشتہ میں بھی مذکور ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے تقیہ کیا تو کیا بشر تھے اگر چہ شیعوں کے طور پر خدا سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں اور کم بھی ہیں تو اتنے نہیں کہ تقیہ کی ضرورت ہو چنانچہ علم کی یہ وسعت علم **ما کان وما یکون** ہو کلینی اس پر شاہد ہے اور قدرت کی یہ زور کہ دَرِ خیبر چھوڑ آسمانوں کو ہلا ڈالیں پر یہ تو فرمایئے کہ خدا تعالیٰ نے بھی تقیہ ہی کیا جو چُپ چاپ ہو کے بیٹھ رہے۔ پھر خبر ہی نہ لی کہ ہمارا حکم اُمتِ محمدی کو پہنچایا نہیں۔ میں پوچھتا ہوں اگر حکم مشار الیہ پہنچ چکا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ گذارش ایسی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اَدب و آرام کی خاطر یہ کہا

جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں لفظ رسول اللہ کے مٹانے کو فرماتے تھے اور نہ مانا تمہیں کہو ایسے حکموں کا نہ ماننا بے اَدبی

ہے؟ یا عین اَدب۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ خدانخواستہ بوقت شدت بیماری آپ سے اس بات کی خواستگار ہوں کہ تمہارے کام میں ہی کروں گی تو گویا ان کا ارشاد بوجہ محبت سہی پر کیا آپ کی یہی سعادت مندی ہے کہ بے ضرورت ان سے کام لینے کو تیار ہوں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عرض کو بھی اسی قسم سے سمجھ لیتے تو کیا گناہ تھا بہت ہوگا تو اتنا ہوگا کہ ایک ممدوح خدا کی بات بنادی ﴿یعنی اچھی توجیہ کر کے اعتراض سے بچالیا۔ ۱۲۔ مہر محمد﴾ تم ہی کہو یہ بات بُری ہے یا بھلی اگر بُری ہے تو پھر اس کا کیا جواب کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ ایسے تھے تو خدا نے کس بھروسہ پر تعریف کی تھی اور کہا تھا۔ "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ الخ (سورۃ الفتح، آیت ۲۹)". "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ .الآیۃ (التوبہ، آیت ۱۰۰)". "الذين آمنوا وهاجروا الخ". "يوم لا يخزى الله النّبىّ الخ"۔

قلم دوات لانا گھر والوں کا کام تھا

ہاں اگر یہ معنٰی اور یہ احتمال اس احتمال سے عمدہ نہ ہو جب ہی کہو آپ ہی فرمائیں اَوّل تو وصیت کو اس سے کیا علاقہ اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعدی۔ پھر کئی روز حضرت بقید حیات رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیا اسی دَر کے دربان تھے جو نہ ٹلے اور گنجائش نہ ملی پھر بیمار کے خطاب تو اپنے تیمارداروں کی نسبت ہوا کرتے ہیں جو کار خدمت ہوا کرتے ہیں اہل وعیال کو کہا کرتے ہیں۔ آنے جانے والوں عیادت کرنے والوں کو کوئی نہیں کہا کرتا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کام تھا انہوں نے کیوں نہ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں ہی دیکھ کر ان کی پیروی کی سو اس میں کیا بُرائی ہے اگر حکم مذکور قبل ارشاد مذکور اعنی اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده. اُمت کو پہنچانہ تھا اور پھر بدستور بات وہ نہیں رہی ﴿یعنی اُمت ہدایت سے محروم ہوگئی۔ ۱۲۔ مہر محمد﴾ تو یہ دُور تک پہنچتی ہے تمہارے خیال کے موافق نہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ بچیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچیں نہ خود خداوند کریم سالم ہیں نعوذ باللہ من

ھذا المذھب۔ایسے مذہب پر کیا کہوں تم سمجھ جاؤ۔ اور اگر یہ وصیت ہی تھی اور وصیت بھی خلافت ہی کی اور آپ کو اس چھیڑ چھاڑ سے غرض یہی ہی ہے تو آپ کو یہ الہام کیونکر ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے وصیت تھی ہم کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے لکھواتے تھے چنانچہ حدیث "**ویابی اللّٰہ و یدفع المؤمنون**" جو سوال اوّل کے جواب میں مرقوم ہو چکی۔ اس پر شاہد ہے اس سے زیادہ تفصیل منظور ہو تو کچھ اوراق گذشتہ کو پلٹ کر مطالعہ فرمائیں یا ہدیۃ الشیعہ کو مطالعہ سے مشرف فرمائیں۔ پر غور کی حاجت ہے انصاف کی ضرورت ہے فہم و فراست بکار ہے ورنہ ہدیۃ الشیعہ کیا چیز ہے وحی آسمانی بھی بے کار ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

قرآن و سنت اور اہل بیت رضی اللہ عنہم سے شیعہ کی محرومی

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب وصیت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہاں منع کیا کچھ پتہ تو کیا ہوتا۔ رنج ہے کہ باوجود بزعم خود محبان عترت ہونے کے خدمت قرآن سے تو بدولت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محروم رہے اور اکثر اشخاص عترت سے بدولت عقیدہ فاسدہ ☸ کہ سادات و اہل بیت میں سے صرف بارہ کو قابل اتباع مانا اور پھر ان کے تقیہ کرنے کی وجہ سے ان کے فیوض سے محروم رہے اور آخری حجت خدا امام العصر تو ۱۲ رسو سال سے غائب ہیں اور شیعہ ان کی اتباع و ہدایت سے یکسر محروم ہیں قاضی نور اللہ شوستری نے "مجالس المؤمنین ص ۵۶۵ ج ا" میں شیعہ اہل بیت عترت کو کتے سے بھی بدتر کہا ہے تو بہ نقل کفر کفر نہ باشد **اِذَا الْعَلوِیُّ تَابَعَ نَاصَبِیًا. بِمَذْھَبِہٖ فَمَا ھُوَ مِنْ اَبِیْہٖ . وَکَانَ الْکَلْبُ خَیْرًا مِنْہُ طَبْعًا . لِاَنَّ الْکَلْبَ طَبْعُ اَبِیْہِ فِیْہٖ**۔"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد جب سُنی مذہب پر چلے تو وہ اپنے باپ کی نہیں۔ اس سے تو کتا مزاج کے لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ اس میں اپنے باپ کی عادت پائی جاتی ہے"۔ اپنے کے اور قرطاس آخری سے بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محروم رہے یہ ہی تین چیزیں ہدایت

کی تھیں انہیں سے محروم ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ ہو گئے۔ افسوس ہے کہ ان کے لئے کوئی صورت ہدایت کی نہ ہوئی وادی جہل میں ٹکراتے رہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کسی کی کیا خطاء خیالات خام کو مقتدیٰ و پیشوا بنانے کا یہی ثمرہ ہے ''وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ'' (پارہ ۲۱، سورۃ السجدہ، آیت ۱۴﴾

چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اکثر اُمور میں موافق وحی کے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ چند قصص سے معلوم ہوتا ہے اگر اس مقدمہ میں بھی دخیل ہو گئی تو کیا برا، کیا یہ رَدوحی نہیں ہے۔

اور اگر نہیں مانتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''اَتُخَلِّفُنِیْ فِی النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ (مسلم ص ۲۷۸ ج ۲، ترمذی ص ۲۱۴، ج ۲) (کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں جانشین بنا کر جا رہے ہیں) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ لے جانے پر کیوں فرمایا باوجود صدور حکم کے خاموش کیوں نہ رہے ﴿اہل سنت عیب جوئی اور خردہ گیری کی نیت سے کسی شخصیت کا مطالعہ نہیں کرتے ورنہ شیعی ذہن سے ذرا کام لیا جائے تو ان کے ممدوح آفاق اکابر بھی ایسے الزام سے بچ نہیں سکتے مجبوراً چند مثالوں کی طرف توجہ دِلائی جاتی ہے: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ لفظ رسول اللہ مٹا دو لیکن اُنہوں نے تعمیل نہ کی (قصہ حدیبیہ، عمدۃ البیان ص ۲۶۲، ج ۳)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ میرے ذمہ جو لوگوں کی امانتیں ہیں ادا کر کے میرے اہل بیت کو ہمراہ لے کر مدینہ آنا لیکن انہوں نے سرانجامی نہ کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث اور ابو رافع کو ۵۰۰ درہم اور دو اُونٹ دے کر مدینہ سے مکہ کو امانتیں ادا کرنے کی خاطر بھیجا اور عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اہل بیت کو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچے (شیعہ حضرات کی کتاب ''سیر الائمہ'' ص ۱۴، ۱۵، ج ۲)۔ (۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے فرمایا میں سفر کو جاتا ہوں میرے آنے تک جو تمہارا بیٹا ہونے والا ہے اسے دُودھ نہ دینا مگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی انتظار کی جب آپ تشریف نہ لائے تو حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کو دُودھ دے دیا آپ ہی بتلائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہوئی یا نہ (جلاء العیون شیعہ)۔۱۲۔مہر محمد۔(۴) حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ اے حسن و حسین! **لا تخلوھا ما بقیتم.** یعنی جب تک تم زندہ رہو مکہ معظمہ سے نہ نکلنا (نہج البلاغہ ص ۴۲) کیا آپ نے مکہ کو خالی کر کے شہید ہو کر اپنے والد کے ارشاد کی تعمیل کی؟۔۱۲۔مہر محمد

اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض مصلحت و دفع مشقت اُمتیوں کی بمشورہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نو بار کیوں حکم الٰہی نماز) میں ردّ بدل رکھا اگر ایسے اُمور خدانخواستہ رَدّ وحی ہوتے تو معاذ اللہ اَنبیاء علیہم السلام سب سے اَوّل اس گناہ میں شامل ہوتے ۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمانا بہ خیال رفاقت اور آرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا جیسا کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسبب شفقت و محبت اُمت مذنبہ کے کیا۔

سوال بست و چہارم (۲۴) اَز جانب شیعہ

بیمار پر آخری وقت میں وصیت کرنی واجب ہے یا نہیں اور خصوص پیغمبر خدا پر؟

جواب سوال بست و چہارم

بیمار کے ذمہ پر کسی کا لینا دینا ہو تو وصیت واجب ہے نہیں تو نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ تھا ہی نہیں جو وصیت فرماتے اور جو کچھ تھا اس کی نسبت سُنا دیا:

(۱) نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَآءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ (بخاری ص ۹۹۶ ج ۲، ابوداؤد ص ۵۶ ج ۲، ترمذی ص ۱۹۴، ج ۱)

ترجمہ: ''ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ صدقہ بن جاتا ہے''۔

باقی در بارہ دین بہت سی وصیتیں فرما گئے ہیں منجملہ یہ بھی ہیں:

(۲) اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ'' (ترمذی

ص ۲۰۷، ج ۲، ازالة الخفاء ص ۸۹ ج ۱، بحواله مستدرک حاکم)

ترجمہ: ''میرے بعد دو شخصوں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کرنا''۔

(۳) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاء الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (ابو داوٗد ص ۲۸۷ ج ۲، باب فی لزوم السنة ترمذی ص ۹۲ ج ۲)

ترجمہ: ''تم پر لازم ہے کہ میری سنت پکڑو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی''۔

(۴) اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ الخ (مسلم ص ۲۸۰ ج ۲)

ترجمہ: ''میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں''۔

(۵) لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدًا. (مسلم ص ۲۰۱ ج ۱، بخاری ص ۶۲ ج ۱)

ترجمہ: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا''۔

جواب ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

تفسیر مدارک (سورۃ بقرہ کی آیت وصیت) میں ہے

'' (كُتِبَ) فُرِضَ (عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ) اَیْ اِذَا دَنَامِنْهُ فَظَهَرَتْ اَمَارَتُهٗ (اِنْ تَرَکَ خَيْرًا) مَا لاً كَثِيْرًا لِمَا رُوِیَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ مَوْلٰی لَهٗ اَرَادَ اَنْ يُّوْصِیَ وَلَهٗ سَبْعُمَائِةٍ فَمَنَعَهٗ وَقَالَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : اِنْ تَرَکَ خَيْرًا وَالْخَيْرُ هُوَ الْمَال الْكَثِيْرُ وَلَيْسَ لَکَ مَالٌ وَفَاعِلٌ كُتِبَ (اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ) وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ فِیْ بَدءِ الْاِسْلَام فَنُسِخَتْ بِاٰيَة الْمَوَارِيْثِ كَمَا بَيَّنَّاه فِیْ شَرْحِ الْمَنارِ، وَقِيْلَ هِیَ غَيْرُ مَنْسُوْخَةٍ لِاَنَّهَا نَزَلَتْ فِیْ حَقِّ مَنْ لَيْسَ بِوَارِثٍ بِسَبَبِ الْكُفْرِ لِاَنَّهُمْ كَانُوْا حَدِيْثِیْ عَهْدٍ

بِالْاِسْلَامِ يُسْلِمُ الرَّجُلُ وَلَا يُسْلِمُ اَبَوَاهُ وَقَرَائِبُهُ وَالْاِسْلَامُ قَطَعَ الْاِرْثَ فَشُرِعَتِ الْوَصِيَّةُ فِيْمَا بَيْنَهُمْ قَضَاءً لِحَقِّ الْقَرَابَةِ نُدْبًا وَعَلٰى هٰذَا لَا يُرَادُ بِكُتِبَ فُرِضَ. (تفسیر مدارک ص۹۲، ج۱)

ترجمہ: ''یعنی تمہارے اُوپر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور نشانیاں ظاہر ہو جائیں اگر وہ مال چھوڑے (یعنی) مال بہت کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے آزاد کردہ غلام نے وصیت کا اِرادہ کیا کہ ۷۰۰ درہم اس کے پاس تھے تو آپ نے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ وہ بہت مال چھوڑ کر مرے (تب وصیت کرے) تیرا مال زیادہ نہیں کتب کا فاعل الوصیہ ہے۔ کہ فرض کی گئی ہے ماں باپ کے لئے اور رشتہ داروں کیلئے۔ وصیت۔ ابتدائے اسلام میں (لازم) تھی تو آیت وراثت سے منسوخ ہوگئی جیسا کہ ہم نے شرح منار میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے حق میں اُتری جن کا کفر کی وجہ سے کوئی وارث نہ بن سکتا تھا۔ کیونکہ وہ نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے ایک شخص مسلمان ہوتا تو اس کا باپ یا رشتہ دار مسلمان نہ ہوتے اور اسلام نے ان کو وراثت سے محروم کر دیا تو وصیت اسی دوران جائز کر دی گئی تا کہ بطور استحباب رشتہ داری کا حق ادا کیا جائے اس صورت میں کتب سے فُرِضَ (فرض کیا گیا ہے) مراد نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ وصیت مال کثیر میں جاری ہوتی ہے اوّل تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال ہی کہاں تھا اور پھر کثرت کی بھی شرط۔ **اذا فات الشرط فات المشروط** ۔ اور بایں ہمہ ہم یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواہ مال قلیل تھا یا کثیر اس کو تو وہ صدقہ کر ہی چکے تھے چنانچہ **نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ** سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے بایں وجہ مدعی کا دعویٰ وراثت بھی غلط اور وصیت بھی کس جگہ جاری ہو۔

حضور علیہ السلام کی متروکہ اشیاء

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ چند اشیاء چھوڑی ہیں جو اس حدیث

سے ثابت ہوتی ہیں:

"مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عِنْدَ مَوْتِهٖ دِرْهَمًا وَلَا دِیْنَارًا وَلَا عَبْدًا وَلَا اَمَةً وَلَا شَیْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَیْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً" (بخاری ص۳۸۲ ج۱)

ترجمہ: "حضور علیہ السلام نے موت کے وقت نہ درہم چھوڑا نہ غلام باندی چھوڑی اور نہ کوئی اور چیز بجز سفید خچر کے اور ہتھیاروں کے اور وہ زمین جو صدقہ کر دی تھی"۔

(حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی)

اور وصیت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ تو کسی طرح ثابت نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"مَتٰی اَوْصٰی اِلَیْهِ وَقَدْ کُنْتُ مُسْنِدَتَهٗ اِلٰی صَدْرِیْ اَوْ قَالَتْ حَجْرِیْ فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدْ اِنْخَنَثَ فِیْ حَجْرِیْ فَمَا شَعُرْتُ اَنَّهٗ قَدْ مَاتَ فَمَتٰی اَوْصٰی اِلَیْهِ. (بخاری ص۳۸۲ ج۱)

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام آپ نے کب وصیت کی حالانکہ آپ میرے سینے کے ساتھ یا میری گود میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے ایک تھال پانی کا منگایا تھا آپ کی رُوح مبارک میری گود میں قبض ہوئی۔ مجھے پتہ نہ چلا آپ وفات پا گئے تو کب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی"۔

خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت کا پتہ بھی نہیں ہاں دو تین باتیں بطور وصیت عامہ فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔ دوسرے یہ کہ جو جماعت وفود کی تمہارے پاس آئے اس کی خاطر داشت کرنا اور جائزہ سے پیش آنا جیسے میں پیش آتا تھا۔ تیسری وصیت راوی سے فراموش ہوگئی غالباً وہ تجہیز جیش اسامہ تھی ہاں بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عیدالاضحیٰ میں ہر سال اضحیہ کا فرمایا کہ تم میری طرف سے کر دیا کرو چنانچہ امیر المؤمنین تا دمِ زیست اس پر قائم رہے اگر کوئی اور بھی وصیت در باب خلافت ہوتی تو کیا ایسی بڑی وصیت کو چھوڑ دیتے اور بروقت

خلافت شیخین مدعی نہ ہوتے یہ بات ان کی علوظرفی اور بلند ہمتی سے بعید ہے کیا حدیث مَنْ قُتِلَ دُوْنَ حَقِّہٖ فَھُوَ شَہِیْدٌ بھی یاد نہ ہوگی۔

سوال بست وپنجم (۱۵) از جانب شیعہ

اس وصیت کی تحریر نہ ہونے سے اسلام میں رخنہ واقع ہوا یا نہیں۔

جواب سوال بست وپنجم

(عدم تحریر سے اسلام رخنہ نہ پڑا ہاں مذہب شیعہ مردود ثابت ہوا)

اَوّل تو اِرشاد مشار الیہ یعنی **اکتُب لکم کتابا لن تضلوا بعدی** وصیت نہیں۔ اور دربادہ دین وصیت کہئے تو کچھ رخنہ نہیں پڑا ہاں کلام اللہ باقی نہ رہتا یعنی سنی یاد نہ کرتے اور شیعوں کی طرح اس کے عوض مرثیہ کتاب سوز نوحہ مقرر کر لیتے تو اَلبتہ دین میں رخنہ پڑ جاتا کتاب مفصل کے ہوتے کتاب مجمل کی کچھ ضرورت نہیں ہاں یہ کہئے شیعہ بگڑ گئے مگر جیسے احول (بھینگے) کو ایک کے دو نظر آتے ہیں اور وقت ہجوم استفراغ لڈو پیڑے بھی نہیں بھاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایسی اَچھی بات جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر سب کو پسند چنانچہ عرض کر چکا ہوں شیعوں کو بُری لگتی ہے سو یہ اُن کا قصور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصور اور وصیت کے نہ لکھنے کا قصور نہیں جیسے احول کا قصور ہے اس شے کا قصور نہیں مرد بیمار کا قصور ہے لڈو پیڑوں کا قصور نہیں۔ یہاں بھی شیعوں کی آنکھوں کا قصور ہے اور ذوق وفہم کا فتور نہ دین میں رخنہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کچھ گناہ غرض جیسے یہاں لڈو پیڑوں میں کچھ رخنہ نہیں پڑا وہاں دین میں کچھ رخنہ نہیں پڑا۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

سنیوں کے اسلام میں تو کچھ رخنہ واقع نہیں ہوا مگر ہاں جو تحریر ہو جاتی تو آلہ ہدایت کا شیعوں کے بھی ہاتھ آ جاتا یوں چوہے کی طرح کورے گھڑے میں نہ رہ جاتے

اے حضرات امامیہ قرطاس وصیت نہ ہونے پر اتنے کیوں بگڑتے ہو سنیان سلمہم اللہ تعالیٰ کو اس وصیت قرطاس کی حاجت بعد واقعہ غدیر کیا تھی جنہوں نے بزعم شیعہ ہزاروں کے سامنے کی بات کو چھپا لیا ان سے ایک کاغذ کا خلاف نہ ہوسکتا نعوذ باللّٰہ من ھذہ الھفوات۔

اور اس وصیت کی تحریر کے نہ رخنہ انداز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام احمد سے روایت ہے:

"عَنْ سَفِیْنَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَقُوْلُ اَلْخِلَافَۃُ ثَلاثُوْنَ عَامًا ثُمَّ یَکُوْنُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَلْمُلْکُ" (مسند احمد ص ۲۲۰ ج ۵، ترمذی ص ۴۵ ج ۲)

ترجمہ: "حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرماتے ہیں خلافت تیس سال ہوگی اس کے بعد حکومت ہوگی"۔

فرمایا علماء ہمارے نے کہ تیس برس تک خلافت خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اور امام حسن تھی اور بعض بعض روایات میں ثم یکون ملکا جبریۃ ہے۔ ﴿اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ تیس سال تک ہوگی اور یہ بھی خلفاء کے ذاتی مناقب وفضائل کی حیثیت سے ورنہ رعایا میں امن وامان اور استحکام خلافت کے لحاظ سے ۲۵ برس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک رہی پھر فتن کا دور شروع ہوگیا۔ مگر اس کے بعد جو خلافت ہوگی اس میں ملوکیت کی آمیزش بھی ہوگی اور وہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوۃ سے کم درجہ ہوگی۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی نہ تھی۔ مطلق العنان بادشاہت اور حکومت تھی کیونکہ بعض دفعہ مرتبہ کمال کی نفی کو اَصل چیز کی نفی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے احادیث میں آتا ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے نہیں ہوتی، اور بے امانت آدمی کا کوئی اِیمان نہیں ہوتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی خلافت عادلہ کے سلسلہ میں مرفوع احادیث بھی آئی ہیں چند یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ ھَادِیًا مَّھْدِیًّا وَّاھْدِبِہٖ ھذا حدیث حسن" (ترمذی ص ۲۲۵ ج ۲)

ترجمہ: ''اے اللہ معاویہ کو ہدایت کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا اور اس سے لوگوں کو ہدایت دے''۔

''اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَمَكِّنْ لَهُ فِي الْبِلَادِ '' (طبرانی مجمع الزوائد ص ۳۵٦ ج ۹)

''اے اللہ! اسے کتاب اللہ اور حساب (سمجھ) سکھا اور اسے شہروں میں اقتدار عطاء کر''

'' يَامُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ وفی روایة اِذَا مَلَكْتَ فَاَحْسِنْ '' (تطهير الجنان ص ۱۵)

ترجمہ: ''اے معاویہ اگر تو حاکم بن جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل کرنا اور ایک روایت میں ہے کہ جب تو بادشاہ بنے تو عمدہ سلوک کرنا''۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرفوع حدیث یہ ہے کہ اُمت کے انتظام کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا پھر خلافت اور رحمت ہوگی پھر سرداری اور رحمت ہوگی پھر اس کو کاٹ کھانے کے لئے قبیلہ حمیر کی طرح بادشاہ لڑیں گے تم پر اس وقت جہاد ضروری ہوگا (رواہ الطبرانی رجالہ ثقات) تطہیر الجنان ص ۱٦)

اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بادشاہی اور حکومت، صاف، عادلہ اور ظلم سے پاک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''ازالۃ الخفاء ص ۱۷۵ ج ۱'' پر رقم طراز ہیں: ''تنبیہ باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اُصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلۃ جلیلۃ در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار درحق او سوءِ ظن نکنی و در ورطہ سبب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی۔ (بحوالہ عدالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ص ۳۱۹، مؤلفہ مہر محمد میانوالوی)۔ ''معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محترم اور بڑے صاحب فضیلت صحابی تھے اور صحابہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے کبھی ان کے حق میں بدظنی نہ رکھنا اور آپ کی بدگوئی کے ورطہ ضلالت میں نہ پڑنا تا کہ حرام کار کے ارتکاب سے بچ سکو۔۱۲۔ مہر محمد'' معلوم ہوا کہ بالفرض اگر حضرت لکھ بھی دیتے تو کیا ہوتا بعد خلافت کے ملک جبریت کا تو ظہور ہونا ہی تھا کہ جس

کی خبر اتنی مدت پیشتر حضرت نے بطور پیشین گوئی فرمائی غرضیکہ نہ لکھے جانے سے بھی جب تک خداوند تعالیٰ نے چاہا بات بنی رہی سب باہم شیر وشکر کی طرح ملے رہے اور جب کسی قسم کا فتنہ اور فساد منظور ہوا صدہا آیات قرآنی اور احادیث رسول سبحانی درباب اتحاد و ایتلاف فی ما بین کے رکھے رہ گئے ایک وصیت بے چاری کیا بگاڑ کرتی۔

سوال بست وششم (۲۶) از جانب شیعہ

شیخین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جیش اُسامہ سے تخلف کیا یا نہیں باوجود تاکیدات سخت پیغمبر خدا کے۔

جواب سوال بست وششم

نہ شیخین رضی اللہ عنہما حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سو شیخین کے نہ جانے کی آپ کو وجہ چاہیے وہ ہم سے وجہ لیجئے پر پہلے یہ آیت سُن لیجئے:

" اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ. اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (سورۃ النور، آیت ۶۲)

ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن وہی ہیں جو اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور جب کسی ہنگامہ میں اس کے ساتھ ہوں تو جب تک اجازت نہ لیں ٹلتے نہیں سو اگر وہ لوگ اپنے کسی کام کے لئے اجازت مانگیں تو جسے چاہو اجازت دے دو اور ان کے لئے اللہ سے دُعائے مغفرت کرو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

اس آیت میں اوّل تو ان لوگوں کی تعریف ہے جو بے اجازت ٹلتے نہیں پھر تعریف بھی کیسی کہ سوا ان کے کوئی مؤمن ہی نہیں اس کے بعد خداوند کریم اپنے رسول سے ان کی سفارش کرتا ہے اجازت کی جدا اور استغفار کی جدا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے اجازت لی

اب ہماری یہ غرض ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی معیت میں تقصیر نہیں کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اجازت لی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اجازت کا لینا صاف حدیثوں میں موجود ہے اس پر اپنے لئے اجازت کو قیاس کیجئے آخر اِتنا تو آپ بھی سمجھے ہوں گے کہ اگر رنگرول اور دھینگا دھینگی ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اجازت ہی کی کیا ضرورت تھی خلیفہ ہو کر اجازت مانگنا اطاعت اُسامہ رضی اللہ عنہ پر جتنا دلالت کرتا ہے اتنا تعزیہ بنانا حُب اہل بیت پر دلالت نہیں کرتا مرثیہ پڑھنا سُننا غم حسین رضی اللہ عنہ کی خبر نہیں دیتا پھر جس شخص کو باوجود اس دبدبہ خلافت کے کہ (اس میں) حضرت امیر جیسے شیر خدا کو بھی تقیہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت اس قدر منظور ہو اس نے اپنے واسطے بھی ضرور ہی اجازت لے لی ہوگی (تحفہ اثناء عشریہ ص ۴۱۸، مترجم اُردو)

بعد ازیں یہ گذارش ہے کہ آپ کو اجازت لینے میں کلام ہے تو اس کا جواب تو بحوالہ احادیث مرقوم ہو چکا اگر جوازِ طلب اجازت میں گفتگو ہے تو اس کے لئے خداوند کریم گواہ ہیں ابھی آیت سورۃ النور سُنا چکا ہوں اور اگر اس میں خلجان ہے کہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے کیوں اجازت دی تو اوّل یہ اعتراض شیخین پر نہیں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ پر ہے معہٰذا حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا اتباع کیا جس کیلئے عالم بالا سے ارشاد ہوا ادھر درگاہوں سے پروانہ آ چکا تھا۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ حاکم بالا دست اگر کسی ملازم کو ایک کام کیلئے نوکری بولے اور پھر اس کام کو آپ ہی منسوخ کر دے اور اس کی جگہ دوسرے کام سپرد کر دے تو کیا پھر بھی وہ نوکر

بوجہ تعمیل نہ کرنے حکم اَوّل کے مستوجب عتاب رہے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھئے آخر اَیامِ حیات میں ابوبکر کو اِمامت نماز پر مامور فرمایا اَوّل تو (یہ) جواب عام فہم بھی بہت ہے دوسرے بشہادت جواب سوال اَوّل (یعنی) بہ تقرر اِمامت نماز اِمامت کبریٰ کا تقرر تھا جس کو خلافت کہتے ہیں اب اس غلام خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی خدمت میں اور سوائے آپ کے جو صاحب اہل انصاف ہوں ان کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ آخر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو زیر حکم ہی تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایسی طرح اپنا قائم مقام کیا کہ صاف کہنے سے بڑھ کر چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ ''فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا'' اس کے اثبات کے لئے پیش کی تھی ۔ اب فرمایئے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ زیر حکم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہو گئے یا ہنوز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہی زیر حکم اُسامہ رضی اللہ عنہ رہے آپ ہی فرمایئے اگر اطلاق نویس وغیرہ ملازمان محکمہ تحصیل جو زیر حکم پیش کار رہتے ہیں قائم مقام تحصیل دار ہو جائے اور ہوئے جاتے ہیں سب کے نصیب ایسے ہی نہیں ہوتے جیسے کسی کم نصیبوں کے نصیب تو کیا اب بھی وہ اطلاق نویس زیر حکم حضرت پیش کار ہی رہا؟

شیخ صاحب! جب یہ باتیں تو تمہارے آپ سے سمجھ لینے کی تھیں۔ ہائے افسوس آپ ہم سے پوچھتے ہیں اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے اجازت لینی بھی بہ تقاضائے اَدب ظاہر اَمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی ورنہ حاجت نہ تھی دیکھئے جواب ایسے ہوا کرتے ہیں:

جواب ثانی اَز مولوی عبداللہ صاحب

جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کا اصل واقعہ

جب اصل اس قصہ کی معلوم ہو جائے گی تو یہ تخلف کا خدشہ رفع ہو جائے گا اصل یہ ہے ۔ ۲۶ صفر (۱۱ ھ) روز شنبہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی تیاری کا حکم

بقتال رُومیوں کے صادر فرمایا اور بروز سہ شنبہ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سردار لشکر کا بنایا اور چار شنبہ کو مرض حضرت کو لاحق ہوا اور روز پنج شنبہ کو باوجود علالت طبع شریف اپنے ہاتھ سے ایک نشان بنا کر اُسامہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے بریدہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نشان بردار بنایا اور وہ نشان ان کے سپرد کر دیا اور موضع جُرف میں بانتظار اجتماع لشکر کے قیام کیا اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور عثمان اور سعد بن ابی وقاص اور ابوعبیدہ بن الجراح اور سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان وسلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہم نے اپنا سب سامان بمقام جُرف بھیج دیا تھا اور خود چلنے پر تیار تھے کہ آخر روزِ چار شنبہ، اَوّل شب پنج شنبہ حضرت کا مرض بڑھ گیا اور وقت عشاء شب پنج شنبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نماز پڑھانے کا بنایا چونکہ روز شنبہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرے افاقہ ہو گیا جو لوگ کہ باہمراہی اُسامہ رضی اللہ عنہ کے متعین ہوئے تھے (اُنہوں نے) رخصت چاہی پھر دوبارہ شدت مرض نے عود کیا حتیٰ کہ جُرف میں اُسامہ رضی اللہ عنہ کو حالت نزع کی خبر پہنچی بمجرد استماع اس خبر کے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ افتاں وخیزاں ﴿جیش اُسامہ کے سلسلے میں شیعہ نے ایک ظلم عظیم یہ بھی کیا کہ حضور علیہ السلام کی نیک نیتی اور جذبہ جہاد پر (نفاق کا) بدترین اِلزام لگایا ملاحظہ ہو۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اُسامہ رضی اللہ عنہ کو اور اس جماعت (چار ہزار مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم) کو محاذ جنگ پر بھیجنے سے یہ تھی کہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی منافق مدینہ میں نہ رہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اہتمام اس لشکر کے روانہ کرنے میں کرتے تھے اور ان کو خوب ترغیب اور شوق دِلاتے تھے کہ اچانک آپ (مرض) وفات میں بیمار ہو گئے جب منافقوں نے حضور کی بیماری دیکھی تو باہر جانے میں دیر لگائی''۔ (حیات القلوب ص ۵۵۹ ج ۲، جلاء العیون ص ۳۹ منتہی الآمال ص ۱۰۲، ج ۱۔ ۱۲۔ مہر محمد﴾ حضرت کے پاس آئے اور نشان دروازہ حجرہ مبارک پر نصب کر دیا ہر گاہ کہ دفن سے فارغ ہوئے اور اَمر خلافت کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر قرار

پایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی دَم روانگی جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کا حکم فرمایا جب وہ جُرف تک پہنچے بہ سبب انتقال حضرت کے بعض قبائل مرتد ہو گئے بعض اصحاب نے حضرت خلیفۂ اَوّل کو یہ رائے دی'' درصورتیکہ بغل میں دشمن پیدا ہو گئے ہیں لشکر سنگین کا دُور دَراز بھیجنا خلافِ مصلحت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مدینہ میں درندے میرا لقمہ کرلیں تو بھی میں خلاف فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کروں گا۔ یعنی جیش اُسامہ رضی اللہ عنہ کو نہ واپس کروں گا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باجازت اُسامہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بُلا لیا اور غرہ ربیع الثانی کو اُسامہ رضی اللہ عنہ نے بسوئے اپنی کہ ایک مقام ہے کوچ کیا۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے طعن تخلف کا ازالہ

اب جاننا چاہئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اس بات کا طعن ہے کہ وہ حسب فرمودہ حضرت تیار نہ ہوئے تو یہ بھی سب غلط ہے کیونکہ وہ سب سامان جُرف میں بھیج چکے تھے۔

اور اگر ان کی طرف یہ اعتراض ہے کہ بعد وفات کے انہوں نے تجہیز جیش نہ کی تو یہ بھی صریح غلط ہے کیونکہ بسبب اِرتداد قبائل عرب کے بعض اصحاب کی تو یہ رائے ہی ہو گئی تھی پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تسلیم نہ کر کے اسی دم لشکر کو روانہ کیا اور اگر اعتراض حضرت ابوبکر کی طرف تخلف جیش کا ہے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ تخلف ان کا بامر الرسول بخلافۃ الصلوٰت تھا کیونکہ ایک اَمر دوسرے سے ماقبل کا ناسخ ہوتا ہے اور یہاں دونوں اَمروں کا تقدم و تاخر واضح ہو چکا ہے۔

اور بعد وفات کے اس وجہ سے تشریف نہ لے گئے کہ تمام اُمت کے اُمور کے متولی ہو گئے تھے اگر ان کو چھوڑ کر وہاں تشریف لے جاتے تو اَوّل تو قبائل عرب مرتدین کے اژدہام کا خوف دوسرے اَمر خلافت میں رخنہ پڑے تیسرے یہ کہ کوئی متحیز یعنی جان پناہ بنا رہے تا کہ دفعتہً واحدۃً استیصال دین کا نہ ہو اور دار السلطنت بالکل خالی نہ ہو جائے۔

سوال بست و ہفتم (۲۷) از جانب شیعہ (سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب)

شیخین اور دیگر صحابہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بن ساعدہ میں واسطے قرار دادِ اَمر خلافت کے چلے گئے یا نہیں؟

جواب سوال بست و ہفتم (خلافت کا بوجھ اُٹھانا کارِ نبوت کی تعمیل تھی)

شیخین کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا بہ غرضِ نفسانی نہ تھا جو آپ اتنا بُرا مانتے ہیں وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام تھا تجہیز و تکفین میں حضرت وہ بات نہیں جو سقیفہ بنی ساعدہ کے جانے میں پر جیسے کہا کرتے ہیں، دیکھنے کو چشم بینا چاہئے ایسی باتوں کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں عقل صائب ذہن رسا چاہئے مگر ہر چہ بادا باد ہم کو آپ کو سمجھانا ہے۔ ان شاء اللہ بال کی بلی بنا کر دِکھاتے ہیں تو اس پر بھی آپ (نہ) دیکھیں تو ہماری قسمت اوقات کھوئے قلم گھسایا کاغذ سیاہ کیا اُنگلیاں تھکائیں اور پھر وہی مُرغے کی ایک ٹانگ قائم! یہ کیا بات ہے۔ منشی شیخ احمد صاحب مرد ہوشیار ہیں کہہ تو سہی سمجھ جائیں گے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

منشی صاحب آپ سُنئے کچہری میں نوکری کر آئے ہیں کچہری کی بات آپ خوب سمجھیں گے ایک سرکار کے بہت سے کارخانے (محکمے) ہوتے ہیں پھر ہر کارخانے میں مختلف کام ہوتے ہیں۔ ہر کام پر ایک جدا نوکر ہوتا ہے دیکھئے کلکٹری کا کارخانہ بھی سرکار ہی کا ہے فوجداری کا کارخانہ بھی سرکار ہی کا ہے۔ عدالت کا، اسٹام کا، ڈاک کا، نہر کا، ایک ہو تو گنواؤں سب کارخانے سرکار اِنگلشیہ ہی کے ہیں پھر ہر کارخانے میں دیکھئے کیا کیا کام ہیں ایک کارخانہ میں کوئی تحصیل دار ہے کوئی پیشکار، کوئی پٹواری، کوئی خزانچی، کوئی کچھ کوئی کچھ یہاں تک کہ ایک سڑ یسی آسامی محرر آمد محصول منشیات بھی ہے۔ غرض مختلف کام ہیں ہر کام پر ایک ایک جُدا ملازم تعینات ہیں ہاں کوئی معزز کام

ہے ہلکا، سوایسا ہی تجہیز وتکفین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے اور نہلانا اور نمازِ جنازہ بھی آپ ہی کا کام ہے قبر کھودنی بھی آپ ہی کا کام ہے اِمامت نماز بھی آپ ہی کا کام ہے اِنتظام خلافت بھی آپ ہی کا کام ہے اس میں گھٹ کر تو قبر کنی ہے اور بڑھ کر امامت نماز اور انتظام خلافت۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو تجہیز وتکفین کو سنبھالا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا انتظام کیا اس میں تقدیر سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو لوگوں نے گھیر لیا اور خلیفہ بنالیا اس میں ان کا کیا قصور وہ بے چارے تو بہت کچھ ٹالتے رہے پر ان کے ہوتے کوئی نظروں ہی میں نہ جچا۔ اس کی ایسی مثال ہے کسی بادشاہ پر کسی غنیم نے تلوار چلائی سپاہی کوئی حاضر نہ تھا رعیت کے ایک آدمی نے بنظر خیر خواہی وہ وار اپنے سر پر لیا اور پھر غنیم کا سر قلم کیا۔ بادشاہ قدر شناس تھے اس خدمت کے انعام میں منصب سپہ سالاری پر اسے مامور کردیا۔ دیکھئے اس شخص کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ میں اور سپہ سالار ہوں گا پر تقدیر کی الٹا پلٹی نے کہاں سے کہاں پہنچایا ظاہر میں خدمت مذکورہ بالا بہانہ ہوگیا۔ سوایسے ہی بشہادت قصہ بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا خیال تک نہ تھا ہاں دفع مفسدہ مدنظر تھا۔

شیخین کا جانا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ قریش اور مہاجرین کیلئے سودمند ہوا

اگر یہ دونوں وہاں نہ جاتے تو انصار سعد بن عبادہ کو (خلیفہ) کر چکتے پھر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو اوّل بار ملتی نہ چوتھی بار شیخین چاہے نہ ہو سکتے پر ناشکری کا کیا علاج حضرات شیعہ تس پر بھی نہیں مانتے غرض کارپردازان تقدیر نے اُن کی حسن نیت اور حسن خدمت کے جلو میں کہ دین کے سر سے شیطان ایسا بھاری وار ٹالا ان کو خلیفہ بنا دیا بایں ہمہ وہ لوگ کچھ خلافت کو ایسا بڑا کام نہیں سمجھتے تھے جس کے واسطے یہ انتظار کرتے کہ فلانے کو آجانے دو اور فلانے کو بھی تشریف لانے دو یہ تو حضرات شیعہ نے غل مچا مچا کر اس کا انتظام کردیا ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو اس کو اتنا بھی نہ سمجھتے تھے جتنا یہاں پٹواری کا یا چوکیدار کا عہدہ ہے۔ جو آپ کو پٹواری یا چوکیدار بنا

دے تو آپ کیا خوش ہوں گے اور کوئی نہ بنائے تو آپ کیا شکایت کریں گے۔

بہر حال سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا خدا ہی کے لئے تھا اس (تجہیز) کو چھوڑ کر جانا سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کفن کو چھوڑ کر قبر کھودنے کو جانا سو جیسے اس کام میں لگنے والے کو بوجہ بے غرضی اس کام کا چھوڑ کر چلے جانے والا اور میت کا دشمن کوئی عاقل نہیں سمجھتا یہاں بھی اہلِ عقل، کارفرمایانِ انتظام خلافت کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ بوجہ بے غرضی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر چلے گئے اور جو یوں ہی دھینگا دھینگی ہے تو یوں ہی سہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر تجہیز چھوڑ کر چلے گئے تو پھر آ بھی گئے نماز پڑھی ﴿طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے حضور پر جنازہ پڑھا اور صف اوّل میں تھے۔ شیعہ کتاب ''حیات القلوب'' ص ۶۹۷ ج ۲، اور ''جلاء العیون'' صفحہ ۷۰ میں ہے کہ کلینی شیخ طوسی نے بسند حسن حضرت صادق سے روایت کی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں دفن کریں اور ابوبکر پیش امام بن کر حضور پر نماز جنازہ پڑھائے الخ پتہ چلا کہ شیخین یقیناً حاضر جنازہ تھے۔ شیخ طبرسی نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ دس دس آدمی حجرہ میں داخل ہوتے تھے اور بغیر امام کے (بصورت دُعا) آپ پر جنازہ پڑھتے تھے پیر کے دن منگل کی رات صبح تک اور پھر صبح سے شام تک حتیٰ کے تمام چھوٹوں بڑوں مردوں، عورتوں مدینہ والوں اور مدینہ کے آس پاس والوں نے تمام لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز اسی طرح پڑھی۔ (حیات القلوب ج ۲، ص ۶۹۷﴾

دفن میں شریک رہے، پر حضرت علی رضی اللہ عنہ انتظام مذکورہ میں بالکل شریک ہی نہیں ہوئے۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ خلافت اور امامت کیسا بڑا کام ہے اور تجہیز و تکفین کو اس سے کیا نسبت ہے امامت تو وہ کام ہے جس پر بقاءِ دین کا مدار ہے اور دین وہ چیز ہے جس کے لئے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو بھیجا یہ کام عام نہیں ۔ ہاں مرنا جینا کفن کاٹھی قبر کنی ایسی عام باتیں ہیں جس میں مسلمان کافر نیک و بد سب

شریک ہیں سوا گر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دو عام کام میں (بقول شیعہ) شریک نہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے خاص کام میں شریک نہ ہوئے جس پر مدار کار دین و ایمان تھا اگر یہ کام درست نہ ہوتا تو دین کا پتا بھی نہ تھا اور اگر یہ عذر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی نے پوچھا نہ بلایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کسی نے پوچھا نہ بلایا۔ ﴿یعنی دفع تنازع کے لئے ایک شخص کو بلا کر طے کیا۔ خلیفہ بننے بنانے کا پروگرام کسی کا نہ تھا وہاں کی صورتِ حال سے مجبور ہو کر سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو خلیفہ چُن لیا۔ ۱۲۔ مہر محمد﴾

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

مسلمانوں کے لئے والی ناگزیر تھا

جاننا چاہئے کہ تجہیز و تکفین اہل بیت کے متعلق تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں شریک ہونا لازم نہ تھا۔ پس جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار فانی سے بملک جاودانی انتقال فرمایا اور جمیع مہمات دینی اور دنیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر موقوف تھے اور کفار بھی بسبب تسلط حضرت کے مغلوب تھے اب اگر ان کے بعد کوئی ان مہمات کا متولی نہ ہوتا تو طرفۃ العین میں کارخانہ ریاست اسلام کا درہم برہم ہو جاتا سالہا سال کی محنت و مشقت رائیگاں جاتی نئے سرے سے کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جاتا اور شیطان علیہ اللعنۃ سب کو اپنی راہ لگا لیتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی تھی اگر پھر ویسے ہی تاریکی جہل پھیل جاتی پھر کہاں سے آفتاب ہدایت کا نکلتا لہٰذا ضرور ہوا کہ کوئی شخص بجرد وفات حضرت کے متولی تمام اُمور کا ہو جائے تا کہ جوں کی توں بات بنی رہے اور ریاست و سیاست کا کام بدستور جاری رہے اس میں اصلاح تمام اُمت کی مقصود تھی۔ بایں وجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس اَمر میں مبادرت کی اس لئے کہ تجہیز و تکفین کی طرف سے تو بسبب اہل بیت کے بے فکر ہو

گئے تھے اور یہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہی تھی جیسا کہ نائب کا بڑھانا عین مدرس کی خدمت ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر تجہیز و تکفین ان پر ہی موقوف ہوتی تو بھی بوجوہات مذکورہ بالا اَمرِ خلافت میں مبادرت کرنی ضرور تھی پس جس حالت میں تجہیز و تکفین کے متولی دیگر شخص ہوں تو ان کا اَمر خلافت میں مبادرت کرنا اولیٰ ہوا۔

اگر انتخاب خلیفہ صحیح نہ ہوتا تو اُمت کا بڑا المیہ ہوتا

کیونکہ اگر تجہیز و تکفین میں دیر ہو جاتی جیسا کہ تدفین میں تین روز لگ گئے تو کچھ حرج نہ ہوتا، پر اَمر خلافت میں کچھ دیر کرنے سے کچھ کی کچھ بات ہو جاتی۔ بقول شاعر ؎

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں　　　گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

تکفین و تدفین بھی حلاوت سے نہ ہوتی خدا جانے کیا کیا خرابیاں دم کے دم برپا ہو جاتیں، چنانچہ بعد وفات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ سرداری ہم کو ملے بہت سے بہت یہ ہو کہ ایک ہم سے سردار ہو اور ایک تم میں سے پس اگر وہ مبادرت نہ کرتے اور بیعت کسی انصاری کے ہاتھ پر منعقد ہو جاتی تو اَب اس میں دو صورتیں تھیں۔ یا تو مہاجرین بھی اس شخص کی بیعت اور اطاعت قبول کرتے یا کوئی اور جداگانہ اپنا خلیفہ بناتے درصورت اَوّل کے اس حدیث کے مخالف ہوتا۔ **الملک فی قریش و القضاۃ فی الانصار والآذان فی الحبشۃ الخ** بعض روایات میں الخلافۃ فی قریش صراحۃً آیا ہے جب انصار کو ہی خلافت مل جاتی پھر کہاں سے مہاجرین کو خلافت نصیب ہوتی اور دوسری صورت میں یعنی مہاجرین کا خلیفہ جداگانہ بنالینے میں تفرق کلمہ لازم آتا اور منشاء خدا اور سول اتحاد و اتفاق کو چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت:

"لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ" (سورۃ الانفال، آیت ۶۳)

ترجمہ "اگر آپ زمین کے سب خزانے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دِلوں کو نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کے درمیان اُلفت ڈال دی

اور حدیث تطویل قرأۃ معاذ بن جبل رضی کہ باوجود ان پر عنایت بے حد کے حضرت کا اَفَتَّانٌ یَامَعَاذُ فرمانا دلالت کرتی ہے اس صورت میں وہ بات ہاتھ سے نکل جاتی اور کام ریاست وسیاست کا بخوبی انجام نہ ہوتا اور باہمی منازعت کا بھی خوف تھا چنانچہ لو کان فیهما اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا سے مستفید ہے کہ اگر ایک سلطنت میں دو حاکم ہوں تو وہ برباد ہو جاوے گی۔ معلوم ہوا کہ ایک اَمر خلافت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی کا ہے بایں نظر شیخین نے اس کی تاسیس وتوثیق میں مبادرت کی۔

حضرات شیعہ جیسے خود ملوث بطمع دنیا دنیہ اور سگ دنیا ہیں ایسے ویسے ہی خیالات معاذ اللہ اکابر وارکان دین کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں کیسے کج فہم ہیں اس موٹی بات کو نہیں جانتے کہ پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔

سوال بست و ہشتم (۲۸) از جانب شیعہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اہل حل وعقد ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو ان کو کیوں شامل نہیں کیا اجماع میں۔

جواب سوال بست و ہشتم (اجماع کیلئے بروقت تمام اہل حل وعقد کی حاضری ضروری نہیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اوّل درجے کے اہل حل و عقد میں سے تھے پر اجماع کے انعقاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سارا جہان ایک آن واحد اور ایک ہی لحظہ میں ایک بات منہ سے کہیں۔

یہ تو آپ کے نزدیک بھی ممکن نہ ہوگا ہاں یہ باتیں بتدریج آگے پیچھے ہوا کرتی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو بیعت ہوئی تو وہ بھی ایک دفعہ نہیں ہوئی بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر سب نے ایک ساتھ ہی بیعت نہیں کی جب کبھی کوئی آجاتا تھا بیعت کر جاتا تھا اور بیعت تو درکنار اسلام بھی سب کا ایک ساتھ نہیں کوئی آج مسلمان ہوا کوئی دس برس کے بعد کوئی بیس برس کے بعد سو ان کی بیعت تو آپ بھی جانتے ہیں جبھی ہوئی ہوگی جب وہ مسلمان ہوئے ہوں گے یا اس کے بھی بعد یا یوں کہو انہوں نے

بیعت کی ہی نہ ہو بہرحال یہ تو ممکن ہی نہیں کہ قبل اسلام بیعت کر گئے ہوں سو جو نسے
احتمال پر آپ جمیں ہمارا ادھر ہی لیکھا ہے۔ غرض ہمارا مطلب کسی طور ہاتھ سے نہیں جاتا
بہت سے آدمی تو سقیفہ بنی ساعدہ ہی میں دست بیعت ہوئے پر بیعت عام دوسرے روز
ہوئی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور بھی بعد میں بیعت کی ﴿حضرت علی رضی اللہ
عنہ کا صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ایک تاریخی حقیقت اور احادیث میں مذکور
مسلمہ طرفین مسئلہ ہے۔ معتبر کتب شیعہ سے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔(۱) کافی کے کتاب
الروضہ ص۲۴۶ (طبع ایران) وصفحہ ۱۱۵ (طبع لکھنؤ) میں حدیث ارتداد میں ہے امام باقر سے
روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ سوائے تین کے مرتد ہو گئے
مقداد رضی اللہ عنہ، ابوذر رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان پر چکی پھری اور یہ (ابوبکر کی)
بیعت سے منکر رہے حتیٰ کہ لوگ امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو لے آئے فَبَایَعَ آپ نے
بیعت کی (تو تین حضرات نے بھی کر لی۔(۲) احتجاج طبرسی ص۴۸ میں ہے مَا مِنَ الْاُمَّةِ
اَحَدٌ بَایَعَ مُکْرَهًا غَیْرَ عَلِیّ وَ اَرْبَعَتِنَا اُمت میں ایک بھی فرد ایسا نہیں جس نے (ابوبکر کی)
بیعت ناخوشی سے کی ہو سوائے علی رضی اللہ عنہ اور ہمارے چار صحابیوں کے) تقیہ اور مجبوری کا
عذر پہلے رَدّ کیا جا چکا ہے۔۱۲۔ مہر محمد﴾ پر یہ بعد میں رہ جانا بایں معنیٰ نہ تھا کہ ان کی خلافت
کے منکر تھے اور اگر بالفرض انکار خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہو تو پھر حضرت علی
رضی اللہ عنہ کی روز کی نمازوں اور جمعہ کے خطبوں کے سننے اور جہادوں کے باندھنے میں
مال اسباب کے تصرف میں لانے کی کوئی وجہ متصور نہیں بلکہ شیعوں کا یہاں ایسا قافیہ تنگ
ہوگا کہ بزیر برتر ہی کرنی پڑے گی۔

کلمہ امامت کو اُصولی ماننے سے سب دنیا کافر ٹھہرتی ہے

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حضرت امیر رضی
اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کے منکر کیا مزاحم ہی تھے ہم بھی جانتے ہیں تم بھی جانتے ہو
پھر اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معتقد
نہ ہوں یعنی سُنّی نہ ہوں شیعہ مذہب ہوں تو یہ معنیٰ ہوں گے کہ حضرت صدیق رضی

اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کافر تھے نعوذ باللہ۔ کیونکہ جیسے ہمارے نزدیک ایمان کے دو جُز ایک ''لا اِلٰه اِلا الله''، دوسرا ''محمد رسول اللہ (ہے) شیعوں کے نزدیک ایک تیسری شاخ اِمامت کی اور بھی ہے۔ جیسے ہمارے نزدیک آدمی اِنکارِ'' لا اِلٰه الا الله'' یا انکار ''محمد رسول الله'' سے کافر ہو جاتا ہے ان کے نزدیک انکار امامت حضرت امیر وغیرہ ائمہ ھدیٰ سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ بہر حال اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ شیعہ مذہب ہوں تو ان کو بھی اپنی امامت پر ایمان لانا ایسا ہی ضرور ہوگا جیسے بشہادت آیت:

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ'' (سورۃ بقرہ، آیت ۲۸۵)

اور نیز بشہادت آیت:

''قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ'' (سورۃ الانعام، آیت ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: ''فرمایئے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا (سب) اللہ (کی رضا کے واسطے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ہوا میں پہلا ماننے والا ہوں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت پر اِیمان ضرور ہے۔ اور ظاہر ہی تو ہے اگر رسول اور امام ہی کو اپنی رسالت اور اِمامت کا انکار ہو تو پھر دوسروں کو کیونکر کہہ سکتا ہے کہ مجھ پر اِیمان لاؤ اس صورت میں حضرت امیر منکران امامت کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہوں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکران رسالت کو۔ پھر فرمایئے حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ہمیشہ ان منکران امامت کے پیچھے نماز پڑھتے رہے تو کیا باعث تھا؟ کافروں کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے؟ یا یہ لوگ امامت پر ایمان رکھتے تھے اور شیعان پاک میں سے تھے یا اِمامت کی شاخ ایسی ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔ شعر۔

عریاں ہی دفن کرنا تھا زیرِ زمین مجھے
اِک اور دوستوں نے لگا دی کفن کی شاخ

ہم سے اگر پوچھتے ہیں تو یہی صحیح ہے۔ ورنہ مذہب امامیہ کی خیر ہے نہ حضرت امیر کی امامت اور بزرگی کے صحیح سالم رہنے کی کوئی تدبیر بالجملہ تین پانچ کرنے کو تو بہت سی باتیں ہیں اس بات کا جواب نہ مجتہد صاحب سے آئے نہ امام زمان کے پاس سے کوئی جا کر لائے یہ بات لا جواب ہے اور کیوں نہ ہو دروغ گو را حافظہ نباشد بانیانِ مذہب شیعہ یہاں آ کر چوکڑی بھول گئے۔ آگے سنئے یہی نہیں کہ نمازیں پڑھیں حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ بلکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی حرم محترم انہیں خلیفوں کے جہاد میں آئی تھیں جن کو کافر نہ کہئے تو مذہب شیعہ اڑ جاتا ہے اور کافر کہئے تو پھر جہاد کی کوئی صورت نہیں جو کچھ ہوا پھر ان حرموں کے مالک ہوئے تو کیونکر ہوئے جو آگے زیر تصرف رکھنے کی گنجائش ہو اگر یوں ہوتا کہ مسلمان کر کے آگے پیچھے نماز ہی پڑھوا لیتے تب بھی ایک بات تھی یہ بھی نہ ہوا۔ کہئے تو سہی کیا ہوا۔ اور (رہا) یہاں نکاح کا بہانہ کر لینا تو مال کا تو نکاح ہی نہیں ہوتا۔

اس سے آگے بڑھ کر اور سُنیئے۔ طاہرہ مطہرہ جگر گوشۂ رسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرۃ العینین۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی راحت جان۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی قوت دِل تمام اہل ایمان کے دین و ایمان کو حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہ دختر شکم خاص حضرت بتول رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیا ایسی پاک طاہر پاک باطن کو سن خوردسالی میں ایسے کافر کہنہ سال کے کوئی حوالہ کرتا ہے؟۔ ذراسی بات پر فوج شام وعراق سے تو لڑ مرے اور ایسی پاک دامن کو یوں بے چون و چرا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا یہ مسلمان کا کام تو نہیں کہ ایسے افسانوں کو بے موقع احتمالوں پر محمول کرے خدایا میرا تو بال بال کانپتا ہے۔ یہ خبیث کس طرح ایسی بے، ہودہ باتیں بک دیتے ہیں۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لحاظ نہیں تو ننگ و ناموس اہل بیت نبوت کا تو لحاظ کیا ہوتا دیکھئے اس نکاح سے زید بن عمر پیدا ہوئے اور پھر بقضائے الٰہی اپنی والدہ کے انتقال ہی کے دن خانہ جنگی میں مارے گئے یہاں تک کہ اکٹھی دونوں جنازوں کی نماز پڑھی گئی۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں معتقد خلافت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور انعقادِ اجماع کے لئے اتنی بات کافی ہے ہر ہر شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں یوں تو بہت سے چھوٹے بڑے نزدیک و دُور کے لوگ رہ گئے ادھر آج کل کے اہل سنت سب اجماع میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور بیعت کا کچھ حساب نہیں۔

کچھ دن بعد بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام شبہات کا ازالہ کر دیا

الغرض اعتقاد دِلی اور شہادت حالی یا مقالی چاہئے۔ سو بحمد اللہ یہ بات قبل بیعت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اور بعد بیعت بھی باقی رہی پر جب حضرت امیر نے دیکھا کہ مردمانِ ظاہر بین اور سادہ لوحانِ صحرا نشین اس بیعت کے نہ کرنے کو اور بات پر محمول کرتے ہیں۔ ادھر موافق مزعوم شیعہ علم ما کان و ما یکون حاصل تھا یہ سمجھ کر کہ آخر زمانے کے ہمارے نادان دوست جن کو شیعہ کہیں گے کچھ اور دست کشی کے پتے بہت ہاتھ پاؤں پھیلائیں گے زبان کے رستے اور بہت کچھ کہیں گے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے شبہ مکنون متر ددین کے دل سے مٹا دیا پر جن کے دل کو یہ خیالات فاسدہ ایسی طرح کھا گئے تھے جیسے تلوار یا کسی اور ہتھیار کو مورچہ ان کی اصلاح نہ ہوئی وہ اسی لکیر کو پیٹتے جاتے ہیں اور حضرت امیر کی راہ پر نہیں آتے۔

اعتذار و دُعائے مؤلف

اب بس کیجئے اور جانے دیجئے یا اللہ تیرا شکر ہے یہ تیری عنایت ہے کہ مجھ جیسے ہیچمیدان بلکہ نادان سے ایک دن اور کچھ اُوپر آدھی رات میں اکٹھے اُٹھائیس سوالوں کا جواب لکھوا دیا تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں ہر بن و مو میں بھی زبان ہو تو پھر بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ احسان کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ اے میرے اللہ! میری نیت تو ویسی ہی ہے جیسا میں ہوں تو اپنے کرم سے اس کو قبول فرما کر میرے لئے ذریعہ آخرت کر دے اور اس تحفہ محقرہ کی بدولت حضرات اہل بیت اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ورضی اللہ عنہم) کی خوشنودی میرے نصیب کر پھر ان کے طفیل سے اپنے حبیب

پاک سید لولاک کی عنایت میں اس کمینہ عالم کو شامل کر اور مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور تمام احباب کو بخش کر مجھ کو مسرور کر۔ آمین ثم امین۔ فقط۔

التماس بخدمت منشی شیخ احمد صاحب

منشی صاحب! میری کم فرصتی اور کم توجہی کا حال اگر نہ سنا ہو تو حاجی ظہور الدین احمد صاحب سے دریافت فرمائیں آپ کے لئے یقین جانئے اُنگلیاں تھک گئیں کل شام بیٹھ کر آدھی رات تک لکھا آج صبح سے اسی خیال میں تھا اس وقت بعد عشاء فراغت پائی اب بھی اُنگلیاں نہ تھکیں تو اور کیا ہوگا بار بار یہ شعر یاد آتا ہے۔ شعر ؎

حال دل لکھوں کب تک جاؤں اس کو دِکھلا دوں
اُنگلیاں افگار اپنی خاصہ خون چکا اپنا

آپ نہ مانیں تو بجز اس کے اور کیا لکھوں مصرع ؎

جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو پھر اس کو خدا سمجھے

خیر یہ تو آپ کے حسن اخلاق کے بھروسے عرض معروض تھی۔ دوسری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہی پرانے سوالات کئے جو اَوّل سے شیعوں نے ایجاد کئے اور صدہا جواب اس کے سنیوں کی طرف سے ہو چکے۔ بروئے انصاف! یہ تو تنگ کرنا ٹھہرا۔ آپ کا تو نہیں کہہ سکتا۔ شیعوں کو تو ڈوب مرنے کی جا ہے جواب دندان شکن سنتے چلے جاتے ہیں اور پھر بھی اپنی گالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ بھلے مانسوں کو تو منہ پر کھا کر تاب مقابلہ نہیں رہتی۔ ہاں بے جا البتہ پیٹتے جاتے ہیں اور گالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ آپ نے یا جس نے یہ سوال کیا یہ سمجھا ہوگا کہ سنیوں میں ایسا کون فارغ بیٹھا ہے جو اپنا نماز روزہ چھوڑ کر اس طور مار کے طومار کا جواب لکھے گا ہمیں کہنے کو جگہ ہو جائے گی۔ یہ نہ سمجھا ہوگا کہ قاسم سے گنہگار بھی بہت ہیں جن کو (نفلی) نماز روزہ کی چنداں توفیق نہیں پھر تو اس پر ایسے ایسے صدائے بے معنی کو یوں ہی چٹکیوں میں اُڑا دیتے ہیں اور اوروں کا وار بھی نہیں آتا، سو آپ خدا کے لئے غور فرمائیں۔

اور پھر بھی راہ پر نہ آؤ تو مجتہدان ضلع سہارن پور و مظفر نگر سے ان جوابوں کا جواب اور میرے سوالات مرسلہ کا جواب لکھوا کر بھجواؤ پر جواب ہو تو ایسا بے تکا نہ ہو جیسا ''جاٹ رے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ'' کے جواب میں کہا تھا۔ ''تیرے سر پر کولہو!'' اگر بوجھ ہی میں دبانا منظور ہو تو آپ ہی بہت ہیں مگر ہمیں کون سکھلائے۔ ہم دونوں علم پڑے ہیں بے تکی کہنی بھی آتی ہے، غرض ان اٹھائیس (۲۸) سوالوں کا بوجھ جیسے مجھے یاد رہے گا ان شاءاللہ اس سے زیادہ جناب مجتہدین چکر میں آئیں گے۔ فقط۔

جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب

یہ دونوں صاحب داخل حل وعقد ہیں پر تمام اہل حل وعقد کا آن واحد میں اجتماع محال ہے اور نیز انعقاد بیعت کے لئے تمام کا موجود ہونا ضرور ہی نہیں ہاں اکثر کا مجمع ہونا ضرور ہے سو اکثر لوگ مہاجرین اور انصار جمع ہو ہی گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ بضرورت مشغولی تجہیز و تکفین اجماع میں شامل نہ تھے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت وفضیلت کے منکر بھی نہ تھے افضلیت حضرت ابوبکر کی ہر صغیر و کبیر کی زبان زد تھی کسی نے بایں وجہ بیعت میں تاخیر نہیں کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لائق امامت وخلافت کے نہیں یہ تو شیعہ ہی سمجھ کر اپنا دونوں جہاں کا بُرا کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملال وعتاب دوستانہ تھا

صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی بات کا ملال تھا کہ باوجود اس اتحاد باہمی کے پھر مجھ کو کیوں نہ شامل کیا کس لئے ایسی جلدی کی چونکہ حضرت امیر اسداللہ الغالب تھے بہ سبب کمال شجاعت کے ان کے خیال شریف میں برہمی درہمی سلطنت کا کچھ خطرہ نہ گزرا اور بے وجہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی مبادرت کو پسند نہ فرمایا حالانکہ ان کے نزدیک اَمر سلطنت کا اہتمام پیشتر کر لینا اَولیٰ واقدم ہوا تاکہ دفن حضرت اور دیگر اُمور بجمع خاطر ہوں اور اگر خدانخواستہ اس اَمر کا پیشتر سے اہتمام نہ کیا جاتا اور انصار جدا سردار مقرر

کر لیتے تو حضرت عباس و حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کیونکر روکتے بیٹھے بٹھائے طرفۃ العین سلطنت اسلامی جاتی رہتی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اتنی شکایت کچھ بے موقع نہ تھی بلکہ اپنوں ہی کی شکایت کیا کرتے ہیں غیر کا کون شاکی ہوتا ہے۔ شعر ؎

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے

بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

اگر ان کو شکایت تھی تو محبت بھی تھی کبھی قبل خلافت یا بعد خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برائی نہیں کی بلکہ تتبع احادیث سے تعریف کرنی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ خاص اس قصہ میں بھی کی ہے۔

" اِنَّهٗ لَمْ يَحْمِلْهُ عَلَى الَّذِیْ صَنَعَ نَفَاسَتَهٗ عَلٰى اَبِیْ بَكْرٍ وَلَا اِنْكَار لِلَّذِیْ فَضَّلَهُ اللّٰهُ بِهٖ". (بخاری ص۶۰۹ ج۲)

ترجمہ: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیعت لینے پر تاخیر حسد کے طور پر نہیں کی اور نہ اس فضیلت سے انکار کی بدولت جس کا شرف اللہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بخشا ہے"۔

اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مرتدین بنوحنیفہ سے جہاد کیا وہاں کی سبایا میں سے ایک لونڈی خولہ نامی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ملی اور آپ نے اس پر تملک میں تصرف فرمایا اور محمد بن حنفیہ اُس کے بطن سے پیدا ہوئے اور شہر بانو یزدگرد بادشاہ شاہِ ایران کی بیٹی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں پکڑی ہوئی آئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ملی اور امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اور جو کچھ باہم اتحاد اور رشتہ و قرابت پیش رہا ہر چند اُصول شیعہ پر تقیہ کی رُو سے تھا مگر (تعلق مذکور) ان خیالات کو بیخ و بن سے اُکھاڑتا ہے اور تقیہ بقدر ضرورت ہوتا ہے نہ ہر اَمر میں۔ تردید تقیہ کے لئے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں جب تک ملال رہا بیعت نہ کی اور جب صاف ہو گئے فوراً کر لی اگر خدا نخواستہ تقیہ کرتے تو بیعت میں اتنی مدت کیوں لگاتے معلوم ہوا جو کرتے تھے بے باکانہ صاف دِلی سے کرتے تھے۔ فقط۔

مادہ تاریخ از مولوی عبداللہ صاحب

قال اللہ تعالیٰ " وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا"

(سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۸۱)

مادہ تاریخ بیعتہا از فکر رسا عزیزم حافظ مولوی معین الدین صاحب خلف الرشید مولوی محمد یعقوب صاحب

مولوی میرے بھائی عبداللہ سُن — جن میں حق نے بہت بھرے ہیں گُن

ان سوالوں کے ایسے لکھے جواب — جن سے شیعوں کی اُکھڑی بیخ وبُن

سن روافض نے ان جوابوں کو — سر کو اپنے کہا یہ سنی دُھن

یوں تو بودا تھا پہلے ہی مذہب — ان جوابوں سے لگ گیا اور گُھن

ہاتف غیبی نے ندا تب کی — سال تاریخ میں یہ آیت سُن

یوں ازل میں ہی اے معیّن حق نے — کہہ دیا فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ

ایضاً منہ سلمہٗ

مَنْ تَوَاضَعَ وُقِرَ وَمَنْ تَعَاظَمَ صُغِرَا

۴۲ سوالات از جانب اکمل الکملاء افضل الفضلاء نُخبۃ الاکارم

جناب مولوی محمد قاسم صاحب بخدمت علماء اہل تشیع

(۱) عقیدۂ امامت جزو ایمان ہے اس کا ثبوت یقینی چاہیئے پر نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ احادیث متواترہ میں اس کا ذکر۔ جواب موجہہ بیان فرمایئے اور آئیں خائیں نہ اُڑایئے۔

(۲) اگر آیت انما ولیکم اللہ سے امامت حضرت امیر علیہ السلام ثابت ہوتی ہے تو اس سے اور اماموں کی امامت باطل ہوتی ہے۔ چنانچہ لفظ انما سے ظاہر ہے۔

(۳) لفظ ولی کے بمعنی حاکم ہونے پر کون سی کتاب لغۃ شاہد ہے اور اگر کوئی

کتاب اس پر دلالت کرتی ہے تو کون سی ضرورت ہے کہ معنٰی مشہور ''محبوب'' چھوڑ کر یہ معنٰی لیتے ہیں بایں ہمہ جب احتمال آ گیا تو پھر کلام مشتبہ ہوگئی قابلِ استدلال نہ رہی وہ بھی ایسی ضروریات دین کے لئے۔

(۴) امام زمان باہر کیوں نہیں آتے اور تشریف لا کر دین نبی کی تائید کیوں نہیں کرتے اگر عذر تقیہ تھا تو بھی شیعان ایران و ہند و مخلصان دکن و سندھ کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہاں اگر شیعوں کو حضرت امام ایماندار نہیں سمجھتے اور بظاہر ہوگا تو یہی ہوگا ویسی فرمایئے۔

(۵) اگر امام کا تقرر اس غرض سے ہے کہ اُمتیوں کو غلطی نہ ہو تو حضرت امام روپوش رہتے ہیں خطا وار ہیں اور اگر کوئی اور غرض ہے تو ضرورت ہی کیا تھی جو ایمان میں ایک تیسری امامت کی پچر لگائی اور پھر سنیوں پر بوجہ خلافت خلفاء کے جو معصوم نہیں کیا اعتراض رہا؟

(۶) کلام اللہ بجنسہٖ محفوظ ہے۔ تو اوّل احادیث کلینی اور اتفاق مذہب کا کیا جواب؟ دوسری آیات مدح صحابہ رضی اللہ عنہم مثل ''والسابقون الاوّلون'' اور ''الذین امنوا و ھاجرو وجھدوا'' الخ اور '' والذین معہٗ اشداء علی الکفار'' وغیرہ پر ایمان میں کیا دیر ہے۔ اور اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان میں کلام ہے تو سوال ان کے جو کوئی ان آیات کا مصداق ہے اس کے ایمان پر کیا دلیل ہے۔ ایسی دلیل جس سے خوارج کو ساکت کر سکو پیش کرو۔

(۷) اگر کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو اوّل تو ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۃ الحجر، آیت ۹)'' (ہم نے ہی ذکر (قرآن) اُتارا اور ہم ہی اس کے یقیناً محافظ ہیں) وغیرہ کا کیا جواب دوسرے بشہادت حدیث ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا۔

(۸) حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسی کلام اللہ کی تفسیر لکھی باقی کلام اللہ کی نہ لکھی تو کیا ان کو بھی مثل اور شیعوں کے کلام اللہ یاد نہ تھا۔

(۹) تقیہ کی کیا سند ہے یعنی کہیں کلام اللہ میں حکم ہے یا ارشاد نبوی ہے کہ کیا کرو۔

(۱۰) تقیہ کس غرض سے دین میں داخل ہوا اگر نبی و امام دین بتانے کے لئے

آئے ہیں تو چھپانے کے کیا معنٰی اور چھپانے کے لئے ہیں **"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ"** (سورۃ الحجر، آیت ۹۴) (جو کام آپ کو ملے واشگاف سناؤ اور مشرکوں سے اعراض کرو) کے کیا معنٰی ہیں۔

(۱۱) غار میں آپ کے ساتھ کون تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے؟ اور یہی کہو گے تو بعد اس کے کہ خدا ان کو بشہادت لفظ "صاحبہ" صحابی کہتا ہے تم کیوں نہیں کہتے۔

(۱۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں کلام اللہ میں **"اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"** فرمایا ہے خدا تو ان کا ساتھ دے تم کیوں نہیں دیتے۔

(۱۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ یا ائمہ اہلِ بیت کی شان میں کہیں **"اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا"** ہے۔

(۱۴) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا اگر وہ کافر تھے یا فاسق تھے (معاذ اللہ) تو کیوں بنایا؟

(۱۵) حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کے زمانے کے جہادوں کی باندی غلام کیوں اپنے تصرف میں رکھے اگر وہ کافر تھے تو یہ نماز نہ ہوئی نہ جہاد پھر نہ مال حلال ہوا نہ باندیاں اور مسلمان تھے تو بے اقرار امامت کیوں کر مسلمان ہو گئے۔ جواب معقول دیجئے۔

(۱۶) موافق ارشاد آیت **"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ الخ** (سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۱)" (جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو کما حقہ پڑھتے ہیں وہی اس کے مؤمن ہیں۔) جو منجملہ علامت ایمان ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس فرقہ کے لوگ بکثرت تلاوت قرآن کریں گے وہ تو مؤمن ہوں گے باقی کافر اَب فرمایئے کہ ایسے لوگ شیعہ ہیں یا اہل سنت جواب معقول لکھئے اور اگر حق تلاوت سے خشوع وخضوع مراد لیتے ہو تو شیعوں میں وہ بھی نہیں اس لئے کہ خشوع کے لئے اعتقاد چاہئے شیعہ کلام اللہ کو بیاض عثمانی سمجھتے ہیں بایں ہمہ حق تلاوت مفعول مطلق ہے اور عامل اس کا "یتلونہ" ہے اس لئے ضرور ہے کہ وہ بھی از قسم تلاوت ہو۔ سو خشوع وخضوع اَمر قلبی ہے اور تلاوت اَمر لسانی۔

(۱۷) آیت "اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (سورۃ الحجر، آیت ۹)" سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حفظِ کلام اللہ خدا کا کام ہے اس صورت میں سنی بندگان خاص ٹھہرے کہ خدا کا کام کرتے ہیں اوران کا کیا خدا کی طرف ایسی طرح منسوب ہو جاتا ہے جیسے راج مزدوروں کا بنایا ہوا مکان صاحب مکان کا بنایا کہا کرتے ہیں۔

(۱۸) شیعوں کو کلام اللہ یاد کیوں نہیں ہوتا اگر یہ وجہ ہے کہ صحابہ استاذ کلام اللہ ہیں اور استاذ کا بُرا کہنے والا کامیاب نہیں ہوتا تو بہ کیجئے باقی یہ جو کہیں کہیں شیعہ ملقب بحافظ ہیں یا ایک دو کا کہیں کہیں نشان دیتے ہو البتہ اوّل تو کہنے کی باتیں ہیں اور اگر سچ بھی ہو تو اہل سنت کے مقابلہ میں ایک دو کا حافظ ہونا بہت شرمانے کی بات ہے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ کیوں مانگا زندوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور شہیدوں کی نظیر دو تو یہ نظیر کام کی نہیں کیونکہ شہداء یہاں کے بدن سے زندہ نہیں اس بدن کے حساب سے تو مردہ ہیں ہاں جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے اور موت کا جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے تو آپ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اور نہیں جاتی تو میراث کی کوئی صورت نہیں۔

(۲۰) کلینی وغیرہ کُتب شیعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فدک منجملہ اموال فے ہے۔اورآیت ما افاء اللّٰه علٰی رسوله ﴿"مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ مِنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ كَىۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ." (پارہ:۲۸) (ترجمہ:" دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدون جہاد عنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت مندوں کا اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تا کہ وہ مال غنیمت تمہارے دولت مندوں کے مابین چکر کھاتا نہ پھرے۔الخ۔۱۲۔مہر محمد﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال فے مملوک نبوی نہ تھے اس لئے کہ اوّل تو بشہادت آیت ذَوِی الْقُرْبیٰ یتامٰی۔مساکین وغیرہ شریک جن کی کوئی تعداد معین نہیں

جوان سب کو پہنچاتے دوسرے بشہادت آیت وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْ مِنْ م بَعْدِ هِمْ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ مصارف وہ لوگ بھی ہیں جو اَبھی پیدا نہیں ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے سوان کی شرکت تک کوئی صورت نہیں کیونکہ مالک بالفعل موجود ہونا چاہئے بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انواع کے ہر ہر فرد کو نہ زمین فدک بانٹی نہ اس کی آمدنی بانٹی اگر مِلک ہوتی توان سب ہی کی مِلک ہوتی اور آپ ضرور تقسیم کرتے۔ ہو نہ ہو وقف ہوا اس صورت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کیوں طلب کیا کیونکہ وقف میں نہ میراث جاری ہو نہ ہبہ۔

(۲۱) اگر خطاب فانکحو اعام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی وجہ بیان فرمایئے اور خاص ہے تو خطاب یوصیکم اللّٰہ بھی خاص ہوگا۔ اس صورت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دعویٰ میراث کیوں کیا اور اگر آیت یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ سے تخصیص فانکحوا کرتے ہو اوّل تو بعد ثبوت تاخر نزول آیت یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ یہ بات متصور ہے اور ثبوت تاخر معلوم۔ دوسری ایسی تخصیص بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بوسیلہ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ سب کے لئے متصور ہے۔

(۲۲) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافر تھے (العیاذ باللہ) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دختر مطہرہ حضرت اُم کلثوم کا نکاح ان سے کیوں کیا اور نہ تھے تو باوجود اسلام کے تبرا کی کیا وجہ......؟

(۲۳) تبرا کی کوئی کلام اللہ یا حدیث متواترہ میں سند ہے یا نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے نہیں تو ایسے وسوسہ اندازوں کی جھوٹی سچی باتوں پر ان قطعی نصوص کو جو مثل روز روشن کے، رذیلہ اور کبیرہ ہونے پر سب وشتم کے دلالت کرتے ہیں کسی کو بُرا کہنا کیوں ثواب جانتے ہو؟

(۲۴) اگر تقیہ فرض یا مستحب یا مباح تھا تو حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کیا اور اس تھوڑی جماعت کو کہ دشمن کے عشر عشیر بھی نہ تھے کیوں مظلوموں کو قتل کرایا اور ان کا بار اپنی گردن پر لیا اور نہ تھا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے باوجود فوج کثیر کے

کیوں صلح کی اور جہاد نہ کیا اور دین کو برباد کیا۔ اگر عذر علمِ انجام ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ امام تھے تو کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو علمِ انجام نہ تھا یا اس وقت امام نہ تھے۔

(۲۵) اماموں کو علم ما کان وما یکون ہوتا ہے تو اس آیت کے اور سوا اس کے اور ایسی ہی آیتوں کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

"قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہَ." (تم یہ کہہ دو کہ جو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں (ان میں سے) غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ (ترجمہ مقبول)

اور اگر نہیں تو پھر اس عقیدہ کی کیا وجہ اور کلینی کی روایتوں کا کیا جواب ہے۔

(۲۶) اماموں کی موت ان کے اختیار میں ہے تو "فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ (سورۃ الاعراف، آیت ۳۴)" (جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو سکتے ہیں نہ آگے) کا کیا جواب ہے اور نہیں تو اس عقیدہ فاسدہ کی کیا بنا ہے۔

(۲۷) متعہ اگر جائز ہے تو آیت "اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ (المؤمنون، آیت ۶)" (کہ مؤمن اپنی دائمی بیویوں اور باندیوں کے ماسوائے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں) کے مخالف ہوتا ہے کیونکہ متعہ کی عورت باتفاق علماء شیعہ نہ منجملہ اَزواج ہے اور نہ منجملہ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ اور اگر جائز نہیں تو پھر یہ فضائل کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور قصہ خیبر سے استدلال کرتے ہو تو وہ حدیث متواتر نہیں جو ناسخ کلام اللہ ہو دوسرے وہ حکم منسوخ ہو چکا۔ نہیں تو اس سے تو کم نہیں کہ احتمال ہے بہر حال تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ حکم باقی ہے احتمال یہ بھی تو ہے کہ اس آیت کا حکم جوں کا توں ہو فقط برائے چندے بوجہ ضرورت رخصت ہوگئی ہو۔

علاوہ بریں آیت "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ" (النسآء، آیت ۲۴) کو بوجہ حلت متعہ منسوخ نہیں کہہ سکتے کیونکہ بزعم شیعہ۔

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً" (سورۃ النساء، آیت ۲۴)

ترجمہ: "پس جب تم عورتوں کے خاص حصہ سے فائدہ اُٹھالو تو تم ان کو مقررہ مہر دے دو"

اس آیت پر متفرع ہے اور یہی آیت (بزعم شیعہ) دستاویز متعہ ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ عدت والی عورت محصنات میں داخل ہے یا نہیں اگر داخل ہے تو یہ ممانعت جسے احصان کہئے بوجہ بقائے نکاح کے تو کہہ بھی نہیں سکتے کیونکہ نکاح ایک اَمر اضافی ہے جو وجود ناکحین پر موقوف ہی ہوگی بوجہ محافظ نسبت ہوئی لیکن اس صورت میں محصنین غیر مسافحین کے معنٰی میں بھی یہ ہی احصان ملحوظ رہے گا۔ پھر آپ ہی فرمایئے متعہ میں یہ بات کہاں ہے اگر ہوتی تو یہاں بھی عدت ہوتی۔ اور اگر معتدہ داخل محصنات نہیں تو فرمایئے پھر کس وجہ سے اس کا نکاح ممنوع ہے حالانکہ یہ ارشاد موجود ہے "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" (ان مذکورہ کے علاوہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں) اس صورت میں یوں نہیں کہہ سکتے کہ معتدہ محصنات میں تو داخل نہیں مگر آیت "والذین یتوفون منکم" سے اس کی حُرمت ثابت ہے۔

چنانچہ اہل عقل پر ظاہر ہے جواب معقول عنایت ہو ورنہ حُرمت متعہ کا اقرار کیجئے۔

(۲۸) منکوحۃ الاب سے یا ام ولد الوالد سے متعہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کیا دلیل ہے۔ آیت "وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ (سورۂ النساء، آیت ۲۲)" سے تو فقط ممانعت نکاح ثابت ہوتی ہے اور جائز ہے تو نکاح ہی میں کیا نقصان تھا۔

(۲۹) لواطت زنان جو مذہب شیعہ کے موافق جائز ہے ﴿مثلاً حدیث نمبرا۔ عبداللہ بن ابی یعفور نے امام صادق رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے۔ قال لا بأس اذا رضیت (اگر عورت خوش ہو تو کوئی حرج نہیں) الاستیصاء ص ۲۴۳، ج ۳)۔ ۲۔ امام رضا سے راوی نے عورت کے ساتھ لواطت کرنے کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔ اللہ کی کتاب میں لوط علیہ السلام کے قول نے (معاذ اللہ) حلال کر دیا ہے کہ میری لڑکیاں تمہارے لئے حلال ہیں حالانکہ معلوم تھا کہ وہ آگے کی راہ سے جماع نہیں کرنا

چاہتے۔ (ایضاً) اور دنیوں میں بھی جائز ہوئی ہے یا یہ پاکبازی اور سنت قوم لوط خاص مذہب شیعہ ہی کے لئے رکھی ہوئی تھی۔

(۳۰) لواطت کے جواز کی کیا دلیل ہے۔ اگر لفظ "فَاَنّٰی شِئْتُمْ" پر اعتماد ہے تو اس سے تو تعمیم مقام ثابت نہیں ہوتی وقت معہود زوجہ کی رو پشت اپنی طرف رکھنے کی اجازت نکلتی ہے بایں ہمہ جملہ نساء کم حرث لکم سے صاف یہ ثابت ہے کہ عورتیں اولاد کی کھیتی ہیں پھر آپ ہی فرمائیں کہ بچہ دُبرزَن میں سے نکل سکتا ہے یا نہیں اگر کوئی خاص کرامت زنان مذہب شیعہ میں ہو تو مطلع فرمایئے۔

(۳۱) باندیوں کی فرجوں (شرم گاہوں) کا عاریت دے دینا حدیث نمبر ا۔ محمد بن مسلم نے امام باقر سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنے بھائی کے لئے اپنی باندی کی شرم گاہ حلال کر دے یہ اس کے لئے حلال ہے (استیصاء ص ۱۳۶، ج ۲) ۲۔ ابن مضارب کہتے ہیں مجھ سے امام جعفر صادق نے فرمایا یہ باندی لے لو آپ کی خدمت کرے اور آپ جماع کریں پھر ہمیں واپس لوٹا دینا (ایضاً) ۳۔ حسن عطار کہتے ہیں میں نے امام صادق سے فرج مانگنے کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا کوئی حرج نہیں (استیصاء ص ۱۳۸، ج ۳)۔ ۱۲۔ مہر محمد جو علامہ حلی کی کتاب ارشاد میں موجود ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے پھر آیت "اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (المومنون، آیت ۶)" کی مخالفت کا کیا جواب ہے۔

(۳۲) لواطت سے ثبوت نسب کی وجہ تعلیم فرمائیں تو بڑی عنایت ہو۔

(۳۳) "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (سورۃ القیمۃ، آیات، ۲۲، ۲۳)" (اس دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے) دیدار خداوندی پر شاہد ہے اور لفظ اِلٰی کو بمعنی نعمت لینا جوتیوں سے کان گانٹھنا ہے۔ کیونکہ اَوّل تو ناضرۃ فرمایا اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ نعمائے خداوندی کے استعمال کی نوبت آ گئی اس کے بعد پھر نعمتوں کے دیکھنے کی کیا حاجت تھی جو یہ ترقی معکوس ایسے کلام معجز نظام میں آئی بایں ہمہ آیت:

"کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ" (المطففین، آیت ۱۵)

ترجمہ: "ہرگز نہیں اس دن وہ اپنے رب کی زیارت سے محروم رہیں گے"۔

کا کیا جواب دو گے اور آیت "لا تدرکہ الابصار" پر نظر ہے تو وہ سابقہ جزئیہ ہے بایں ہمہ سلب ادراک پر دلالت کرتا ہے نفی رؤیت پر دلالت نہیں کرتا علیٰ ہذاالقیاس لن ترانی سے عدم قابلیت ابصار دنیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتی ہے عدم دیدار ثابت نہیں ہوتا ہاں اگر لن اُری بصیغہ متکلم مجہول ہوتا تو یہ خیال بجا تھا اور اگر رؤیت اور ابصار کے لئے خواہ مخواہ تقابل کی ضرورت ہے اور وجہ سے تأمل ہے تو اوّل تو خدا کے بصیر ہونے کے لئے جہاں سے تقابل لاؤ گے وہیں سے اس کے دیدار کے لئے سہی۔ اگر ضرورت ہوگی تو ابصار کے لئے خدا کو بھی ہوگی کیوں کہ تقابل تو طرفین ہی سے ہوتا ہے بایں ہمہ سامنے کا مکان سامنے کی جہت جس طرح بے جہت اور بے مکان سامنے ہے ایسے ہی خدا (بے جہت و مکان) بھی ہو تو کیا عجب ہے پھر کلام اللہ کی تکذیب کیوں کی جاتی ہے۔

(۳۴) آیت "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ" میں جو خلافت کا وعدہ ﴿سورۃ النور (رکوع ۷) کی آیت استخلاف کا ترجمہ مقبول شیعہ کا یہ ہے۔ ان سب لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کرلیا ہے ان کی خاطر سے پائیدار کردے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا اس وقت وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں خلافت راشدہ کی صداقت اور موعود خداوندی ہونے پر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو شرح نہج البلاغہ فیض الاسلام نقی زیر خطبہ مشورہ فارس و نحن علی موعود من اللہ ۔۱۲۔ مہر محمد﴾ پورا ہونا تو اس کا ضرور ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے اور ادھر

دیکھتے ہیں تو خلیفہ موصوف باوصاف مندرجہ آیت مسطورہ سوا چار یار اور کوئی نہیں ہوا خاص کر ''وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا. (سورۃ النور، آیت ۵۵)'' (میں ضرور بر ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا) سے تو روشن ہی ہو گیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کفار سے کبھی خوف ہی نہیں ہوا اور اگر خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مراد لیجئے تو مخالفت ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' لازم آتی ہے اس لئے کہ اس سے جمعیت ثابت ہوتی ہے نہ وحدت اور امام زمان کو مراد لیجئے تو وہ ''مِنْكُمْ'' کے مخالف ہے اس لئے کہ اس کے موافق تو ان خلیفوں کا صحابی ہونا بھی ضرور ہے ورنہ یہ لفظ بے کار ہوگا۔ اس کا لغو ہونا لازم آئے گا اس صورت میں کیا وجہ ہے کہ ان کو خلیفہ راشد نہیں سمجھتے۔

(۳۵) '' يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ (سورۃ المائدہ، آیت ۵۴)'' سے یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ مرتدین سے جہاد کریں گے وہ اللہ کے پیارے اور بڑے ہی کامل ہوں گے مگر سواء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے اور کسی نے مرتدین سے قتال نہیں کیا اور خوارج کو مرتدین کہنا ہی نہایت بے جا ہے ان کو بدعتی کہئے نہایت کار۔ کافر بدعتی غرض اسی دین اسی نبی کے معتقد ہیں۔

(۳۶) خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو آیت '' لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (سورۃ الانبیاء، آیت ۲۳)'' (جو وہ کرتا ہے اس سے پوچھ نہیں اور سب کے کاموں کی پوچھ ہوگی) کا کیا جواب ہے۔

(۳۷) بندہ اپنے افعال کا خالق ہے تو '' وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ. (سورۃ الدھر، آیت ۳۰)'' (تم نہیں چاہتے مگر جب اللہ چاہے) کا کیا جواب؟

(۳۸) حدیث اَصْحَابِىْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) بشہادت رسالہ ''المکاتیب'' آپ کی کتابوں میں موجود ہے اس سے صاف مذہب اہل سنت ثابت ہے۔

(۳۹) آیت "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ (سورۂ الاحزاب، آیت ۳۳)" بشہادت سباق وسیاق ازواج کے حق میں نازل ہے اس کا کیا جواب؟ باقی حدیث اہل عبا اہل البیت سے یہ اعتراض نہیں اُٹھ سکتا کیونکہ اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برکت دُعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی اہل بیت ہو گئے علیٰ ہذا القیاس ضمیر مذکر سے استدلال کرنا غلط ہے۔ اَوّل تو یہی کلمہ کُمْ جو ضمیر مذکر ہے دوسری جا حضرت سارہ کے خطاب میں موجود ہے علاوہ بریں یہ اعتراض خدا پر ہوگا۔ شہادت سیاق اور سباق کا جواب نہیں۔

(۴۰) آیت الطیبات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہے اس کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے یہ لفظ جس قدر ان کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اتنا لفظ" لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورۂ الاحزاب، آیت ۳۳)" دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ طیبات صفت مشبہ ہے جو اَصلی پاکیزگی پر شاہد ہے اور " یُذْھِبَ وَیُطَھِّرَ" تجدد پر دلالت کرتے ہیں جس سے اَوّل سے اِتنا پاکیزہ ہونا ثابت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھروسے اہل بیت کو معصوم کہو حالانکہ وہ بھی اصلی نہیں بلکہ اَزواج کی شان میں عارضی ناپاکی زائل ہو جانے پر دستاویز ہے اور باعتبار آیت الطیبات حضرت عائشہ صدیقہ اور سوا ان کے اور ازواج کو معصوم نہیں کہتے اگر چہ مورد خاص ہے پر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴۱) شیعہ کی عورتوں کو مثلاً بوجہ متعہ جو فضائل ﴿**متعہ کے فضائل**

(۱) تفسیر منہج الصادقین پ ۵ کے اَوّل میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسین رضی اللہ عنہ جیسا ہوگا اور جو دو دَفعہ کرے اس کا درجہ امام حسن رضی اللہ عنہ کا سا ہوگا اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ علی بن ابی طالب جتنا ہوگا اور جو چار مرتبہ متعہ کرے اس کا مرتبہ میرے مرتبے جیسا ہوگا۔ (۲) جو شخص دنیا سے رخصت

ہوااور اس نے متعہ نہ کیا تھا وہ قیامت کے دن ناک اور کان کٹا اُٹھایا جائے گا (ایضاً) تو وہ مل سکتے ہیں یا نہیں۔ چوتھے متعہ میں بشہادت تفسیر میر فتح اللہ شیرازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُتبہ میسر آجاتا ہے۔ پانچویں متعہ میں خدائی مل سکتی ہے یا نہیں۔ فقط

(۴۲) نکاح میں جو یہ حکم رہا کہ زمانہ واحد میں ایک شوہر سے زیادہ سے عورت نکاح نہ کر سکے تو فقط بغرض محافظت نسب ہے اور جب نسب پر نظر ہی نہیں جیسے متعہ میں ہوتا ہے چنانچہ جواب متعلقہ متعہ سے خوب واضح ہے۔ تو متعہ دوریہ (قاضی نور اللہ شوستری نے مصائب النواصب میں لکھا ہے کہ نواں اِلزام ہم شیعوں پر یہ ہے کہ کئی آدمی بیک وقت ایک عورت سے متعہ (دوریہ) کر سکتے ہیں اگر چہ وہ حیض والی ہو یہ نسبت افتراء اور جھوٹ ہے۔ ہاں اس وقت (متعہ (دوریہ) بعید نہیں ہے جب کہ عورت کا حیض بند ہو چکا ہو کیونکہ مقصود تو رحم کو دو مردوں کے نطفہ سے بچانا ہے جس طرح کہ عدت میں یہی حکمت مقصود ہوتی ہے تو آئسہ (بند حیض والی) میں یہ حفاظت خود بخود حاصل ہوتی ہے (تو بیک وقت کئی مردوں کے متعہ کرنے سے نہ نطفہ ٹھہرتا ہے نہ خلط ملط کا اندیشہ ہے)۔ ۱۲۔ مہر محمد) بلکہ نکاح دوریہ اور ہبہ زن منکوحہ اور عاریت زن منکوحہ وزن متعہ کیوں جائز نہیں۔ فقط۔

پندرہ (۱۵) سوالات اَز جانب مولوی عبد اللہ صاحب

التماس بخدمت علماء شیعہ کہ ان سوالوں کے جواب معقول مرحمت فرمایئے اور ناحق زمین وآسمان کے قلابے نہ ملایئے ورنہ خلفاء اربعہ کی خلافت ومرتبہ پر ایمان لایئے۔

(۱) بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو کہا تھا ''کہ اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو سوار پیادہ سے بھر دوں'' اگر مہاجرین وانصار نے بے وفائی کی اور عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپایا تو باوجود اس سامان کے پھر وجہ تقیہ کی کیا تھی اور اگر بنو اُمیہ کا اعتبار نہ تھا تو بقول شیعہ مانعین زکوۃ کی وجہ منع زکوۃ کی یہی تھی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق نہیں اس صورت

میں مالک بن نویرہ اور اس کی مانند سردار بنی تمیم اقوام وغیرہ مدد کو موجود تھے اور اتباع امام برحق کے مشتاق پھر اس سب خرابی اُٹھانے اور گمراہی کی جڑ جمانے کی کیا وجہ ہوئی اگر بالفرض حضرت امیر جہاد فرما کر مثل اپنے زمانہ خلافت کے غالب نہ آتے یا مثل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہادت پاتے حجت تو تمام ہو جاتی۔

(۲) امیر المؤمنین اور جملہ ائمہ کے تقیہ کرنے کے راوی وہ لوگ ہیں جو آپ ہی خادم خاص ان حضرات کے بنتے تھے مگر یہ حضرات ان لوگوں کے حق میں بےزاری ظاہر فرماتے تھے اگر کوئی ثبوت تقیہ کا بایں نہج کہ جان بچانے کے لئے دین اور آبرو سب کچھ برباد ہو جائے تب بھی تقیہ ہی کیجئے اگر کچھ سند قرآن وحدیث سے ہو بیان فرمایئے یا عقل سلیم کا تقاضا ہو تو کہئے۔

(۳) انبیاء اور امام ہدایتِ خلق کے واسطے ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے تقیہ کیا اور حق بخوف دشمنوں کے چھپایا تو حق کا چھپانے والا کون ہوا۔ اور آپ لوگوں تک کیوں کر حق پہنچا۔ اور جب دوزبانی ہوئی اور دورَنگ تو تمیز حق کی کیا ہے اور اب لوگوں نے کس نہج سے حق پہچانا۔

(۴) اس زمانے کے بعضے علماء شیعہ یا عوام جو تقیہ نہیں کرتے اب ان کو کیا امن حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ ایسے مامون ہیں کہ تقیہ کی حاجت نہیں تو حضرت امام مہدی کیوں غار "سُرَّمَنْ رَأیٰ" میں اس دم تک غَیبت کُبریٰ میں مصروف ہیں یا حضرت امام خطا پر ہیں۔ یا یہ لوگ خلاف امام عمل کر رہے ہیں۔

(۵) بعد گذرنے زمانہ عباسیوں کے تسلط چنگیز خانی میں جس میں علماء شیعہ کو نہایت فروغ ہوا اور زمانہ سلاطین ایران اور اُمراء ہندوستان میں حضرت امام نے خروج کیوں نہ فرمایا اور اگر دعوت سلطنت میں اُمید بہبود نہ تھی تو بطور ائمہ سابق ان ممالک میں ظہور فرما کر محبین کو ہدایت فرماتے اور اعداء پر حجت قائم کرتے طول عمر امام کا ایک ایسی کرامت ہوتی کہ سُنی تو سُنی یہود ونصاریٰ اور کفار چین وہند پر حجت تمام ہوتی کوئی وجہ معقول ارشاد ہو۔

(۶) شیخین کے باب میں علماء شیعہ کے اقوال مختلف ہیں بعضوں نے منافق اصلی اور بعض نے مرتد بعد واقع غدیر اور بعض نے مرتد بعد وفات اور بعض نے ایمان سے خارج اور اسلام میں داخل اور بعض نے مرتکب اکبر کبائر یعنی حق چھپانے والا کہا ہے۔ ان وجوہ پر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ نادان یا نہایت عاجز تھے اور خداوند کریم بھی ڈرتا اور ان کی نجات پر قادر نہ ہوتا ان باقی صورتوں میں (لازم آیا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہایت بے تاثیر تھی کہ سوادو ایک کے کوئی مخلص نہ رہا اور حضرت امیر المؤمنین کو خمس اور فے ان کے جہادوں کا لینا اور لونڈیوں پر تصرف کرنا کیونکر جائز ہوا اور نہ ان کا لڑنا جہاد تھا اور نہ وہ دین کے مددگار تھے نہ یہ کچھ غنیمت اور فے تھی۔

(۷) مذہب شیعہ خلاف ظاہر ہے اس لئے کہ حضرت امیر سے لے کر تا جملہ ائمہ بظاہر اہل سنت تھے اور شیعہ کو اس میں گنجائش انکار کی نہیں دعویٰ تقیہ جو بہت سے اُمور کا جواب ہے اسی پر مبنی ہے اور اثبات خلافت کے واسطے دلیل یقینی چاہئے وہ کیا دلیل عقلی یا نقلی ارشاد ہو۔

(۸) آیت ''اِنما ولیکم اللہ ورسولہ'' نص نہیں ہوسکتی اور شان نزول اگر خاص ہو تو حکم عام ہوتا ہے اور ''الذین اٰمنوا'' صیغہ جمع کا ہے۔ اور انگشتری دینی نماز میں اس روایت کا کیا ثبوت ہے اور سوائے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی مراد نہ ہو اس کی کیا دلیل ہے۔ اور انگشتری دینا زکوٰۃ تھا جیسا ظاہر لفظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے تو اس میں کیا وجہ کمال کی ہے کیونکہ فرض ادا کرنا ہر مسلمان کا کام ہے۔

(۹) حدیث ثقلین یعنی خطبہ غدیر وہ بھی پوری حجت نہیں مولیٰ کا لفظ مشترک ہے اور اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ (اے اللہ اس سے محبت رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھے) قرینہ محبت کے معنٰی کا موجود ہے پھر شیعہ کے پاس کیا حجت ہے کہ اُمر ضروری کو کہ مثل اِقرار توحید و رسالت ہے ایسے چیستان کی طرح ثابت کرتے ہیں۔

(۱۰) آذان کے اندر جو "اشھدان امیر المؤمنین علی ولی اللّٰہ" مذہب شیعہ میں زائد ہوا ہے اور معمول ہے۔ اگر ایسی آذان زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروّج اور مروی ہوتی آئی ہے تو اس کی سند ارشاد ہوا اور اگر بعد میں ارشاد ہوئی تو کون سے امام وقت میں یہ صورت اعلان مذہب کی ہوئی۔

(۱۱) حضرات! امیر المؤمنین امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو گردن تقیہ کی میدان کربلا میں ماردی علی الخصوص جب سب رفقاء شہید ہو چکے تھے۔ تو اس کی کوئی وجہ معقول ارشاد ہو اور فسق یزید کیا کفر وارتدادونفاق خلفاء سے کچھ بڑا ہوا تھا جو حضرت امام نے ایسا کیا۔

(۱۲) اولاد ائمہ نے جیسے حضرت زید شہید اور یحییٰ بن زید اور اسماعیل نے دعویٰ امامت کیا شیعہ کے اُصول پر ناصبی بلکہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں اور چاہئے یوں تھا کہ اھل البیت ادریٰ بما فیه (گھر والا گھر کی چیز سے زیادہ واقف ہوتا ہے) (کے تحت) نص امامت سے ان کو زیادہ آگاہی ہوتی اور آیت تطہیر کا اثر اور عترت کے متمسک بہ ہونے کی کچھ تو تاثیر ان میں باقی رہتی۔ علاوہ بریں ائمہ نے جو اس زمانہ ہی میں تھے ان کے فعل کو گناہ تک نہ گنا اس کا کیا جواب ہے۔

(۱۳) یہ زمانہ بزعم شیعہ امام سے خالی نہیں اور امام سے یہ غرض ہے کہ حجت قائم ہو اور طالب حق کو حق مل سکے اب امام کی یہ غیبت کہ آشنا و بے گانہ کسی کو رسائی نہیں اب سارے جہان میں موافق ومخالف ہیں کوئی طالب حق نہیں یا دین میں کوئی حاجت پیش نہیں ہوتی یا یہ صورت امام سے خالی ہونے کی نہیں ہوتی اگر چہ یہ وجود عدم کے برابر ہے۔

(۱۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں شیخین کے مناقب برسر منبر بیان فرمائے بلکہ تفضیل (کہ علی رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں) پر حد افتراء سے تہدید کیا اگر یہ تقیہ تھا تو ان مُردے لوگوں سے تھا یا زندوں سے زندے تو آپ کے سب شیعہ تھے اور جاں نثار تھے اور بعض منافق بھی ہوں گے تو ایسے لوگوں کا کیا ڈر تھا اور مردوں سے اتنا ڈر خارج قاعدہ سے

ہے بہت ہوتا سکوت فرماتے یا قلیل سی کچھ تعریف کردیتے اس کی کیا وجہ ہے ارشاد ہو۔

(۱۵) جب اپنی خلافت کے وقت میں حضرت امیر المؤمنین کو حاجت تقیہ تھی تو فرمایئے شیخین کے زمانہ میں اگر خلافت ہو بھی جاتی تو کیا کام نکلتا اس سے معلوم ہوا کہ جز وعدہ موہوم خروج مہدی (علیہ وعلی آباءہ السلام زمانہ غلبۂ حق کا کوئی نہیں ہوا جب گیارہ اِمام اس رنگ کے ہوئے اب بارہویں امام سے باوجود اتنی غیبت کے کوئی عاقل کیا توقع رکھ سکتا ہے اس مخالفت کی کوئی وجہ معقول بیان فرمایئے فقط۔

خط شکایت امیر منشی شیخ احمد صاحب

مع حال صفائی عقیدہ خود بجانب مولوی عبداللہ صاحب

حضرت مولوی صاحب! جوابات جو آپ نے بھیجے ہیں وہ واقعی نہایت عمدہ اور قابلِ تعریف ہیں جس جس معاملہ میں مجھ کو شک واقع ہوا تھا وہ معاملات طے ہوگئے اور جو کچھ معاملات اور شک سے باقی ہیں وہ بوجہ برہمی مزاج خدام میں پوچھ نہ سکا مگر عالم و فاضل کو سوال کے جواب دینے میں سختی اور برہمی کرنی واجب نہیں۔ کیونکہ علماء کا یہی کام ہے اور سائل جس کو پوچھنا کسی اَمر کا منظور ہوتا ہے وہ کس سے پوچھے سوائے عالم کے مگر افسوس کہ یہاں برخلاف معاملہ ہوتا ہے۔ کہ آئندہ سائل سوال نہ کرے فقط بندہ شیخ احمد۔

خط مولوی عبداللہ صاحب بجواب خط منشی شیخ احمد صاحب

مہربان والاشان حسناتہ لاتعد منشی شیخ احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

خاکسار عبداللہ بن مولوی محمد انصار بعد سلام مسنون الاسلام مظہر مراحم ہے کہ خط فرحت پہنچا باعث فرحت بے غایت کا ہوا جو کہ آپ نے شکایت برہمی مزاج کی تحریر فرمائی۔ یہ تحریر بسبب ناواقفیت کُتب مناظرہ کی ہے جب آپ داب مناظرہ سے واقف ہوں گے یہ برہمی بے موقع اور خلاف طبع معلوم نہ ہوگی خصوصاً مذہبی مناظرہ

میں کہ ایک دوسرے کو گمراہ اور ناحق شناس جانتا ہے اس کی تصدیق آپ کو ان تحریرات سے۔ جو کہ سید احمد خان کی طرف بطور فتویٰ ہوئی ہیں۔ ان سے ہو جاوے گی اور واللہ ثم باللہ آپ ہمارے کلام کے مخاطب نہیں بلکہ ہمارے کلام کے مخاطب وہ ہیں کہ جس کی مجاورت سے تم کو یہ شبہات دین متین میں پڑ گئے اور وہ لوگ درحقیقت عندالمسلمین خصوصاً نزد علماء ایشاں ایسے ہی ہیں جیسا کہ ہم نے ان کو لکھا ہے۔

شیعہ تبرا باز کا حکم

کیونکہ سہارن پور میں علماء شیعہ نے اظہار دیا'' کہ ہمارے مذہب میں تبرا فرض عین ہے اور جس طرح بَن پڑے کرتے ہیں یہاں تک کہ دہلیز اور فرش کے نیچے خلفاء کے نام لکھ کر توہین کے لئے رکھتے ہیں''۔ (معاذ اللہ)

جب ان کا یہ حال ہے تو علماء سنیہ موافق قول فقہاء سب الشیخین کفر (شیخین کو گالی دینا کفر ہے) کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ہم نے تمہارے اس شبہ کی پیش بندی کر دی تھی چنانچہ عبارت سوال سے واضح ہے کہ ہم نے مخاطب علماء شیعہ کو بنایا ہے آپ نے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا۔ کہ جو سوالات آپ نے کئے تھے وہ درحقیقت ہم نے شیعوں کی طرف سے سمجھے اور تم کو سفیر محض جانا اس لئے ہم نے انہی سے سوال کئے ورنہ خاص تم سے سوال کرتے، مگر واللہ ہم تم کو سفیر جانتے ہیں کیونکہ درحقیقت آپ کو پوچھنا مدنظر ہوتا تو آپ کو یہاں آنے سے کیا پرہیز تھا جیسے اور لوگ مسئلہ پوچھ جاتے ہیں آپ بھی پوچھ لیتے پر چونکہ آپ نے لکھ کر بھیجے ہیں ہم نے جانا کہ یہ اور ہے در پردہ سوال کرتا ہے کیونکہ آپ کا تو عقیدہ ایسا نہیں اس لئے ہم نے اس کو ہدف بنایا آپ کو کیوں ایسا بُرا معلوم ہوتا ہے۔ ہرگز ہرگز آپ کی طرف خطاب نہیں شوق سے جو چاہو پوچھو تم ہمارے مہربان اور کرم گستر ہو آپ کے حسنِ ظن سے نہایت بعید ہے کہ جو آپ ایسے خطاب اپنی طرف جانیں اور ہماری عین خوشنودی ہے کہ جو شبہات تم کو اور باقی ہوں وہ بھی پیش کرو تا کہ مذبذبین میں نہ رہو اور اپنے دین کی پختگی معلوم ہو جائے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ناواقف کی شفاء سوال ہے یعنی جس کو شبہ لا

حق ہو اس کو پوچھ لینا چاہئے ورنہ شیطان بلکہ بعض انسان صورۃً وشیطان حقیقۃً مثل روافض کے اس شبہ کو اور پختہ کر دیتے ہیں حتیٰ کہ خارج از اسلام ہو جاتا ہے اس لئے التماس ہے کہ ضرور برضرور طبیعت شریف کو شبہات باقیہ سے صاف کر لیجئے آپ کے والد ماجد رُکن دین کے تھے بہ مقتضائے الولد سرٌ لِاَبِیْہِ کے آپ کو بھی صفائی درباب عقیدہ ضرور حاصل کرنی چاہئے جب کہ ہمارے تمہارے اتحاد حاصل ہے تو مناسب یہ ہے کہ آپ بے تکلف تشریف لاکر بالمواجہہ خواہ اعلانیہ یا در پردہ صفائی باطنی کر لیجئے نقل مشہور ہے "شرح میں کیا شرم ہے"۔

عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں

جب تک آدمی اپنے دین کی کتابوں سے واقف اچھی طرح نہیں ہوتا اور دوسرے دِین کی کتابیں نظر سے گذرتی ہیں تو یقیناً شبہات پڑ جاتے ہیں اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات دیکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو منع فرمایا اس واسطے عاقل کو مناسب ہے کہ جب تک طرفین کے دلائل نہ سُنے ایک طرف نہ ڈھل جائے حاکم بھی دونوں کی ہی بات سُن کر فیصلہ کرتا ہے خاص کر دین کے باب میں نہایت احتیاط رکھنی چاہئے اس قاعدہ کو اگر آپ بھی ملحوظ خاطر شریف رکھیں گے تو اِن شاء اللہ کبھی کسی بے دین کے دھوکے میں نہ آئیں گے۔

اور جو کتاب تمہارے سوالات کے جواب میں (آپ کو) پہنچی تھی یہ مدرسہ عربی دیوبند کی طرف سے تھی اور انہی سوالات کے جوابات جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نے میرٹھ سے بھیجے ہیں بعد نقل کے وہ بھی خدمت میں مرسل ہوں گے جیسا کہ جواب مدرسہ سے ازالہ شبہات ہو کر آپ کو نفع حاصل ہوا اِن شاء اللہ مولوی صاحب ممدوح کے جوابات سے اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا اور باقی شبہات اگر پیش کرو تو فبہا ورنہ ان کو بھی شبہات زائلہ پر قیاس کر کے گوزشتر جان لو مگر پیش ہی کرنا اَولیٰ اور اَنسب ہے۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ. فقط

اشعار طبع زاد مولوی عبد اللطیف صاحب سہنسپوری

طالب علم مدرسہ عربی دیوبند ضلع سہارن پور

حمد خدا و نعت نبی میں میری زبان
لرزاں ہے مثل بید کہ ہیبت کا ہے مکاں

کیا تاب ہے قلم کو لکھے وصف چار یارؓ
مداح جن کا آپ ہی رَب دو جہاں

کیا پوچھتے ہو خوبی حضرات اہلِ بیتؓ
مضمون اِنّما اُسے کرتا ہے خود عیاں

اے سالکانِ سنت خیر البشر سنو
شیعوں کا حال نظم میں کرتا ہوں کچھ بیان

شیخین کی جو شان میں کرتے ہیں اعتراض
ہیں محض بے وجود کچھ ان کا نہیں نشان

کرتے ہیں جو خلافت شیخین میں کلام
بے اصل ہے سمجھتے نہیں وہ بد گمان

شیر خدا کی زور شجاعت سے منہ کو موڑ
دھبّہ لگاتیں ہائے تقیہ کا ناگہاں

کہتے ہیں صاف صاف خلافت علی سے لی
اَز راہِ ظلم حضرت صدیق نے میاں

ایسا ہی بن خطاب نے ان سے کیا سلوک
عثمان ذی حیاء کا بھی ایسا ہے یہ بیان

دعویٰ جب حیدر کرار دیکھنا
ٹپکے ہے اس کلام سے جو کچھ ہے دوستان

ظاہر میں پنجتن کی محبت میں دم بھریں
باطن میں سو طرح کی عداوت رکھیں نہاں

عبداللہ بن سبا جو یہودی تھا بد گہر
پیرو اسی کے ہیں یہ سبھی خورد اور کلاں

لعنت پہ جن کی ٹھہرے ہے بنیاد آن کے
پھر وہ محبّ آل نبی ہوں بھلا کہاں

صدیقہؓ جن کی شان میں نازل ہو طیبات
یہ اُن کا منہ جو ان کو کہیں کچھ خدا کی شان

کچھ بھی لحاظ ننگ علی نہیں انہیں
داماد مرتضیٰ کو کہیں میر خائناں

مرثیہ کو کتاب الٰہی سمجھتے ہیں
قرآن کو بتاتے ہیں پنڈت کی پوتھیاں

بولیں کھپاچ خانہ کو سب خانہ امام
مسجد کو گاؤ خانہ سمجھتے ہیں بد زبان

صدہا بنائے شاہ نجف اور کربلا
لکھا بنائیں گورشہ فخر خاندان

ہر سال تعزیہ یہ بنا کر کے روسیاہ
روحِ یزید و شمر کو کرتے ہیں شادمان

کہتے پھرتے ہیں شہر کے کوچوں میں برملا
قید یزید میں ہوا حضرت کا خاندان

اللہ رے یہ حب علی اور یہ گفتگو
پردہ میں دوستی کے کریں دشمنی عیاں

باغ فدک کے باب میں ناگفتنی کہیں لانورث وہ سنتے نہیں ہیں بگوشِ جان
جو جو کہیں ہیں فاطمہ زہرا کی شان میں پھٹ جائے زمین قریب ہے گر جائے آسمان
متعہ کا ایک بہانہ عجب ہاتھ آ گیا مصروف ہے زنا میں ہر ایک پیر اور جوان
وہ ان کے مجتہد تھے کہ جن کے قیاس سے جاری ہوا جہان میں اک فعل لوطیاں
مؤمن وہی ہے جو کہے اصحاب کو بُرا میں نے سُنا ہے بارہا یہ قول شیعیاں
سمجھائے کوئی لاکھ پر یہ مانتے نہیں سُنتے نہیں کسی کی حدیث ہووے یا قرآن
ہیں چند اعتراض قدیمی گھڑے ہوئے کرتے ہیں بار بار وہی پیشِ مؤمناں
علماء دیندار بھی دے کر انہیں جواب تردید میں ہیں مذہب باطل کے جاوداں
ہے شیخ احمد ایک جوان دیو بند میں بھیجے تھے مدرسہ میں سوال اس نے ناگہاں
دیکھا جوان کو مولوی یعقوب نے تمام عبداللہ مولوی کو بلا کر کہا کہ ہاں
دندان شکن جواب لکھوان کا کل تلک تا آئیں راہ راست بدراہ گمراہاں
پھر وہ سوال مولوی صاحب نے جلد تر ایک خط میں بند کر کے میرٹھ کو بھی رَواں
لکھ کر جواب مولوی قاسم نے فی البدیہہ بھیجے وہ دیو بند میں فی الفور اے میاں
عبداللہ مولوی نے بھی ان کا لکھا جواب کس شان واہتمام سے دو دن کے درمیاں
وہ سب جواب مسجد جامع میں الغرض کس لہجہ سے پڑھے گئے پیشِ مشائخاں
شاباش و آفریں کی صدا چار سُو ہوئی احسنت مرحبا کی ندا سے کھلے دہاں
پھر وہ جواب بھیجے گئے جبکہ لکھنؤ ہر مجتہد کی آیا زبان پر کہ الاماں
تاریخ کا جو فکر تھا عبداللطیف کو ہاتف نے کان میں کہا یوں آ کے ناگہاں
کس فکر میں ہے دیکھ لے حالات لکھنؤ چکر میں آ رہا ہے ہر اک مجتہد یہاں (۱۲۹۰ھ)

ایضاً منہ

بفضل خدا طبع فرمودہ اند جوابات شیعہ بطرز نکو
سن انطباعش چو میخواستم ملک گفت رَد روافض بگو (۱۲۹۱ھ)

طبع دوم ۱۴۰۱ھ۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

☆☆☆

اجوبہ اربعین

رَدّ روافض

حصہ دوم

از: حجۃ الاسلام مجدّد دین وعلوم بانی دارالعلوم دیوبند
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
(۱۲۴۸ھ تا ۱۲۹۷ھ)

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعد حمد وصلوٰۃ کے یہ اجوبہ اربعین کا دوسرا حصہ پیش خدمت ہے حضرات شیعہ کی طرف سے جو چالیس سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تھے ان میں سے اَٹھائیں (۲۸) سوالوں کا جواب حصہ اوّل میں دے دیا گیا باقی ماندہ بارہ (۱۲) سوالات میں سے سات سوالوں کے چار سوال بنائے گئے یعنی سائل نے ایک سوال کی مختلف شقوں کو علیحدہ علیحدہ سوال بنا کر پیش کیا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان شقوں کو ایک ہی سوال کے نیچے جمع کر کے سوال کی ایک ہی تقریر کردی اور پھر اس کے جواب میں سوال کی ہر شق کا جواب تحریر فرمایا۔ اس حصہ میں بظاہر بارہ کی بجائے نو سوال و جواب ہیں لیکن حصہ ہذا کا سوال نمبر۲ حقیقت میں تین سوالوں کا جواب ہے جیسا کہ حصہ اَوّل کے سوال نمبر۴ کے جواب میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اشارہ فرمایا ہے اور اسی طرح حصہ ہذا کے سوال نمبر۴ کا جواب حقیقت میں دو سوالوں کا جواب ہے اس میں دو سوال (فدک اور وراثت انبیاء) جمع کر کے ایک سوال کر دیا گیا، اور پھر ایک ہی جواب دیا گیا تو سوال نمبر۴ کا جواب اصل میں دو سوالوں کا جواب ہے یہ حصہ کافی مشکل اور ادق ہے۔ خصوصاً سوال نمبر۳، ۴ کے جواب۔ اس حصہ میں متعہ، فدک وراثت، مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ضمناً کئی اہم مسائل اور دقیق علمی نکات حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمائے ہیں جو صرف پڑھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ان چار جوابوں کے بعد پانچ

جواب گمشدہ سوالوں کے ہیں۔ان کا انداز بیان نسبتاً کافی آسان اور عام فہم ہے۔اس حصہ میں عنوانات اصل میں مولانا مہر محمد صاحب نے قائم کیے ان کی تصحیح مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور فاضل نو جوان مولوی محمد اشرف نے کی اور مفتی صاحب اور مولوی محمد اشرف کی خواندگی کے بعد احقر عبدالحمید سواتی نے بھی اس کی ریڈنگ میں حصہ لیا۔ حوالوں کی تلاش اور عبارات کی درستگی میں مولوی محمد اشرف نے بہت کاوش اور محنت کی ہے بعض حواشی لگائے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے علم اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔

اب اجوبہ اربعین کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان شاء اللہ یہ کتاب استفادہ کے قابل ہوگئی ہے۔

واللّٰہ علی ما نقول وکیل

احقر عبدالحمید سواتی خادم مدرسۃ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ/۲۷/اکتوبر ۱۹۸۱ء

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(عرض ناشر قدیم ۱۲۹۲ھ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ والصلوٰة والسلام علٰى سيد المرسلين وآلهٖ وذريته و صحبه اجمعين

امابعد!

طالب نجات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب لا جواب دوسرا حصہ اجوبہ اربعین کا ہے پہلے حصہ میں اٹھائیس (۲۸) سوال مع جواب چھپے ہیں اب باقی ماندہ بارہ سوالات اہل تشیع کے جوابات جوخاص ریختہ قلم صواب رقم فاضل بےنظیر عالم عزیز خاتم المحققین سلطان المدققین نخبۃ الاکارم جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اس حصہ میں طبع ہوئے اب یہ کل سوالات بھی اور جوابات بھی چالیس چالیس پورے ہوگئے۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر علمی

مگر افسوس کہ اس نالائق کی جی کی جی ہی میں رہی اور جو جی میں نہ تھی وہ بے ساختہ زبان قلم سے نکل گئی یعنی اس کتاب کا دیباچہ میری طرف سے لکھا گیا تو بے اختیار جی میں آیا بلکہ فرض وواجب تھا کہ میں کچھ ذکر خیر جناب مولانا ممدوح سلطان الاذکیاء امام الاتقیا امیر الفقراء تحریر العلماء کا بھی لکھوں اور اس فرصت ومدت قلیل میں اوران کے قلم برداشتہ تحریر مستنیر کی کچھ تعریف واقعی اور توصیف حقیقی بلا مبالغہ بیان

کروں مگر اوّل تو مجھ میں نہ قوت بیانی نہ طاقت لسانی نہ چنداں معنی فہمی نہ سخندانی پھر کس حوصلہ پر فصحاء سے ہمداستانی۔ دوسرے اگر کچھ سُنے سنائے سیکھے اڑائے سٹر پٹر خاک بدتر دو چار حرف شاید لکھ بھی سکتا تو اس اندیشہ نے ہاتھ روکا کہ مبادا صرف ان مزخرفات کے ہی جوابات لکھنے میں کوئی جناب ممدوح کی تعریف کا حصر سمجھ لے یا خدانخواستہ ان جوابات کی عظمت پر سوالات کی متانت اور سائل کی لیاقت پر بھی کسی قدر احتمال کرے اس لئے میری زبان تو دِلی تمنا کے اَدا سے عاجز و قاصر رہی مگر ہاں قلم بے ہودہ رقم سے یہ نسبت سوالات کے نفرین کی جگہ بے ساختہ آفرین نکل گئی کیونکہ اگر اہل شیعہ یہ زہر نہ اُگلتے تو مولانا کی قلم سے یہ مضامین تریاقِ فاروقی کیسے نکلتے اگر یہ لوگ محرک نہ ہوتے تو مولانا ممدوح اہل تسنن کی بے علمی پر رحم فرما کے اپنے احباب کے اصرار سے کیوں اپنے اوقات قدسیہ کو اس طرف ضائع کرتے اور پھر کس ذریعہ و صیلہ سے یہ جوابات دندان شکن اور جواہرات سخن آویزہ گوش ہوتے اس ظلمات میں تو ہم کو آب حیات مِلا ہے شجرۃ الایمان کے سرسبز ونشو ونما ہونے کے لئے یہ عمدہ کھات ملا ہے۔ اسی کسیس نے تو مولانا کے شمشیر قلم کے جوہر دِکھائے ہیں۔ اس خاک نے تو آئینہ قلوب کے زنگ مٹائے ہیں۔ اللہ اللہ۔

یہ لعل بے بہا پائے ہیں ہم نے کوڑے کرکٹ میں

اب ان سوالات کی رکاکت اور ان کے جوابات کی وجہ تحریر کی نسبت جو جناب مولانا لکھتے ہیں وہ دو تین سطریں بھی ہم بلفظہ سوال و جواب سے پہلے لکھ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ''ہر چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے توے میں سے چاند مگر بایں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا ہے اور یوں سمجھ کر کہ ''جواب جاہلاں باشد خموشی''۔ اگر ایسے خرافات کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور بھی جرأت ہوتی جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے مختصر مختصر جوابِ سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق''۔

سوال اَوّل اَز جانب شیعہ

سُنّی کہتے ہیں کہ یہ شیعہ گری کس سے ایجاد ہوئی فقط ایران سے نکاس اس فرقہ کا ہے بے چارے ایران والے تعزیہ نہیں بناتے البتہ اور طرح کی بدعت قبیحہ کرتے ہیں سو اِن شاء اللہ تعالیٰ بیوم الحساب معلوم ہوگا۔ آدمی کو چاہئے کہ جس میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ دے، سنیوں کو معلوم نہیں کہ شیعہ کسے کہتے ہیں اور سُنّی کسے۔ آخر اس کہانی کو کسی کتاب سے کہنا تھا جب کہ سُنّی کے کلام سے معلوم ہوا کہ شیعہ ایران سے ہوئے تو ضرور سُنّی مسلمانوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ذبح اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا پھر یزید ہونے سے کیوں بُرا مانتے ہیں۔

واضح ہو کہ شیعہ اُسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ اثناء عشر علیہم السلام کو جانشین حضرت کا جانے اور سُنّی اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخین رضی اللہ عنہما و جناب امیر معاویہ و یزید و عبدالملک و ولید و ہشام و سلیمان و ولید بن یزید کو اعتقاد کریں چنانچہ تصریح کی اس کی ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں صفحہ ۱۵۰ اور ابن حجر عسقلانی نے و ملا علی قاری شارح فقہ اکبر و قاضی عیاض وغیرہم نے کی ہے۔

جواب (سوال) اَوّل

ہندوستان میں شیعیت ایران کی بدولت پہنچی

اجی صاحب اتنا کیوں برا مانتے ہو اور مذہب شیعہ کے ایران سے نکلنے سے ایسا کیوں کانوں پر ہاتھ دھرتے ہو سُنیوں کا یہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ لئے یہ فرقہ یوں تو بہت دِنوں سے کارفرمائے بدعت و فساد ہے ہاں ہندوستان میں یہ بدعت البتہ ایران ہی کی بدولت پہنچی ہے نہ ہمایوں اور بادشاہان ایران کے باہم یہ ربط و اتحاد ہوتا نہ وہاں کے اُمراء علماء یہاں آکر سادہ لوحان ہندوستان کو گمراہ کرتے بالجملہ ہندوستان میں یہ فساد ایرانیوں ہی کے طفیل پھیلا ہے۔ ورنہ یہ فرقہ یوں تو قدیم سے چھپا چھپایا چلا آتا تھا۔

شیعہ کی بدعہدی و مظالم

اور انہی صاحبوں نے جگر گوشہ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا حضرت شہید کربلا رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تفصیل اس بات کی مطلوب ہے تو کان دھریئے اور سُنئے کوفیان باوفا جنہوں نے سالہا سال داد شیعہ گری دی تھی پھر حضرت مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر گئے اور میدانِ کربلا میں آ کر خون شہیدان اہل بیت علیہم السلام سے دشتِ کربلا کو رنگین کیا۔ کوئی صاحب حضرات شیعہ سے پوچھے یہ کون تھے اور کس کے مرید تھے حضرت امیر رضی اللہ عنہ رونق افروز کوفہ رہے یا حضرات اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم ۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یہی مدعیان محبت تھے۔ جنہوں نے دعویٰ تشیع کر کے انجام کار بے وفائی کی یا اور کوئی ؟ بالجملہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی رکاب میں ہمیشہ یہی مدعیان دروغ رہے جن کی مداخلت کے باعث دوستان با اخلاص کو رسائی نہ ہونے پائی۔ الغرض یہی باوفایان بے وفا حضرات ائمہ رحمہم اللہ کو ہمیشہ دھوکا دیتے رہے۔ حضرت امیر علیہ السلام کی شکست کا باعث یہی ہوئے اور حضرت مسلم کو انہوں ہی نے شہید کرایا حضرت سید الشہداء و شہید کربلا کی جان نازنین پر انہی کی تیغ ستم چلی حضرت زید شہید صاحبزادہ حضرت سجاد رحمۃ اللہ علیہ انہی بزرگواروں کے بھروسے جاں بحق ہوئے۔ سُنّی بے چارے تمہارے گمان کے موافق کس دن ساتھ ہوئے تھے؟ سچ یوں ہے حضرات شیعہ، نائبان یزید و شمر اور کارپردازان عبداللہ بن زیاد ہیں۔ ﴿ملاں محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں ’’شیخ مفیدؒ وغیرہ نے بسند ہائے معتبر روایت کی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے بیعت کی اس وقت عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی بھی آپ کی بیعت کرنے آیا جناب امیر علیہ السلام نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ وہ تین مرتبہ آپ کی خدمت میں آیا اور تیسری دفعہ جناب امیر علیہ السلام سے بیعت کی جب وہ پلٹا جناب امیر علیہ السلام نے دوبارہ اس کو بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور اس سے پختہ وعدہ لیا‘‘۔ (جلاء العیون مترجم ص ۲۸۱، ۲۸۲، ج ۱)﴾ عبداللہ بن زیاد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ملاں صاحب لکھتے ہیں ’’پس

معاویہ نے زیاد کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا چونکہ وہ شیعوں کو پہچانتا تھا اور ایک مدت تک جناب امیر علیہ السلام کے ہمراہ رہا تھا"۔ (ایضاً ص۴۲۴، ج۱) قاتلانِ جگر گوشہ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کون لوگ تھے شیعہ کا اپنا اقرار ملاحظہ ہو: "پھر بیس ہزار اہل عراق نے امام حسین سے بیعت کی اور جنہوں نے امام حسینؓ سے بیعت کی تھی خود انہوں نے امام حسینؓ کے مقابلہ میں شمشیر کھینچی اور ابھی بیعت امام حسین علیہ السلام ان کی گردنوں پر تھی کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا اس کے بعد ہمیشہ اہل بیت پر ستم کئے ہم کو ذلیل کیا"۔ (ایضاً ص۴۲۱، ج۱)

قاتلان امام حسن رضی اللہ عنہ کی نشاندہی شیعہ کا اپنا اقرار جب امام حسن رضی اللہ عنہ کو مدائن میں خنجر مارا زید بن وہب جہنی امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اس وقت آپ دردالم کی حالت میں تھے۔ زید نے کہا یا بن رسول اللہ کیا مصلحت ہے۔ تحقیق کہ لوگ اس کام میں متحیر ہیں حضرت نے فرمایا قسم بخدا اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں اور میرے قتل کا ارادہ کیا اور میرا مال لوٹ لیا" (ایضاً ص۴۱۶ ج۱) دیکھو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ہی نہیں کہا بلکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا تجربہ بھی ان لوگوں کے بارے میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔۱۲ (محمد اشرف۔۔۔)

زمانہ کے گذر جانے سے ناچار ہیں ورنہ جو کچھ کرتے حضرت امام ہی کے ساتھ کرتے۔ ناچاری ان کے مقبرہ کی تصویر اور ان کے ہمراہیوں کی نعشوں کی خبر لیتے ہیں ڈھول بجاتے ہیں علم اُٹھاتے ہیں شدی دکھلاتے ہیں یہ کام اس روز کس نے کئے تھے۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اہل سنت حق چار یار کے قائل ہیں

اور یہ سچ ہے کہ سُنّی اَصحاب اَربعہ یعنی چار یار کو بہ ترتیب معلوم جانشین حضرت سید

المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد (موعود علی منہاج النبوۃ) اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبدالملک وغیرہ کو سُنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موعود) نہیں سمجھتا۔ ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے۔ دروغے راجزا باشد دروغے۔ اس لئے یہ عرض ہے کہ حضرات شیعہ البتہ ان بزرگواروں کو امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں ورنہ یوں ان کا اتباع نہ کرتے کہ حضرت امام ہاتھ نہ لگے تو ان کے روضہ کے بانس جدا کر ڈالے اور حضرت قاسم پر بس نہ چلا تو ان کی نعش پر تیر چلا کر دل کے پھپولے پھوڑے۔ مرثیے گائے اور شادیانے بجائے باقی جو آپ ابن حجر مکی اور ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری اور قاضی عیاض کا حوالہ دیتے ہیں یہ آپ کا قصور نہیں یہ آپ کے مذہب کی خوبی ہے تقیہ کی آڑ میں جہاں خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سینکڑوں طوفان باندھے خدا والوں اور رسول والوں پر بھی ایک تہمت لگاتے چلئے تو کیا بے جا کیا۔ اجی صاحب اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے خلیفہ راشد نہیں سمجھتے اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں۔ ﴿ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''درجہ اوّل:۔ خلافت راشدہ خاصہ جس کو خلافت علی منہاج النبوت بھی کہتے ہیں۔ یہ درجہ خلافت سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اوّلین میں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر مثل بدر واحد وحدیبیہ وتبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں اور آیات الٰہی کے وعدوں کے موعود لہم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ اور مستحق خلافت ہونا بیان فرمایا ہو اور ان کا خلیفہ بنانا اُمت پر لازم کر دیا ہو اور دین الٰہی کی تمکین ان کے ہاتھ سے ہوئی ہو۔ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انہی پر ختم ہو گیا ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ بیٹھے ہیں اور یہ تینوں خلیفہ مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس طرح چاہتے ہیں ان لکڑیوں کو حرکت دیتے ہیں اور جو کام چاہتے ہیں ان سے لیتے ہیں یہ تینوں خلیفہ مثل گراموفون کے ہیں۔ کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی مقدس آواز بھری ہوئی ہے جو آواز ان سے نکل رہی ہے ان کی آواز نہیں بلکہ سرورِ اَنبیاء کی آواز ہے ان تینوں خلافتوں میں بھی شیخین کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے، درجہ دوم خلافت راشدہ مطلقہ یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجہ سے رُتبہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت ارفع ہے ۔ آسمان نسبت بعرش آفرد و ورنہ بس عالی ست پیش خاک۔ یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لئے ہے جن کا مستحق خلافت ہونا صاحب فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہو مگر اُمت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا ہو۔ یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف کو حاصل تھا اور چھ مہینے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی اس سے مراد یہی دونوں قسمیں ہیں خلافت کی۔ قسم سوم:۔ خلافت عادلہ۔ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اس درجہ کے حاصل ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع شرائط ہو اور مقاصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں اس کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی قسم میں داخل ہے اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل ہوئی ہیں کہ بوجہ خلافت راشدہ کا ہم رَنگ ہونے کے بعض علماء نے اُن کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت، اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے۔ قسم چہارم:۔ خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ۔ یہ درجہ بالکل ہم رَنگ بادشاہت وسلطنت ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں صرف بڑی بڑی شرطیں مثل اسلام وعقل وبلوغ وذکورت وحریت وغیرہ ان میں پائی جاتی ہوں بعض خلفائے بنی اُمیہ واکثر خلفائے عباسیہ اسی قسم میں داخل ہیں۔ تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء مقصد اوّل ملاحظہ فرمائیں۔۱۲۔ (مقدمہ تفسیر آیات خلافت ص ۲۹، ۳۰) محمد اشرف

مُلک اور مَلکِ کا لفظ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اور اَنبیاء علیہم السلام کے لئے بھی آیا ہے

حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ (ہم نے ان کی

حکومت کو مضبوط کیا) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان میں **وَهَبْ لِیْ مُلْكًا** الخ (اے رب مجھے بادشاہی دے) وارد ہوا (ہے)۔ بلکہ خود آپ خداوند کریم اپنی شان میں **لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ** اور **لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ** ﴿آج بادشاہی کس کی ہے صرف ایک خدائے زبردست کی﴾ فرماتا ہے پر اس لفظ سے کسی خوش فہم نے یہ نہ سمجھا کہ جناب باری اور یہ دونوں نبی علیہما السلام بھی ایسے ہی تھے جیسے اور ملک والے مثل نمرود شداد اور فرعون کے گذرے ہیں یا بادشاہان مذکور فقط بوجہ ملک داری خدا اور انبیاء علیہم السلام مذکورین کے برابر ہوگئے۔ یہ خوش فہمی البتہ شیعہ حضرات پر ختم ہوئی اور لفظ مُلک کو جو میم کے پیش کے ساتھ ہے، کچھ چنداں مفید مطلب اہل سنت نہیں سمجھتے تو کلام اللہ ہی میں الملک (بادشاہ) لام کے زیر اور میم کے پیش کے ساتھ فرماتے ہیں اگر کلام اللہ یاد نہ ہو اور کیوں ہوگا تو اٹھائیسویں پارہ میں سورۂ حشر کا مطالعہ فرمائیں۔ اور یہ فرمادیں کہ لفظ مَلِک جو میم کی زبر اور لام کی زیر سے ہے کیا معنی ہیں؟ بادشاہ کو کہتے ہیں یا کچھ اور معنی ہیں۔ اگر حضرات شیعہ اس بات کو تسلیم کریں کہ لفظ مذکور معنی بادشاہ ہے اور بادشاہ سب ایک رنگ کے ہوتے ہیں۔ خواہ یوں کہو کہ بادشاہان مذکور خدا کی سی شان رکھتے ہیں، یا خداوند کریم معاذ اللہ ان کا ہم رَنگ تھا تو اہل سنت والجماعت کی طرف سے ہم ذمہ کش ہیں کہ ہم بھی جس کو خلیفہ کہا کرتے ہیں اس سے خلیفہ راشد مراد لیا کرتے ہیں۔

اور اگر حضرات شیعہ اس بات میں تین پانچ کریں تو بڑی ستم کی بات ہے کہ اہل سنت پر مفت الزام لگاتے ہیں اور آپ نہیں شرماتے، اجی حضرت! اہل سنت گو سب کو خلیفہ کہیں پر (موعود) خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یار ہی کو سمجھتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بُری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے، سو خلیفہ راشد تو چار یار ہی تھے اور یزید، ولید، عبدالملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وحضرت امیر رضی اللہ عنہ کا معاملہ حضرت ہارون وموسیٰ علیہما السلام جیسا تھا

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں۔ ﴿حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ولید ویزید سے الگ ذکر خیر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خلیفہ عادل لائق ہونے کی صراحت ہے کہ گو آپ سابق مہاجرین کے سردار چاریار کی طرح راشد اور موعودہ خلیفہ نہ تھے مگر بعد والوں کی طرح جائر اور نالائق جانشین بھی نہ تھے اس تمام سیاق وسباق کا نتیجہ یہی سمجھنا چاہئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یا مؤلف کے حق میں بدگمانی ہرگز نہ رکھنی چاہئے"۔ (مصحح ۱۲۔ مہر محمد﴾ ہاں فضیلت، صحبت اور بزرگی صحابیت اور اخوۃ اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اور اس لئے سب کے واجب التعظیم ہیں جو بُرا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے۔ کیونکہ خداوندکریم تمام صحابہ کی نسبت فرماتا ہے "یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (سورۃ التحریم، آیت ۸)" جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رُسوا نہ کرے گا۔ سو جو کوئی اس پر بھی ان کو رُسوا کرنا چاہے وہ خدا کا مقابل ہے ہم کو تو اَب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر میں یہ جھگڑے قضیے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں انکار کی گنجائش نہیں ورنہ اے حضرات شیعہ خوف کفر ہے پھر سبھی کو بزرگ سمجھنا لازم ہے۔

مناقشات صحابہ رضی اللہ عنہم نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ذکر ہے تاریخوں میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار، تو اس پر حضرت موسیٰ وغیرہ کو باوجود مناقشات معلوم بُرا نہیں کہتے اگر

ایسا ہی ان حضرات کو کچھ نہ کہو تو کیا پیٹ پھول جائے گا کلام اللہ کے مخالف نہیں، حدیث کے منافی نہیں اگر ہے تو موافق ہے۔

بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بدمعاش بیٹھ جائے تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔ ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ (۵) چھ (۶) مہینے کے لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے دوسرا خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور مَلِک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں یزید اور عبدالملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ہاں عمر بن عبدالعزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ فقط۔

شیعہ کے منافی اسلام خصائص

باقی رہی یہ بحث کہ شیعہ کسے کہتے ہیں اور سُنّی کسے کہتے ہیں سو اس سے ہمیں کیا بحث؟ پر بات میں بات آ گئی تو ہم بھی تفصیل وار نہیں تو بالاجمال ہی اس اَمر میں کوئی چٹکلا سناتے چلیں۔

صاحبو! شیعہ اتنی ہی باتوں سے نہیں ہو جاتا شیعہ ہونے کے لئے بڑے بڑے سامانوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور باقی ائمہ اطہار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھے دوسرے یہ کہ ان کی نسبت نزول وحی کا بھی اعتقاد رکھے تیسرے یہ کہ ان حضرات کو درباره نسخ احکام مختار سمجھے۔ ﴿کافی کلینی میں اس کے علاوہ اس سے عجیب تر یہ بھی ہے کہ امام جعفر صادق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حضرت علی کی شریعت کے قائل ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مرتبہ اور واحد واجب الاتباع مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ''امام ابوعبداللہ فرماتے جو شریعت علی لائے ہیں میں وہ لیتا ہوں جن باتوں سے وہ روکیں رُکتا ہوں ان کو وہی شان ملی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہے اور محمد

کی فضیلت تمام مخلوق الٰہی (بجز علی رضی اللہ عنہ) پر ہے۔ آپ پر معترض خدا اور رسول پر معترض ہے کسی چھوٹی بڑی چیز میں آپ پر تنقید کرنے والا مشرک باللہ کی طرح ہے امیر المؤمنین وہ دَروازہ ہیں کہ صرف ان سے اسلام میں داخلہ ہوتا ہے یہ وہ واحد راستہ ہے کہ جو اسے چھوڑ کر چلا وہ ہلاک ہوگیا اور یہی شان و مرتبہ یکے بعد دیگرے باقی ائمہ بھی رکھتے ہیں۔ (اُصول کافی ص ۱۱۷، ج ۱، طبع لکھنؤ)۔ ۱۲۔ مہر محمد۔ سو سمجھنے والے اب سمجھ گئے ہوں گے کہ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیّین ہونا بالکل بے معنی ہو جائے گا کیونکہ حضرات ائمہ جب در بارہ تحریم و تحلیل احکام خود مختار ہوئے چنانچہ جملہ "**یحلون ما یشاء ون و یحرمون ما یشا ؤون**" جو کتاب نوادر میں اسی بارے میں موجود ہے اس مطلب کے لئے دلیل قاطع ہے تو ان کی نبوت میں حالت منتظرہ ہی کیا باقی رہ گئی گو اطلاق اسم نبی ان پر نہ کیا جاوے اور دَرصورت ثبوت نبوتِ حضرات ائمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا بطلان ایسا ظاہر و باہر ہے کہ کوئی کور باطن ہی انکار کرے تو کرے بلکہ اگر فہم سلیم ہو تو جملہ "**یحلون ما یشاء ون و یحرمون ما یشا ؤون**" سے فقط انکار خاتمیت ہی نہیں نکلتا اس انکار کے ساتھ حضرات ائمہ کا جملہ انبیاء سے افضل و اعلیٰ ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے۔

ان تینوں باتوں کے سوا دو اَمر اور بھی شیعہ بننے کے لئے ضروری ہیں بلکہ اگر ان کو اَصل اُصول مذہب تشیع کہا جائے تو مناسب ہے۔

اَوّل بدا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نعوذ باللہ ناعاقبت اندیش اور عواقب اُمور سے جاہل محض ہے۔ دوسرے تقیہ جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء و ائمہ تو ہمات اور انکار کے بھروسے ہم رَنگ کفار و فساق بنے رہے اور بوجہ خوف اعداء ہمیشہ فرائض و ضروریات دین کو چھپاتے رہے۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

شیعہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں

ان شروط کے بعد ایک شرط شیعہ ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چند حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت کا برائے نام دعویٰ کر کے باقی جملہ حضرات اہل

بیت کو کلمات گستاخانہ مثل کافر و فاسق و خالد فی النار کے ساتھ یاد کیا جاوے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ شیعہ بہ نسبت اَزواج (مطہرات) عموماً اور بہ نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا محبوبہ خاص حضرت خاتم النبیین خصوصاً کیا کیا ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ اَزواج مطہرات کا اہل بیت رضی اللہ عنہم میں داخل ہونا شرعاً وعرفاً و عقلاً ظاہر و باہر ہے اس کے سوا حضرت رُقیہ و حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما کو بخلاف جملہ علماءِ سنت و اہل تاریخ بلکہ خلاف احادیث و اشارات قرآنی جناب ختمی مآب کی صاحبزادیوں میں ہی نہیں کہتے اور نسب سے ہی خارج کئے دیتے ہیں۔

شیعہ ائمہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں

علاوہ ازیں زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ اوران کے بیٹے یحییٰ بن زید کو دشمن سمجھتے ہیں۔ جعفر بن موسیٰ کاظم (اور جعفر بن نقی برادر حسن عسکری) کو ملقب بکذاب کر رکھا ہے۔ حسن بن حسن المثنٰی وغیرہ کو کافر و مرتد و خالد فی النار جانتے ہیں اس کے سوا اور عقائد و خصائص مذہب شیعہ کو اس پر قیاس کر لینا چاہئے۔

قیاس کُن زگلستان شان بہار شان

پھر باوجود ان ظلمتوں اور گستاخیوں کے جو شیعہ حضرات اہل بیت کی شان میں کرتے ہیں اگر کوئی شیعہ محبت اہل بیت کا بغرض محال دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مذہب حضرت سید المرسلین صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ اجمعین کا تعلیم کردہ ہو ورنہ آپ ہی کی اولاد کو کیوں قتل کرتے۔

مذہب شیعہ کا بانی یہودی تھا

ہاں یوں کہئے کہ آپ کے پیشوا عبداللہ بن سبا یہودی ﴿ ذَکَرَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ سَبَا کَانَ یَهُوْدِیًّا فَاَسْلَمَ وَوَالٰی عَلِیًّا علیه السلام وَ کَانَ یَقُوْلُ وَهُوَ عَلٰی یَهُوْدِیَّتِهٖ فِیْ یُوْشَعَ بْنِ نُوْنَ وَصِیُّ مُوْسٰی بِالْغُلُوِّ فَقَالَ فِیْ اِسْلَامِهٖ بَعْدَ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فِیْ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السلام مِثْلَ ذٰلِکَ

وَكَانَ اَوَّلُ مَنْ اَشْهَرَ الْقَوْلَ بِفَرْضِ اِمَامَةِ عَلِيٍّ وَاَظْهَرَ الْبَرَاءَ ةَ مِنْ اَعْدَائِهٖ وَكَاشَفَ مُخَالِفِيْهِ وَاَكْفَرَهُمْ فَمِنْ هٰهُنَا قَالَ مَنْ خَالَفَ الشِّيْعَةَ اَصْلُ التَّشَيُّعِ مَاخُوْذٌ مِنَ الْيَهُوْدِيَّةِ. (رجال کشی ص ۱۰۱، طبع کربلا) ۱۲. محمد اشرف﴾

ترجمہ ''بعض اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر وہ مسلمان ہوگیا اور اس نے علی علیہ السلام سے دوستانہ کیا اور یہ یہودیت کی حالت میں غلو کے ساتھ یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا، یہ ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے امامت علی کے فرض ہونے کو مشہور کیا اور ان کے دشمنوں پر تبرا کیا اور ان کے مخالفوں سے کُھل کھیلا اور ان کو کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالف کہتے ہیں شیعت کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے''۔) نے اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اَوّل اَوّل تو یہ لوگ یونہی چُھپے لُکے رہے اور جیسے خوارج اور معتزلہ وغیرہ فرقہ ہائے باطلہ گنے چُنے تھے یہ بھی دس دس پانچ پانچ کہیں ہوتے تھے۔ پھر جب اتفاق سے سلاطین ایران نے یہ مذہب قبول کیا تب البتہ اس مذہب کو کسی قدر فروغ ہونا شروع ہوا مگر پھر بھی بحمد اللہ ایران میں بھی اہل سنت بہت ہیں اور کیوں نہ ہوتے وہ ملک کس کا فتح کیا ہوا ہے مع ہذا یہ فروغ اہل سنت کے فروغ کے سامنے ایسا ہے جیسے آفتاب کے سامنے کرم شب تاب (جگنو) کا فروغ۔ اب فرمایئے آپ کو یہ کہنا مناسب ہے یا ہم کو کہ ان شاء اللہ یوم الجزاء میں معلوم ہو جائے گا۔ آدمی کو چاہئے کہ جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ دے اپنے قصور کو اہل سنت کے ذمہ لگاتے ہو اور اللہ سے نہیں شرماتے اہل کوفہ سب شیعہ تھے ہاں یزید اور عبداللہ بن زیاد کو اگر یوں کہو کہ وہ شیعہ نہ تھے تو بجا ہے مگر ان کو سُنّی ہی کون کہتا ہے وہ نہ سُنّی تھے نہ شیعہ تھے ناصبی تھے۔ بہرحال آدمی کو چاہئے جس بات میں داخل نہ ہو اس میں دخل نہ دے مگر ہاں ایک حساب سے آپ نے بھی سچ فرمایا بے شک اس مذہب فاسد کی جزاء روزِ قیامت ملے گی۔

سوال دوم از جانب شیعہ

شیعہ کے نزدیک خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہوسکتی

سُنّی کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر رضی اللہ عنہ امام اور بعد ان کے عمر رضی اللہ عنہ امام تھے سو واضح ہو کہ بعد مرتبہ نبوت کے مرتبہ خلافت اور امامت کا ہے جس طرح خلقت اپنی طرف سے رسول اور نبی نہیں بنا سکتی اسی طرح امام وخلیفہ بھی نہیں بنا سکتی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر رضی اللہ عنہ بعد اُن کے عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ وامام تھے تو مذہب شیعوں کا باطل اور اگر امامت اور خلافت ان کی باطل ہو تو مذہب سنیوں کا جھوٹا ہے۔ پس باتفاق سُنّی وشیعہ منصب امامت وخلافت واسطے شیخین کے کسی آیت وحدیث سے ہرگز ثابت نہیں بلکہ آیت قرآنی لا ینال عهدی الظالمین یعنی نہیں پہنچتا عہد میرا ظالمین کو اس سے بھی لائق عہدہ امامت کے شیخین نہیں ہو سکتے۔ فضل اللہ روز بہاں ''اِبطال باطل'' میں تصریح کرتا ہے کہ ابوبکر وعمر نے باجماع اصحاب خلافت آنحضرت کی پائی۔ یہ فقیر کہتا ہے کہ جیسا اجماع سے نبوت نبی کی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح امام کی امامت خلقت کے بنانے سے ثابت نہیں ہوتی امام میں بہت سی شرطیں ہیں اعلم الناس ازہد الناس۔ اورع الناس اعدل الناس اشجع الناس افضل الناس افصح الناس ارحم الناس تاکہ خلقت کو اس سے ہدایت ہووے اور امام ایسا ہو کہ دوسرے شخص اس سے مسائل دینیہ میں ہدایت پاویں۔ اگر ایسا امام ونائب نبی کا درباب شرعیہ محتاج دوسرے کا ہو۔ پھر وہ نائب رسول کس بات میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلقت کو ہدایت فرماتے تھے اور ہر طرح کے شکوک رفع کرتے تھے اسی طرح خلیفہ ہونا چاہئے کہ اس کی طرف تمام خلقت علوم خدا میں رجوع کریں اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی وتشفی کرے تاکہ خلافت نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے ثابت ہو۔ پس شیخین نہ اعلم الناس نہ ازھد الناس الخ تھے۔ قبل از اِسلام بت پرستی وغیرہ گناہ کبیرہ وصغیرہ میں مشغول تھے پھر تعجب

ہے کہ کس طرح خلافت شیخین کی برحق ہوئی۔ اور انتظام دنیاوی ملک کا فتح کرنا باعث خلافت حقہ کا نہیں ہوسکتا جیسا کہ تیمور بادشاہ نے بکثرت ملک فتح کیا، نائب ہونا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لازم نہیں آتا اور جناب امیر میں یہ سب صفات موجود تھیں۔ حاصل تقریر مجملاً یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت قرآن وحدیث سے ہرگز ثابت نہیں پس جو کوئی ان کو خلیفہ رسول اعتقاد کرے وہ خلاف قرآن وحدیث کے ہے پس جب کہ خلافت ان کی باطل ہوئی تو مذہب اہل سنت باطل ہوا۔

جواب سوال دوم

امامت وخلافت کا نبوت پر قیاس مع الفارق ہے

اس سوال میں تو آپ نے اپنے گمان میں آسمان کے تارے توڑ لئے اور ایسی ڈھنگی لی (گھٹیا باتیں کی) کہ خدا کی پناہ۔ مگر صنعت قیاس مع الفارق تو کوئی آپ سے سیکھ جائے۔

فرماتے ہیں کہ بعد مرتبہ نبوت کے خلافت و امامت کا مرتبہ ہے جس طرح خلقت اپنی طرف سے رسول نہیں بنا سکتی اسی طرح امام وخلیفہ بھی نہیں بنا سکتی۔ خدا خیر کرے شاید اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ یہ بھی کہنے لگیں کہ خلیفۂ نبی بھی نبی اور رسول ہی ہونا چاہئے اور انصاف سے دیکھئے تو یہ کام آپ کر چکے کیونکہ حضرات ائمہ کو در بارہ نسخ وتبدیل احکام شرعی مجاز ومختار کہنے کے، سوا اس کے اور کیا معنیٰ ہیں کہ حضرات ائمہ کو بھی مرتبہ نبوت حاصل ہے مرحبا جناب ختمی مآب کی خاتمیت بلا سے باطل ہو جائے مگر اپنے قیاس فاسد میں ذرا خلل نہ آئے ایسے مدعیان اسلام کے ہوتے کفار دشمنان دین کو کون پوچھتا ہے۔ شعر۔

آنچہ بفیضی نظر دوست کرد
حیف کہ آن دشمن جانی کند

اور کیا عجب ہے کہ حضرات شیعہ اسی قیاس کے بھروسے در بارہ نائبان ائمہ مثل قضاۃ وغیرہ اور رفتہ رفتہ مجتہد ﴿ چنانچہ ائمہ کے بعد مجتہدین کو حلال وحرام سازی اور فرض

اطاعت کا حق نبوت دے چکے ہیں مشہور فاضل محقق شیخ عباس قمی منتہی الآمال ص ۲۳۷ ج ۲ میں رقمطراز ہیں: ''لائح وواضح است کہ مخالفت حکم مجتہدین کہ حافظان شرع حضرت سید المرسلین اند باشرک دریک درجہ است پس ہر کہ مخالفت حکم خاتم المجتہدین ووارث علوم سید المرسلین ونائب الائمۃ المعصومین کند ودر مقام متابعت نباشد بے شائبہ ملعون ومطرود ودرین آستاں ملائک آشیاں مطرود است وبسیاسات عظیمہ وتادیبات بلیغ مواخذہ خواہد شد کتبہ طہماسب بن شاہ اسماعیل صفوی موسوی''۔ (ترجمہ: ''بالکل روشن اور واضح ہے کہ مجتہدین کے حکم کی مخالفت جو حضرت سید المرسلین کی شریعت کے محافظ ہیں۔ شرک کے درجہ میں ہے پس جو کوئی ائمہ معصومین کے نائب علوم رسول کے وارث اور خاتم المجتہدین کے حکم کی مخالفت کرے اور ان کی تابع داری نہ کرے وہ بلا شبہ لعنتی۔ پھٹکارا ہوا اور اس ملائکہ کے آستانہ سے دُھتکارا ہوا ہے اسے بڑی سزائیں دی جائیں اور خوب سخت گوشمالی کے ساتھ اس کا مواخذہ کیا جائے یہ فتویٰ طہماسب بن شاہ اسماعیل صفوی موسوی نے لکھا ہے۔ ۱۲۔ مہر محمد ﷺ بننے کے لئے یہی مثل نائبان انبیاء علیہم السلام معصوم وافضل الناس ومنصوص من اللہ ہونے کی شرط لگانے لگیں۔ ادھر حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ خداوندی ہونا خود کلام اللہ میں موجود۔ اس پر مسجود ملائک ہونا جو آیات متعددہ سے ثابت ہے۔ اس کا مؤید، پھر ضرور اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ بہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام ضرور معتقد اُلوہیت وجمیع صفات خداوندی ہوں گے سبحان اللہ قیاس ہو تو ایسا ہو۔

تقرر امام نص کے بجائے شوریٰ سے بھی ہوتا ہے

اس کے سوا ہم کہتے ہیں کہ تقرر امام بواسطہ وحی کوئی اور کہے تو کہے شیعہ کس منہ سے کہتے ہیں دیکھئے ''نہج البلاغہ'' جو شیعوں کے نزدیک قرآن سے بھی زیادہ معتبر ہے اس میں حضرت امیر اپنی خلافت کی حقیقت کے ثبوت کے لئے بمقابلہ امیر معاویہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں:

'' انما الشوری للمهاجرين والانصار فان اجتمعوا على رجل و سموه اما ما كان ذالك لله رضىً ''.

ترجمہ ''یعنی معتبر درباره تقرر خلیفہ مہاجرین و انصار کا مشورہ ہے سو مہاجرین و انصار جس شخص کو بالا تفاق خلیفہ بنالیں وہی عند اللہ پسندیدہ ہوگا''۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس درباره ثبوت خلافت کوئی نص صریح موجود تھی تو جناب امیر نے اس کو کس روز کے لئے چھپا رکھا تھا۔ کیا قیامت کو کام آئے گی۔ حالانکہ شوریٰ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں تو آخر کس قدر مجال گفتگو بھی تھی نص صریح تو ہر کسی کے نزدیک واجب التسلیم ہے اس کو چھوڑ کر اُس کو اختیار کرنا اس پر حجت قاطع ہے کہ حضرت امیر کے پاس درباره خلافت کوئی نص موجود نہ تھی ورنہ وفات نبوی کے بعد سے لے کر اخیر عمر تک کبھی تو ظاہر ہوتی۔ بالجملہ بفرض محال امام کا منصوص من اللہ ہونا کوئی اور ضروری کہے تو کہے مگر شیعہ کو تو بوجہ ارشاد مرتضوی اس کا قائل ہونا در پردہ جناب امیر کے قول کی تکذیب کرنی ہے۔

خلیفہ خاص کا تقرر نص سے نہیں ہونا چاہئے عقل نقل کا یہی تقاضا ہے

علاوہ ازیں اور بھی روایتیں کُتب شیعہ میں اس کی مؤید موجود ہیں بلکہ احادیث مرفوعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود استفسار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بالتخصیص کسی کا نام لے کر خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ ہاں یہ پتہ ونشان بطور قواعد کلیہ جو قیامت تک تقرر خلیفہ کارآمد ہوں بیان فرمائے اور یہی اَمر قرین عقل بھی ہے۔ کیونکہ خاص خلیفہ کا تقرر جانب شارع سے ہونا موجب حرج عظیم ہے۔ ❁امام اہل سنت مناظر اسلام مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خلافت کے شارع کی جانب سے منصوص ہونے کے تین معنی ہیں (۱) شارع یہ بیان فرمادے کہ فلاں شخص یا اشخاص میں خلافت کی لیاقت موجود ہے یعنی تمام شرائط خلافت کے اس میں پائے جاتے ہیں اگر وہ خلیفہ بنایا جائے گا تو خلافت کے مقاصد اچھی طرح پورے ہوں گے اس معنٰی کے لحاظ سے تو کافی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خلافت منصوص ہے خصوصاً مہاجرین کے لئے۔ (۲) یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کردینے کے علاوہ شارع کی طرف سے ان اشخاص کو خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب و لازم کردیا گیا ہو اس معنی کے لحاظ سے حضرات شیخین کی خلافت منصوص ہے۔ (۳) یہ کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا ہے تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو اس معنی کے لحاظ سے کسی کی خلافت منصوص نہیں''۔ اس مقام پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس تیسرے معنی کے لحاظ سے خلافت صدیقی کے منصوص ہونے کا انکار فرما رہے ہیں۔۱۲۔ (مقدمہ تفسیر آیات خلافت ص ۲۷ و ص ۲۸) محمد اشرف ﷫ جیسا تمام اُمور شرعیہ میں مثل نکاح و بیع وغیرہ کے شارع نے لوازم و شرائط و اسباب و عدم جواز وغیرہ بطور قواعد کلیہ کے بیان فرما دیے اور تعیین شخصی مکلفین کے ذمہ رکھی گئی ورنہ بہت تنگی اور دقت پیش آتی۔ علیٰ ہذا القیاس تقرر خلیفہ کیلئے بھی علامت ولوازم بیان کئے گئے اور تقرر شخصی مکلفین کے اختیار میں رہا۔ اپنی حاجت وضرورت کے موافق جس کو مناسب سمجھیں سب رل مل کر اس کو خلیفہ بنالیویں۔

خلفاء کے ساتھ ولی عہد کا برتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہاں اس میں شک نہیں کہ جناب رسالت مآب نے خلفاء اَربعہ کے ساتھ عموماً اور شیخین بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خصوصاً ایسے معاملات کئے اور ان کے ایسے اوصاف بیان فرمائے کہ جن سے ہر ادنیٰ واعلیٰ کو ان کا خلیفہ اوّل و جانشین نبوی ہونا ظاہر و باہر ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ بعد وفات نبوی بلا اختلاف ہر کسی نے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور خاص حضرات شیعہ کو تو بوجہ نہ ہونے نص صریح کے یہ نفع بھی بہت بڑا ہوا کہ اگر در بارہ خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کوئی نص صریح موجود ہوتی تو سب جانتے ہیں کہ اس کے منکر کا کیا حال ہوتا۔ جواَب ہوگا، اِن شاء اللہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ اور تقریر بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ سائل کا یہ کہنا ''پس باتفاق شیعہ وسُنی منصب امامت وخلافت واسطے شیخین کے کسی آیت و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں۔ بالکل لغو ہے کیونکہ اگر مراد اس سے یہ ہے کہ تعیین شخصی بالتصریح در بارہ شیخین موجود نہیں تو مسلّم مگر اس میں ہمارا کیا نقصان چنانچہ مذکور ہوا۔ اور خود جناب امیر و دیگر ائمہ کے باب میں اس قسم کی نص موجود نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شیخین کا لائق خلافت ہونا بھی کسی نص سے ثابت نہیں تو اور کیا کہوں جھوٹوں کے منہ میں کچھ اور۔ معاملات نبوی واحادیث نبوی کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ

حضرات شیخین کا مستحق خلافت ہونا ایسا روشن ہے کہ بجز تیرہ دَروں کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ سو دیکھنا چاہئے کہ ان احادیث کا منکر کون ہے شیعہ یا اہل سنت؟

لاینال عھدی الظالمین کا مطلب

باقی یہ جو بکمال ناز آیت " لا ینال عھدی الظالمین " پڑھی جاتی ہے اس کے انجام کی خبر بھی ہے کیا ہوتا ہے؟ اجی حضرت کلام اللہ کے معنی سنتے جائیں۔ آپ کیا جانیں۔ آپ نے کیوں اس بیچ میں ٹانگ اَڑا کر اپنی ٹانگ تڑائی کوئی آپ سے پوچھے عہد بمعنی امامت کون سی کتاب میں آپ نے لکھا دیکھا۔ قاموس نے آپ کی ہمت بندھائی یا مطالعہ صراح سے یہ بات ہاتھ آئی اگر آیت " اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا " پر آپ کی نظر ہے تو اس کے معنی ہم سے سُنئے خداوند کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا جب اس امتحان میں حضرت پورے اُترے چنانچہ آیت ماقبل اس پر دلالت کرتی ہے۔ ترجمہ دیکھ لیجئے۔ یوں تو آپ کیا سمجھیں گے تو خداوند ذوالجلال نے اس کے جلو میں پیشوائی عالم کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ لفظ للناس اس پر شاہد ہے۔ سو خداوند کریم صادق القول نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اس زمانے سے لے کر آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام سب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے پیشوا رہے یہاں تک کہ خود حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے: " اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا " جس کے یہ معنی ہیں کہ تم بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اِبراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جائیں بڑے بڑے امیر بادشاہوں کے آگے راہ کی درستی اور صفائی کے لئے چلا کرتے ہیں اور بادشاہ اس باب میں ان کی پیروی کیا کرتا ہے۔

غرض جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کے پیشوا ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو معلوم ہو چکا۔ باقی حضرت یوسف علیہ السلام خود فرماتے ہیں: " وَاتَّبَعْتُ

مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ (سورۃ یوسف، آیت ۳۸)" جس کا ماحصل یہی ہے کہ میں اپنے باپ دادوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں علیٰ ہذا القیاس اور انبیاء علیہم السلام کو اسی پر قیاس فرمایئے۔

جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا سے مراد پیشوائی نبوت ہے

جب یہ بات مقرر ہو چکی تو یہ عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بمعنٰی خلیفہ و نائب نہیں تھے۔ امام بمعنی نبی و رسول تھے اگر اس امامت سے پیشوائی نبوت و رسالت مراد ہے تو اہل سنت کب کہتے ہیں کہ جو لوگ پہلے بت پرست ہوں وہ نبی ہو سکتے ہیں اور اگر امامت بمعنی خلافت مُراد ہے تو یہ معنٰی ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی نہ تھے نعوذ باللہ بلکہ نائب نبی تھے سو یہ بات اور یہ مذہب شیعوں ہی کو مبارک رہے اہل سنت تو بجان و دِل ان کی نبوت اور رسالت کے معتقد ہیں کہ وہ سب کے سب منیب ہیں کسی کے نائب نہیں۔ مگر اس تقدیر پر شیعہ ان کو کس کا نائب کہیں گے آذر کا کہیں گے نعوذ باللہ منہا یا کسی اور کا مہربانی فرما کر ہم کو بھی اطلاع فرمائیں۔

آیت اِمامت کا بالمثل معارضہ

بایں ہمہ ہم پوچھتے ہیں جیسے یہاں " **لا ینال عھدی الظالمین**" ہے اسی صورت میں دوسری جگہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ(سورۃ القصص، آیت ۵۰)" (بے شک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا) بھی فرماتے اور ظاہر ہے کہ اس میں اس سے بہت کچھ زیادہ تاکید ہے جس کے باعث یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وعدہ اس وعدہ سے بدرجہا محکم ہے۔ سو اگر ظالمین ظلم گذشتہ اور ظلم حال دونوں کو شامل ہے۔ تب تو لازم آتا ہے کہ کسی بت پرست کو ہدایت نہ ہوا کرے اور یہ ہدایت نبوی و ائمہ اظہار اور انبیاء سابقین ایک افسانہ غلط ہو جائے اور تمام شیعانِ زمانہ حال و گزشتہ بشہادت آیت مذکور مسلمان نہ ہوں اس لئے کہ گناہوں سے کوئی خالی نہیں۔ تسپر اسلاف اکثر شیعہ بت پرست تھے جو بت پرستی چھوڑ کر اس مذہب میں داخل ہوئے

اور اگر ظلم حال مراد ہے تو اَصحاب ثلاثہ ایام اسلام میں ایسے جرائم کے مرتکب نہیں ہوئے اور نہ اور کبائر کا صدور ان سے وقوع میں آیا اور اگر فرق بالقوۃ اور بالفعل مراد ہے یعنی جو لوگ اصل طبیعت میں ظالم اور گنہگار ہیں ان کو تو ہدایت نہیں ہوتی جیسے جو اَصل سے کالا ہو وہ سفید نہیں ہو سکتا اور جو اَصل طبیعت میں گنہگار نہیں اس کو ہدایت ہو جاتی ہے جو کپڑا وغیرہ کوئلوں کے رنگ سے سیاہ کر لیا ہو اس کو سفید کر سکتے ہیں تو یہ فرق مسلم ہے۔ مگر یہی فرق بہ نسبت آیت "**لا ینال عھدی الظالمین**" بھی محفوظ رکھنا پڑے گا اور یہ کہنا ہو گا کہ جو لوگ باعتبار اصل طبیعت ظالم ہیں وہ قابل خلافت و امامت نہیں اور جن لوگوں کی طبیعت اصلیہ لوث ظلم سے پاک ہے وہ قابل ہوں تو اس میں کچھ حرج نہیں اگر چہ زمانہ سابق میں بوجہ اُمور خارجیہ ظلمت ظلم ان کی طبیعت پر اسی طرح عارض ہو گئی جیسے آئینہ مصفّٰی و مجلی پر اُوپر سے سیاہی گر پڑے سو ظاہر ہے کہ آئینہ کی صفائی اصلی اس سیاہی سے زائل نہیں ہو جاتی بلکہ سیاہی عارضی سے صفائی اصلی اس طرح پر مستور ہو جاتی ہے جیسے نور آفتاب پردہ اَبر میں چُھپ جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سیاہی مذکور پانی سے دھو ڈالئے تو صفائی اصلی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی صورت بعینہ "**لا ینال عھدی الظالمین**" میں خیال فرمالیجئے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بت پرستی سے پاک تھے

علاوہ ازیں آپ جو حضرات شیخین کو نعوذ باللہ ظالمین میں شمار کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے اگر یہ وجہ ہے کہ ان کی عمر کا ایک حصہ زمانہ جاہلیت میں بسر ہوا تو اتنی بات میں تو خود جناب سرور کائنات بلکہ حضرت امیر بھی شریک ہیں اور اگر مطلب سائل یہ ہے کہ شیخین زمانہ جاہلیت میں مرتکب کفر بھی تھے بخلاف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور اس وجہ سے ان کو ظالمین کہا جاتا ہے تو قطع نظر اس خرابی کے جو اُوپر مذکور ہوئی اس دعویٰ کے لئے آخر کوئی دلیل بھی تو چاہئے اور ظاہر ہے کہ بدون دلیل نقلی اس باب میں کام چلنا معلوم؟ مگر کُتب معتبرہ کا حوالہ ہو یاروں کی گھڑی ہوئی بات نہ

ہو۔ کُتب معتبرہ میں تو اس کا خلاف ہی ان شاء اللہ نکلے گا چنانچہ جملہ **لم یسجدَ الِصَنم قَطّ** وغیرہ شیخین کی شان میں موجود ہے۔ ﴿مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے ''صدیق اکبر'' پر لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی فطرت شروع سے ہی سلیم تھی چنانچہ آپ کو اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے نفرت تھی اور شراب نوشی کو برا جانتے تھے جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابونعیم کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **لقد حوم ابوبکر الخمر علی نفسه فی الجاهلية** (ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عہدِ جاہلیت میں بھی شراب اپنے اُوپر حرام کر رکھی تھی) ''ریاض النضرہ ص ۱۷۹، ج ۱'' پر شراب و شرکیہ شعر گوئی وغیرہ سے برأت پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان موجود ہے۔ ۱۲۔ مہر محمد﴾

باقی فضل اللہ روزبہان پر آپ کا یہ اعتراض کرنا کہ تقرر خلیفہ میں اجماع سے کام نہیں چلتا بلکہ خلیفہ کے لئے اعلم الناس وازھد الناس واورع الناس واعدل الناس واشجع الناس وافضل الناس وارحم الناس ہونا ضروری ہے۔ محض ہذیان سرائی و دعویٰ بلا دلیل ہے پہلے گذر چکا کہ امام کا بواسطہ وحی مقرر ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کی جانب مُخالف کی تائید کے لئے دلیل بلکہ خود قول مرتضوی موجود ہے کما مر اور اسی قول سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل اُصول تقرر خلیفہ میں اجماع مسلمین ہے۔ ہاں اہل جماع کو چاہئے کہ مستجمع شرائط خلافت کو خلیفہ بنا دیں اور آپ جو امام کا اورع الناس (سب سے زیادہ پرہیز گار) وارحم الناس وغیرہ ہونا ضروری فرماتے ہیں اوّل تو ان سب کے ثبوت کے لئے دلیل چاہئے سو یہ اُمید رکھنی آپ سے بے جا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر افعل التفضیل آپ کو یاد تھے **کیف ما اتفق** نقل فرما دیئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان تمام صفات میں انبیاء کے بعد افضل الناس تھے

دوسرے اگر ان اُمور کو در بارہ نبوت خلافت شرط مانا جائے تو فرمایئے تو سبھی سُنیوں کا کون سا قول غلط ہو جائے گا۔ سب جانتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ موصوف بہمہ صفاتِ کمال تھے ان کے اعلم ہونے پر تو وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز یہ اِرشاد فرمایا کہ ایک بندہ کو خدا نے دنیا کی نعمتوں اور آخرت کی نعمتوں میں مخیّر کیا تھا کہ ان میں سے جسے چاہو لے لو سو اس نے آخرت کو اختیار کیا دنیا کو اختیار نہ کیا اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روئے اور یہ کہا کہ قربان آپ پر ہمارے ماں اور باپ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ہم کو تعجب ہوا اس شیخ کو دیکھو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں اور یہ روتا ہے سو عبدِ مخیّر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر صدیق ہم سب میں اعلم تھے۔ ﴿بخاری ص۵۵۲ ج۱، ترمذی ص۲۰۶ ج۲﴾ علاوہ بریں آخر ایام حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو امام بنانا ﴿بخاری ص۹۳، ج۱﴾ اور ان کو ملقب بصدیق کرنا چنانچہ صحاح میں ہے۔ ﴿حضرت اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ پر چڑھے آپ کے ساتھ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم تھے اُحد لرزنے لگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اثبت اُحد فانما علیک نبی و صدیق و شھیدان**، بخاری ص۵۱۹، ج۱۔ نزال بن سبرہ فرماتے ہیں ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باتیں کررہے باتوں باتوں میں ہم نے ابوبکر بن ابی قحافۃ کے بارے میں سوال کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ ایک ایسے شخص ہیں **سماہ اللّٰہ الصدیق علی لسان جبرئیل علیہ السلام و علی لسان محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان خلیفۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (الریاض النضرۃ ص۶۸، ج۱)۔۱۲۔ محمد اشرف﴾

اس پر شاہد ہے بایں نظر کہ یہ بحث کسی قدر آگے آتی ہے یہاں اتنی پر اکتفاء کرتا ہوں اور وجہ شہادت کا دریافت کرنا تحقیق آئندہ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ازہد ہونے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت جو مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے۔ دلالت کرتی ہے یعنی وہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ سے درباب خلافت عرض کیا گیا تو یہ فرمایا

کہ اگر ابوبکر کو امیر کرو گے تو اس کو امین اور زاہد فی الدنیا اور راغب فی الآخرۃ پاؤ گے۔ (مشکوٰۃ ص ۵٦۷) کیونکہ یہ وصف کسی صحابی کی شان میں آپ نے نہیں فرمایا۔

اور ان کے اورع ہونے پر آیت " وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَا لَهٗ یَتَزَكّٰی (سورۃ الیل، آیات ۱۷، ۱۸)" (اور یقیناً دوزخ کی آگ سے وہ سب لوگوں سے بڑا پرہیزگار بچایا جائے گا جو (اللہ کی راہ میں) مال دیتا ہے تا کہ پاک صاف ہو جائے) شاہد ہے کیونکہ اتقٰی اور اورع کے معنٰی ایک ہی ہیں بلکہ کچھ زائد کہئے تو بجا ہے۔ اور ان کے اشجع ہونے پر وہ حدیث گواہ ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے آگھیرا میں دیکھتا رہا اور مجھ سے کچھ نہ ہوسکا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس مجمع میں گھس گئے غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور اُس کو مارا اُس کو مارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچالیا۔ کیونکہ روایت غالباً بایں طور پر ہے کہ آپ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے آپ سے پوچھا کہ سب میں زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) اور پھر اس کے ثبوت میں یہ فرمایا

صدیق کی افضلیت پر خدا کی گواہی

یہ حدیث صحاح میں موجود ہے ﴿فتح الباری ص ۱۷۰، ج ۸، عن محمد بن علی﴾

فقط شبہ ہے تو اِتنی بات میں ہے کہ یہ روایت آپ کے صاحبزادے سے ہے یا کسی اور سے ہے اور ان کے افضل الناس ہونے پر بقول خدا تو یہی آیت سورۃ واللیل کی "اعنی وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَا لَهٗ یَتَزَكّٰی" شاہد ہے کیونکہ دوسری آیت سورۃ حجرات کی آیت نمبر 13 " اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ." (اللہ کے ہاں بڑا معزز بڑا پرہیزگار ہے) اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو اتقٰی ہوتا ہے وہی افضل اور اکرم ہوتا ہے۔ ایک دوسری آیت:

"اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (سورۃ التوبۃ، آیت ۴۰)

ترجمہ: ''اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے تو اس وقت بھی مدد کی جب کہ اس کو کافروں نے نکالا تھا جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا تو غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گواہی

چونکہ اس کی شرح وبسط ہدیۃ الشیعہ میں بوجہ اتم مرقوم ہے تو ہم کو حاجت تحریر نہیں جس کو شوق ہو مطالعہ کر دیکھے تو اس پر بحوالہ ''نہج البلاغہ'' جو شیعوں کے نزدیک وحی آسمانی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس سے ہدیۃ الشیعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وہ وہ تعریفیں جو بعد انبیاء سوائے صدیق اکبر اور کسی میں متصور نہیں بہ قسم منقول ہیں۔ جس کو شوق ہو کتاب موجود ہے مطالعہ فرمالیں عنوان اس روایت کا یہ ہے:

'' لِلّٰهِ بَلَادُ اَبِیْ بَکْرٍ فَلَقَدْ قَوَّمَ الْاَوْرَوَدَاوَی الْعَمَدَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَّفَ الْبِدْعَةَ ذَهَبَ نَقِیُّ الثَّوْبِ قَلِیْلُ الْعَیْبِ صَاحَبَ خَیْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰی اِلَی اللّٰهِ طَاعَتَهٗ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ رَحَلَ وَتَرَكَهُمْ فِیْ طَرِیْقٍ مُنْشَعِبَةٍ لَا یَهْتَدِیْ فِیْهَا الضَّالُ وَلَا یَسْتَیْقِنُ الْمُهْتَدِیْ ''.

ترجمہ'' خدا ہی کے واسطے ہیں شہر ابو بکر کے، (یعنی ابو بکر میں خداداد خوبیاں ہیں) پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کر دیا کجی کو اور اصلاح کر دیا ستون کو اور قائم کر دیا سنت کو اور پس پشت ڈالا انہوں نے بدعت کو، دنیا سے پاک دامن بے عیب ہو گئے، خوبی خلافت کی ان کو نصیب ہوئی، اور آگے چل دیئے خلافت کے فسادوں سے، ادا کی انہوں نے خداوند کریم کی اطاعت پر، پرہیز گار رہے حق پر ہیز گاری کا۔ چل دیئے اور لوگ مختلف رستوں میں حیران ہیں کہ نہ گمراہوں کو راہ ملی ہے اور نہ ہدایت پانے والوں کو اپنی ہدایت کا یقین ہے''۔

بلکہ ان لفظوں سے ایک دو زیادہ ہی ہوں گے۔ علاوہ بریں بروایت محمد بن الحنفیہ بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صاف منقول ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب میں افضل ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں اوصاف کمال بدرجہ اتم پائے جاتے تھے

اوران کے افصح الناس ہونے پر وہ خطبے جو بعد وفات وقبل دفن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے ہیں شاہد عادل ہیں علیٰ ہٰذا القیاس لفظ ارحم اُمتی بامتی ابوبکر جو جمعہ کے خطبوں میں بحوالہ حدیث پڑھا جاتا ہے اُن کے ارحم ہونے پر دلالت کرتا ہے باقی رہا اعدل ہونا سواس کے ثبوت کے لئے بعد اثبات اوصاف مذکورہ کچھ حاجت نہیں کیونکہ عدل کیلئے فقط امانت و دیانت اور زُہد وتقویٰ اور علم کی ضرورت ہے ظالم میں یہی اوصاف نہیں ہوتے جو وہ مرتکب ظلم ہوتا ہے غرض باعث ظلم حُب دنیا اور خیانت اور عدم ترحم ہوتا ہے جس میں وہ اوصاف ہیں اور یہ خرابیاں نہیں وہ لاجرم اعدل الناس ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

اَب اگر کسی صاحب کو اس وجہ سے تامل ہو کہ اکثر روایات مذکورہ اہل سنت کی روایات ہیں۔ تو اَوّل تو وجہ ثبوت دعاوی مذکورہ فقط روایات ہی نہیں آیات بھی ہیں۔ اگر آیات کو اہل سنت ہی کی روایت سمجھتے ہو۔ تو زہے نصیب اہل سنت۔ اور بڑے کھوٹے نصیب شیعوں کے۔ جن کے پاس مطلب کے ثبوت میں کلام اللہ تک بھی نہیں بلکہ اُلٹا اُن کے مطلب کے مخالف ہے پھر اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اوصاف میں سب سے افضل ہونے پر کیا دلیل ہے۔ اگر روایات شیعہ ہیں تو کیا اعتبار۔ اور روایات اہل سنت یا آیات کلام اللہ ہیں تو لایئے دِکھلایئے مثل استدلال مذکور جو آیت ’’ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۴) ‘‘ سے ماخوذ تھا ان شاء اللہ اس کے کیل پرزے بھی اُدھیڑے جائیں گے۔

مشورہ میں خلقت کی طرف رجوع خلیفہ کے لئے عیب نہیں

اور یہ جو اِرشاد ہے کہ اس طرح خلیفہ چاہئے کہ اس کی طرف تمام خلقت علوم خدا میں رجوع کرے اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی وتشفی کرے تا کہ خلافت و نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ثابت ہو۔ اگر سچ ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہم بحمد اللہ ایسے تھے اور اگر کسی بات میں ان کو اوروں کی طرف رجوع

کرنے کی ضرورت ہوئی تو اس سے ان کی فضیلت کو بٹہ نہیں لگتا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے " وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ " (یعنی صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے مشورہ کرلیا کرو) اگر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کسی بات میں کسی کی طرف رجوع کیا اور اس سبب سے ان کا رُتبہ نعوذ باللہ کم ٹھہرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود حکم خداوندی ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ نے تو اپنی طرف سے رجوع کیا ہوگا اس صورت میں نعوذ باللہ حضرات شیعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھیں نہ کہ ایسا برا۔ تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیسیوں جا ایسے وقائع ثابت ہوتے ہیں اور لوگوں نے ان کی غلطیاں پکڑی ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں (مگر) خارجیوں سے اپنی تسلی کرلیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

غرض ایک دو جا غلطی ہو جانے سے منصب امامت کو زوال نہیں ہوسکتا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ کلام اللہ میں مذکور ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کا کیا سمجھ گئے اور پھر منصبِ نبوت میں کچھ فرق نہ آیا منصب خلافت تو ایک نمبر اور بھی کم ہے اتنا غُل کا ہے کے لئے ہے۔

خلافت راشدہ کے لئے فتوحات وتمکین موعودہ اور ضروری تھیں

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ انتظام دنیاوی اور ملکوں کا فتح کرلینا باعث خلافت حقّہ کا نہیں ہوسکتا اگر چہ بظاہر حق معلوم ہوتا ہے پر شیطان نے اپنی بات پھر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دی آپ سے اس آڑ میں اپنا کلمہ کہلا لیا۔ اجی حضرت آپ کس خیال میں ہیں یہی اعتراض بعینہ نصرانی اور یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کرتے ہیں آپ کو ان کا طریقہ ایسا کیوں مرغوب ہے۔ آیت:

"وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا." (سورۃ النور، آیت ۵۵)

ترجمہ: "اور اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے

والوں کے ساتھ کہ یقیناً ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اوران کیلئے اپنا پسندیدہ دین قائم کردے گا اوران کے خوف کو امن سے بدل ڈالے گا"۔

کو بغور دیکھئے کیا ارشاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی یہی نشانی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور بزورِ شمشیر وسلطنت دین متین کو جما دیں چونکہ اس آیت کے مضامین بھی درج ہدیۃ الشیعہ ہو چکے ہیں اس لئے ان کے ذکر اوراس آیت کی تفسیر سے معذور ہوں۔ اہل شوق خود مطالعہ کریں گے۔

ہاں اگر خلفاءِ راشدین کے زمانے میں ترقی اسلام نہ ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تو ان کو تیمور چھوڑ کر انگریزوں سے تشبیہ دے دی ہوتی اور درصورتِ کہ عرب سے ایران تک انہیں کی بدولت کلمہ اسلام جاری ہوا تو پھر یہ کہہ کر مصداق "وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ النور، آیت ۵۵)" (جو اس نعمت کے ہو چکنے کے بعد اس کا اِنکار کرے تو یہی فاسق ہیں) جو بعد آیت مذکورہ واقع ہے۔ بنتے ہو کیونکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ رسوخ خلافت اسلام اور تمکین دین کے بعد جو شخص ان بزرگواروں کا شکر ادا نہ کرے وہ فاسق ہے اور بھی کوئی نہیں تو شیعوں کو تو شکر گذاری اصحاب ثلاثہ لازم ہے اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو نعرہ یا علی یا علی کربلا سے لے کر ادھر کی حدِ ایران تک جاری نہ ہوتا۔

مجمل تقریر یہ ہے کہ جب کلام اللہ وحدیث سے بزرگی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اوران کی خلافت ثابت ہوگئی اور شیعوں کا دعویٰ ثابت نہ ہوا تو مذہب اہل سنت حق ٹھہرا اور مذہب شیعہ باطل۔

سوال سوم (۳) از جانبِ شیعہ (بحث متعہ)

متعہ میں اختلاف شیعہ واہل سنت مشہور ومعروف ہے مگر شیعہ کہتے ہیں۔ کلام اللہ میں تو آیت

"فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً" (سورۃ النساء، آیت ۲۴)

ترجمہ: "پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے"

اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے خاص کر قراءت عبداللہ بن مسعود جو اہل سنت کے عمدہ پیشوا ہیں کیونکہ ان کی قرأت میں بعد منھن لفظ اِلٰی اجل بھی زائد ہے اور ظاہر ہے کہ تحدید اجل متعہ ہی میں ہوا کرتی ہے نکاح میں تحدید مدّت کی کوئی صورت نہیں۔ اور احادیث میں حدیث اباحت متعہ کا بعض غزوات میں شہرہ عالمگیر ہے با ایں ہمہ لفظ اُجُوْرَهُنَّ ان کے مطلب کے لئے بھی مؤید ہے اس لئے کہ اجر عقد اجارہ میں ہوا کرتا ہے اور صحت اجارہ کے لئے تعیین مقدار کی یا تحدید زمانہ وروزگار ضرور ہے مثلاً درزی ایک دو انگرکھہ سی دینے کا نوکر ہوتا ہے یا ایک دو روز کا یہ نہیں ہوسکتا کہ زمانہ کی کوئی حد نہ ہو نہ کام کی کوئی مقدار ہو اس صورت میں اگر مرد وزن میں کوئی زمانہ مقرر ہو گیا تب تو ثبوت متعہ بطور شیعہ سُنیوں ہی کے اِقرار سے لازم آجائے گا اور اگر عدد کراتِ مجامعت معقود علیہ ہے تب بھی وہی بات ہے کیونکہ کرات مجامعت ایک زمانہ معین میں پوری ہوسکتی ہے۔ اس لئے پھر وہی انجام نکل آتا ہے۔

اہل سنت کا استدلال

مگر شاید اہل سنت و جماعت کو۔ آیت:

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَO اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَO فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ" (سورۃ المعارج، آیات ۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ: "اور وہ لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے کہ اس میں ان پر ملامت نہیں۔ پس جو شخص ان دو کے علاوہ جنسی تعلق چاہے پس وہ زیادتی کرنے والے ہیں"۔

پر نظر ہو اور یہ خیال ہو کہ آیت مسطور سے زوجہ اور باندی کے سوا اور عورتوں سے اجتناب نکلتا ہے اور زن متعہ بالیقین دونوں قسم سے خارج ہے۔ باندیوں کی قسم سے علیحدہ ہونا تو محتاجِ بیان ہی نہیں ہاں احتمال زوجیت ہو تو ہو لیکن اوّل علماء شیعہ نے ان زن متعہ کو زن نکاح سے جدا رکھا ہے۔ بلکہ جیسے اہل سنت موافق اشارہ آیت مسطورہ

زن حلال کی کل دو قسمیں بتلاتے ہیں ایک اپنی زوجہ دوسری اپنی باندی ایسے ہی علماء شیعہ زن حلال کی چار قسمیں بتلاتے ہیں دو تو یہی قسمیں جو مذکور ہوئیں۔ اور دو اور۔ ایک زَن متعہ دوسری زَن عاریہ یعنی وہ باندی جس کا مالک کسی کو صحبت کرنے کے لئے مستعار دے دیوے سو اس سے صاف ظاہر ہے کہ زن متعہ زوجہ نہیں کہلاتی۔ دوسرے لوازم و آثار نکاح زنِ متعہ میں یک لخت مفقود ہیں نہ چار کی حد نہ عدل کی ضرورت نہ طلاق کی کوئی صورت نہ عدت کی حاجت اور ظاہر ہے " **الشیء اذا ثبت ثبت بلوازمہٖ** " اگر زن متعہ منجملہ اَزواج ہوتی تو یہ سارے لوازم و آثار پائے جاتے بالجملہ علماء اہل سنت کو بہ مقابلہ شیعہ آیت "**وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ الخ**" (سورۃ المعارج، آیت ۲۹) پر نظر ہو تو ہو اور اس لئے متعہ کو حرام کہتے ہوں۔

شیعہ کی طرف سے جواب

تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ یہ آیت دو جا کلام اللہ میں آئی ہے ایک سورت مؤمنون میں دوسری سورت معارج میں اور باتفاق مفسّرین یہ دونوں صورتیں مکی ہیں یعنی قبل ہجرت نازل ہوئی ہیں اور حدیث اباحث متعہ مدنی ہے کیونکہ غزوات سب مدنی ہیں اس لئے واقعہ اباحت آیت حُرمت کے بعد کا قصہ ہے اس صورت میں حدیث ہی ناسخ آیت معلوم ہوگی۔ آیت کو ناسخ حدیث نہ کہہ سکیں گے باقی یہ حسن ادب کہ آیت حدیث سے اعلیٰ اور افضل ہوتی ہے پھر حدیث سے کیونکر منسوخ ہو اسی شخص کا کام ہے جو وجہ ثبوت قرآنیت قرآن مجید سے خبردار نہ ہو پر جس شخص کو اتنی بات کی اطلاع ہے کہ قرآن کا قرآن ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا اور ان احکام کا احکام خداوندی ہونا اُمتیوں نے آپ کے فرمانے سے جانا۔ تو اس شخص کو اس بات میں ہرگز تامل نہیں ہو سکتا ہے کہ نسخ قرآن شریف حدیث نبوی سے ممکن ہے چنانچہ علماء اہل سنت خصوصاً حنفی اسی جانب ہیں اور اسلئے حدیث " کلامی لاینسخ کلام اللہ " کی تاویلیں کرتے ہیں۔ ہاں افضلیت قرآن مسلم مگر یہ افضلیت باعتبار الفاظ ہے باعتبار احکام نہیں جو احکام کہ احادیث سے ثابت ہوں بشرط ثبوت احکام قرآنی سے کم نہیں کیونکہ احکام مندرجہ احادیث بھی احکام خدا

وندی ہیں گو باعتبار ظاہر احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتے ہوں اسلئے کہ آپ رسول اور پیغام بر ہیں بذات خود حاکم مستقل نہیں۔ باقی رہی روایت نسخ اباحت متعہ یعنی وہ روایت جس میں بعد اباحت حکم حرمت بھی موجود ہے شیعوں کے نزدیک ضروری التسلیم نہیں اسلئے کہ اسکے راوی فقط اہل سنت ہیں اور انہوں نے اپنے مطلب کے موافق بنالی ہوگی۔

(جواب اَز اہل سنت والجماعت)

الجواب: بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ، الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه و نشهد ان لا اِلٰه اِلا اللّٰه وحده لا شريک لهٗ ونشهد اَنّ محمدًا عبدهٗ و رسوله اللّٰهُم صلّ علٰى سيّدنا محمدٍ وّ علٰى آل سيدنا محمدٍ كما صلّيت علٰى سيّدنا ابراهيم و علٰى اٰل سيّدنا ابراهيم انكَ حميد مجيد اللّٰهُمّ صل على سيّدنا محمد ن النبى الامى و ازواجه اُمهات المُؤمنين و ذريته و اهل بيته كما صلّيت علٰى سيّدنا ابراهيم انک حميد مجيد. اللّٰهم انزله المقعد المبارک عندک يوم القيامة ، اللّٰهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

بعد حمد وصلوٰۃ بندہ گنہگار محمد قاسم عرض پرداز ہے کہ تقریر سوال شیعہ تو اس کم ترین نے اس زرق برق سے کردی ہے کہ خود شیعوں کو بھی اس انداز سے بیان کرنا نصیب نہ ہوا ہوگا اور اس وجہ سے میرے ممنون ہوں تو بجا ہے مگر مقتضائے احسان مندی یہ ہے کہ تقریر جواب کو بھی بغور و انصاف دیکھیں مطلب کے یار تو سبھی ہوتے ہیں پر اِنصاف پرستی جوہر اِنسانی ہے تقریر سوال تو دلچسپ ہی تھی پر تقریر جواب اس سے بھی بڑھ کر۔ لیجئے حضرات شیعہ کا مطلب نہ آیت استمتاع سے نکلے نہ حدیث سے ثابت ہو اور نہ آیت سورۂ مؤمنون و سورۂ معارج حدیث مذکور سے منسوخ ہوئی اور نہ ہوسکے۔

حُرمتِ متعہ کی عقلی وجوہ

علاوہ بریں عقل صائب اس بات پر شاہد ہے کہ تجویز متعہ ہمیشہ کے لئے اور ہر کسی کے لئے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہوسکتی اور یہی

وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ادیان سابقہ میں سے کسی دین میں متعہ جائز نہیں ہوا اور اس دِین میں سوا حضراتِ شیعہ اور کوئی اس طرف نہ گیا بلکہ ابتداء عالم سے لے کر اس زمانہ تک اطرافِ عالم میں کسی دین میں آسمانی ہو یا نہ ہو سوائے مذہب شیعہ یا مشرب جاہلان زمانہ جاہلیت ملک عرب اس امر کا پتہ نہیں سینکڑوں تاریخیں موجود ہیں سیاحوں کے افسانے مشہور ہیں پر کہیں متعہ کا نام ونشان نہیں ملتا خیر یہ بات تو اتفاقی تھی کلام اللہ اور حدیث سے استدلال کا حال بیان کیجئے اور حقیقت نسخ کا پتہ دیجئے تو کام چلے۔

نکاح کا اوّلین مقصد اولاد کی پیداوار ہے

اس لئے بطور تمہید اوّل کچھ گذارش ہے بگوش ہوش سُنیئے کلام اللہ میں فرماتے ہیں "نِسَاءُ کم حرث لکم" یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیت ہیں اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مقصود پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کے نزدیک جو سارے جہان کے خلاف بیوی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے کیونکہ اغلام سے تولد اولاد متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو اور موافق شعر ذوق ؎

نہیں ہیں خون سے مژگان تر یہ خار دلنشیں نکلے
جنوں یہ نیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے

ادھر سے نطفہ اُدھر چلا جاتا ہو باقی رہا جملہ "فاتوا حرثکم انی شئتم"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آؤ اپنی کھیتوں میں جہاں سے چاہو شیعوں کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اوّل تو انّٰی بمعنی کیف بھی آتا ہے پھر ان کو کیا اختیار کہ بے وجہ انّٰی کو بمعنی ظرف مکانی رکھیں مستدل اور مدعی کے لئے وہ بات مفید نہیں ہوسکتی جس میں احتمال مخالف بھی ہو بایں ہمہ جملہ نساء کم احتمال مخالف یعنی معنی کیف کے مؤید اور معنی ظرف مکانی کے مخالف ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور اگر انّٰی بمعنی ظرف مکانی ہی ہو پھر بھی شیعوں کو کچھ مفید نہیں کیوں کہ جیسے کوئی یوں کہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لئے شرق کی طرف

جاؤ یا غرب کی طرف سے بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بونا ہے وہ دونوں طرف سے جانے میں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں طرح ایک ہی سی ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ اپنی بیویوں سے اُلٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھے صحبت کیجئے تو بچہ اچھا اور اُلٹی کیجئے تو احول پیدا ہو جیسے یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم فاسد کی مدافعت کے لئے یہ ارشاد ہوا کہ "فاتوا حرثکم انی شئتم"۔ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھئے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب کی سمجھ گئے مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متنفر تھے ہی عوام کالانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

ولد صالح باقیات صالحات میں سے ہے

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ "انما الاعمال بالنیات"۔ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حساب سے اولاد کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اگر صالح ہوئی تو کیا اور فاسق ہوئی تو کیا علیٰ ہذا القیاس سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں ہاں جیسے اکل غذا سے بدن ما یتحلل مقصود ہے اور بھوک مثل چپڑاسی سرکاری اس بیگار کے لئے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مقصود ہے اور شہوت جماع تقاضا جماع کے ساتھ لگادی گئی ہے۔

وقت واحد میں ایک عورت کے لئے زیادہ خاوند نہ کرنے کی وجہ

مگر جب اولاد مقصود ٹھہری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانہ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ تھی۔ اس لئے کسی دِین میں یہ اَمر جائز نہ ہوا۔ کیفیت شہادت آیت مرقوم ہو چکی ہاں عقل صائب کی گواہی باقی ہے اس لئے یہ گذارش ہے کہ درخت بار آور بذات خود مطلوب نہیں ہوتا پھل مطلوب ہوتا ہے سامان اور اَسباب مطلوب نہیں ہوتا۔ نتیجہ مطلوب ہوتا ہے۔ اب

دیکھئے کہ شہوت رانی اور جماع اولاد کیلئے سامان اور اسباب میں سے ہے یا قصہ برعکس ہے؟
سوایسا کون نادان ہوگا جس کو وقاع و جماع کے سبب ہونے اور اولاد کے مسبب ہونے میں تامل ہو۔ علاوہ بریں آیت " وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۃ الذّٰریٰت، آیت ۵۶)" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن و انس کو خاص اپنے کام کے لئے بنایا ہے اور آیت:" هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا. ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۹)" اس بات پر شاہد ہے کہ زمین و آسمان بنی آدم کیلئے بنائے گئے ہیں برعکس نہیں۔

کائنات انسان کیلئے بنی اور انسان عبادت الٰہی کے لئے بنایا گیا

زمین اور زمین کی پیداوار کا بنی آدم کے لئے ہونا تو لفظ " لَكُمْ " سے ظاہر ہے اور آسمانوں کا بنی آدم کے لئے بنایا جانا بقرینہ عطف ظاہر ہے یعنی قید " لَكُمْ " یہاں بھی بقرینہ عطف ماخوذ ہوگی علاوہ بریں آیت : "اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (سورۃ بقرہ، آیت ۲۲)" وغیرہ آیات میں یہ بات زیادہ مصرح ہے اور کیوں نہ ہو زمین و آب و ہوا و آتش و آفتاب و کواکب و افلاک نہ ہوں تو ہماری ہزاروں حاجتیں بند ہو جائیں بلکہ یوں کہو ہم مر جائیں اور ہم نہ ہوں تو ان اشیاء کا کچھ حرج نہیں۔ پھر یوں نہ کہئے تو اور کیا کہئے کہ وہ ہمارے لئے بنائی گئی ہیں ہم ان کے لئے نہیں بنائے گئے مگر اس صورت میں یہ بات ظاہر ہے کہ زمین ہو یا آسمان ہو جو کچھ بنی آدم کے لئے بنایا گیا اس کو حصول عبادت میں دخل ہے یعنی اگر وہ نہ ہو تو پھر عبادت میں کمی یا نقصان پیش آئے یا وہ نہ ہو تو عبادت نہ ہو سکے کیونکہ اس وقت بنی آدم اور باقی مخلوقات مشار الیہا کی ایسی مثال ہوگی جیسے یوں کہئے گھوڑا سواری کے لئے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لئے سو جیسا یہاں ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر گھاس دانہ نہ ہو تو پھر سواری کی بھی کوئی صورت نہیں بلکہ گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر جائے ایسا ہی بنی آدم اور ان چیزوں کو سمجھئے جو اس کے لئے بنائی گئی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو پھر عبادت ہی نہیں سو کھانے پینے کی ضرورت تو ظاہر ہے کون

نہیں جانتا کہ اگر خورد و نوش کی نوبت نہ آئے تو آدمی مر جائے پھر عبادت کون کرے۔ ادھر کھانے پینے کے لئے زمین آسمان کی ضرورت ظاہر۔ زمین کو تو ہم خوب جانتے ہیں رہا آسمان اس کی ضرورت کھانے پینے کے لئے آیت: " وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۲)" (اور آسمانوں سے پانی اُتارا جس کے ذریعے پھل نکال کر تمہارا رزق بنایا) سے ظاہر ہے پر شہوت جماع کو اس کام میں کچھ دخل نہیں سو یہ کیونکر ہو سکے کہ اُمورِ خارجہ من ذات العابد میں تو حصول عبادت پر نظر رہے اور شہوت کو جو ایک اَمر داخلی ہے باوجود ارشاد "وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ (سورۃ الذّٰریٰت، آیت ۵۶)" عبادت میں کچھ دخل نہ ہو۔

الغرض شہوت کا بنی آدم میں پیدا کرنا بذات خود بے مصرف معلوم ہوتا ہے ہاں اگر تولد اولاد پر نظر کیجئے تو پھر اس کے برابر خورد و نوش بھی عبادت میں دخل نہیں رکھتے کیونکہ کھانے پینے سے اگر طاقت عبادت پیدا ہوتی ہے تو جماع سے خود عبادت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں بالجملہ عقل و نقل اس بات پر شاہد ہیں کہ شہوت رانی بذات خود مقصود نہیں تولد اولاد مقصود ہے۔

کثرت اولاد سے کثرتِ اُمت پر حضور علیہ السلام فخر کریں گے

چنانچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو در بارہ ترغیب نکاح مشہور ہے اس میں یہ جملہ کہ **انی مکاثر بکم الامم** اس مضمون کو اور بھی واضح کئے دیتا ہے کیونکہ غرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب نکاح سے اس وقت یہ نکلی کہ اُمت کے لوگ کثرت سے نکاح کریں گے تو اولاد کثیر پیدا ہوگی اور اس وجہ سے یہ اُمت بڑھ جائے گی اور ایک سامان افتخار آپ کو ہاتھ آئے گا۔ ﴿ادھر اولاد کا مطلوب ہونا اور بعد حصول اولاد ان کے ساتھ بہ شفقت پیش آنا اسی پر دال ہے کہ اولاد مقصود طبع سلیم انسانی ہے۔۱۲﴾ جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے شہوت رانی مقصود نہیں تو اَب وجہ ممانعت تعدد نکاح زن بھی ایک زمانہ میں بیان کرنی چاہئے۔

عورت کے لئے بیک وقت تعددِ نکاح کی ممانعت کی عقلی دلیل

سنئے زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں خورش میں سب یکساں۔ کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لئے شرکت میں کوئی خرابی پیش نہیں آتی۔ علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے۔ پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاعِ عظیم برپا ہو اُمید کثرت عباد و عبادت کو تو در کنار پہلے ہی عابدوں کی خیر نہ ہو کیونکہ اَوّل تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور ایک ہی قسم کے ہوں تو وہ سب عابد و زاہد ایک ہی نمبر کے ہوں اور عاقل و فاضل ایک ہی درجہ کے ہوں ﴿اور حسین و جمیل ایک ہی طرح کے ہوں اور قوی توانا ایک ہی طاقت کے ہوں۔۱۲۔ حاشیہ طبع قدیم﴾ بلکہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں اُنگلیاں یکساں نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی اُدھر محبت پدری سب کے ساتھ خداداد۔

سو بالفرض ایک عورت کے اگر کئی خاوند ہوں اور وہ بھی فرض کرو ایک پورب کا رہنے والا ہو ایک پچھم کا تو پھر تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہیں۔ بوجہ تفاوت معتاد جو باہم اولاد میں ہوا کرتا ہے اَوّل تو ناقص حصہ والے کا اپنے نقصان پر راضی ہونا دُشوار ہے۔ دوسرے بوجہ محبت تمام اولادوں کا صبر کرنا معلوم۔ اور اس وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں کہ روپیہ وغیرہ سے جبر نقصان کر کے ایک کو راضی کر دیجئے خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند کئی۔ یا عدد ازواج زن، زوج (جفت) ہو اور عدد اولاد طاق۔ ہاں اگر اولاد کاٹنے چھانٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلہ مشترک یا گوشت مشترک جامہ مشترک کاٹ چھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع رفع کر دیتے یا مثل غلام عورت کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت اَحوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوا کرتا تو ہفتہ وار یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی۔ مگر اَوّل تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو قبول نہیں کرتا دوسرے یہ اختلاف احوال زن بیشتر موجب اختلاف ذکور وانوثت و عقل و بے عقلی وغیرہ احوال و اخلاق ہو جاتا ہے۔

والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج واخلاق پر پڑتا ہے

جو لوگ دقائق طبیہ اور حقائق موجبات اختلاف امزجہ اولاد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ وقت جماع ووقاع جو کیفیت والدین خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے اوّل تو اہل عقل کو مشاہدہ بقاء انواع سے یہ بات ظاہر ہے کیونکہ آدمی کے گھر آدمی کا پیدا ہونا اور سگ وخوک سے سگ وخوک کا پیدا ہونا اور اسپ وخر سے خچر کا پیدا ہونا جس میں دونوں کا اثر مشہود ہوتا ہے اس بات کے سمجھ لینے کو کافی ہے۔ کہ کیفیت مزاج والدین کو اخلاق وعقل اولاد میں دخل تام ہے۔

دوسرے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ بھی جو جملہ مسلّمہ ہر عام وخاص ہے اس بات پر شاہد ہے کیونکہ کسی کو کسی کا اب حقیقی اور والد تحقیقی باعتبار وقت علوق نطفہ ہی کہہ سکتے ہیں اور اوقات کے حساب سے یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے۔ سو وقت علوق جو کیفیت مزاج والدین پر غالب ہو اسی کا اثر اولاد میں آنا چاہئے ورنہ "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ" کیونکر صحیح ہوگا۔

حضرت مریم کے پاس بشر بن کر جبرئیل کے آنے کی وجہ

ادھر محققان اہل اسلام نے حضرت مریم کے سامنے حضرت جبریل علیہ السلام کے آدمی کی شکل میں آنے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ اگر حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی شکل ملکی میں ان کے روبرو نمودار ہوتے تو حضرت مریم علیہا السلام بہ تقاضائے بشریت ڈر جاتیں اور وہ کیفیت خوف مزاج عیسوی میں اثر کر جاتی آپ نامرد اور بزدل پیدا ہوتے اور کار رسالت ادا نہ کر سکتے کیونکہ اس کام کے لئے ہمت عالی اور شجاعت تامہ کی ضرورت ہے نامردوں سے ایسے بڑے کام جس میں ایک جہان سے مقابلہ اور عداوت کھڑی ہو نہیں سکتے۔ باقی رہا صورت ملکی سے خوف کھانا وہ حضرت مریم سے کیا بڑے بڑے مردوں سے بھی مستبعد نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبرئیل کی صورت ملکی سے مرعوب ہو گئے تھے اور کسی کا تو کیا ذکر ہے۔ علاوہ بریں یہ قصہ اکثروں نے سنا ہوگا کہ وقت جماع کسی عورت کو سانپ نظر پڑ گیا تھا بچہ جو پیدا ہوا تو سانپ ہی کی شکل تھی بالجملہ بوجہ تفاوت اَحوال معلومہ یہ بھی ممکن نہیں کہ غلام

کی طرح نوبت بنوبت ہر خاوند کے پاس رہا کرے کیونکہ عورت کے لئے اگر یہ اَمر تجویز کیا جائے تو مقتضائے انصاف یہ ہے کہ خدمت فراش یعنی وقاع و جماع کی مقدار قدر نوبت مقرر ہو اور بہت دراز کرو تو ایک شب رکھ لو اس لئے کہ عورت کے متعلق یہی خدمت ہے اور اس خدمت کے ادا کرنے میں اتنی ہی دیر کافی ہے اور اس باب میں غلام پر قیاس ممکن نہیں اس لئے کہ خدمت غلام کوئی اَمر معین نہیں جو اس کی مقدار تعیین نوبت میں ملحوظ رہے۔ اس لئے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتدبہ تمام شرکاء کے نزدیک ادا کر سکے معین ہوگا۔ ﴿علاوہ ازیں مرد کو ہر وقت قدرت علی الجماع ہونی معلوم اور حاجت الجماع کا ہر لحظہ احتمال اور یہ حاجت بدون عورت رفع ہونی محال یعنی مثلاً اگر غلام نہ ہو تو بجائے غلام کاروبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ بھی متصور نہیں تو ان وجوہ سے بھی شرکت زوجہ میں خلاف مصلحت ہونی چاہئے۔ ۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)﴾ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی نوبت پر بھی قیاس نہیں کر سکتے جو کم از کم ایک شب ہی مقرر ہو اس لئے کہ غرض اصلی یعنی جماع جو تعیین نوبت سے مقصود ہے مرد کے ایسے اختیار میں نہیں ہے کہ جب چاہے سبکدوش ہو جائے کم سے کم ایک شب میں ۔البتہ اس کے وقوع کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ عدل (بین المنکوحات) کیلئے جماع ضرور ہوا، ہاں خدمت فراش البتہ عورت کے ہر وقت اختیار میں ہے۔

نسب وحمل میں اختلاط بھی تعدد زوج سے مانع ہے

باایں ہمہ عورت قبل ظہور حمل اگر دو مرد کے پاس رہے تو یہ تعیین نہیں ہو سکتی کہ یہ حمل کس کا ہے اور بعد ظہور حمل اگر دوسرے کے پاس جائے تو اس کے نطفہ کے اختلاط کی وجہ سے پھر وہی صورت اشتراک پیدا ہوتی ہے دو بچے پیدا ہوتے ہیں تو تعیین مشکل ہو جاتی ہے اور اتنا زمانہ دراز نوبت کیلئے مقرر کیا جائے کہ ایک کا نطفہ دوسرے کے نطفہ کے ساتھ مختلط نہ ہو سکے تو یہ دقت تو کہیں نہیں گئی کہ کسی وقت رحم زن نطفہ قبول کرتا ہے اور کسی وقت نہیں کرتا اور کرتا ہے تو کسی وقت کیفیت صالحہ عارض حال زن ہوتی ہے۔ کسی وقت کیفیت فاسدہ لاحق حال ہو جاتی ہے اور درصورت وحدت مرد و تعدد زنان بھی اگر چہ یہی احتمال

ہے مگر چونکہ وہ صاحب حرث ہے تو اگر وہ وقت کیفیت صالحہ عورت کے پاس نہ جائے تو کچھ اپنا ہی نقصان کرے گا کسی دوسرے کا حق تلف نہ کرے گا جو گنجائش اعتراض ہو۔

جب یہ سب باتیں ذہن نشین ہو گئیں اور وجہ ممانعت تعدد مرد و وحدت زن معلوم ہو گئی تو یہ بھی عرض کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ایام عدت وفات وطلاق میں جو نکاح ممنوع رہا تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر ساعت دو ساعت بیشتر مرگ وطلاق سے باہم جماع کا اتفاق ہوا ہو اور بجر د وفات زوج وطلاق پھر دوسرے سے نکاح کر کے جماع کی نوبت آئی تو وہی خرابی لازم آئے گی جو وقت واحد میں کئی خاوندوں کے ہونے میں متصور تھی کیونکہ وہاں بھی وقت واحد میں تو دونوں کا جماع متصور ہی نہ تھا ساعت دو ساعت کے فاصلہ کی ضرورت بالضرور تھی جب باوجود اس کے خرابیہائے مذکورہ لازم آتی تھیں تو یہاں کیوں نہ لازم آئے گی۔

والمحصنات من النساء میں احصان کا فائدہ

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیان محرمات میں لفظ محصنات کو کیوں اختیار کیا لفظ منکوحات یا لفظ متزوجات وغیرہ الفاظ دالہ علی النکاح میں سے کوئی اور لفظ کیوں نہ اختیار فرمایا۔ یعنی اگر والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمنکوحات یا والمتزوّجات فرماتے تو معتدہ خاص کر معتدہ وفات یا معتدہ طلاق مغلظہ کو یہ لفظ شامل نہ ہوتا اور پھر بدلالت "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" معتدہ سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا مگر جن خرابیوں کے باعث حیات زوج اوّل یا نکاح زوج اوّل کے وقت نکاح ممنوع تھا وہ سب خرابیاں اس نکاح میں لازم آتیں الغرض لفظ والمحصنات کے اختیار فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ حرمت نکاح معتدہ کی طرف بھی اشارہ منظور ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لفظ احصان بمعنی حفظ آتا ہے سو یہاں بوجوہ مذکورہ بالا یہ عرض ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو غیر مرد سے محفوظ رکھے اور جو وہ نہ ہو تو جیسے فرض کیجئے مرگ آدبائے تو اس کی کس کو (کنبہ) اور خویش واقرباء حافظ ننگ وناموس ہیں۔ مگر چونکہ بناء حفظ ننگ وناموس پاس نسب ہوتا ہے تو اگر بعد موت زوج اوّل یا طلاق زوج اوّل عورت ایک ساعت کے بعد ہی بچہ جن اُٹھے تو اب حفظ ننگ وناموس

کی کچھ ضرورت نہ رہی کیونکہ اب اختلاط نسب متصور نہیں۔ اس لئے اس صورت میں بجز وضع حمل اس کو اختیار دینا مناسب سمجھا اور یہ ارشاد ہوا:

"وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ." (سورۃ الطلاق، آیت ۴)

ترجمہ: "حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے"۔

ہاں اگر حمل کے ہونے نہ ہونے میں اشتباہ ہو اور کسی کی زوجہ کی نسبت ہر دم یہ اشتباہ رہتا ہے کیونکہ اوّل علوق میں تو جانوروں میں تمیز حمل ہو نہ آدمیوں میں تو اس صورت میں انتظار ظہور حمل مناسب تھا۔

عدت بیوہ اور عدت مطلقہ میں فرق کی وجہ

اس لئے عدت بیوہ دس دِن چار مہینے مقرر ہوئی وجہ اس کی یہ ہے کہ اس مدت میں حمل ہوگا تو خود ظاہر ہو جائے گا کیونکہ موافق احادیث صحیحہ چالیس دن تک نطفہ بصورت نطفہ باقی رہتی ہے اگرچہ اوّل وآخر وقت میں فرق زمین وآسمان ہو۔ الغرض جیسے خون سیاہ وسرخ وزرد میں باوجود تفاوت الوان وہ بات مشترک ہے جس کے باعث اس کو خون کہے جاتے ہیں ایسے ہی نطفہ پر روزِ اوّل اور رنگ ہو اور چالیسویں دِن اور رنگ ہو۔ بایں ہمہ کوئی ایسی بات باہم مشترک ہوتی ہے جس کے باعث اس وقت تک نطفہ ہی کہہ سکتے ہیں علقہ یا مضغہ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں دوسرے چلے میں وہ حالت اس پر عارض رہتی ہے جس کے سبب علقہ یعنی خون کا لوتھڑا اس کا نام ہو جاتا ہے پھر تیسرے چلے میں مضغہ ہو جاتا ہے اور چالیس دن تک مضغہ رہتا ہے بعد تیسرے چلے کے پورے ہو جانے کے نفخ رُوح کی نوبت آتی ہے۔ مگر اوّل اوّل جان پڑتی ہے تو نہایت درجہ کی ناتوانی ہوتی ہے حرکات کی طاقت کجا۔ کسی قدر عرصہ کے بعد حرکات ظاہر ہونے لگتی ہیں سو تین چلوں کے تو پورے چار مہینے ہوئے ربع چلہ بغرض ظہور حرکات اور بڑھا لیا تاکہ حمل کے ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے یعنی جب مقدار شکم زیادہ ہوگئی اور حرکات نمایاں ہوئیں تو پھر یہ احتمال ہو ہی نہیں سکتا کہ استسقاء یا رجاء وغیرہ امراض ہوں ہاں اگر اتنے عرصہ میں ہی حمل ظاہر نہ ہو تو پھر یقین کامل ہو گیا کہ حمل زوجِ مردہ نہیں جو اس کے ننگ وناموس کو ملحوظ

رکھیں اور نسب کی حفاظت کی جائے اس لئے یہ ارشاد ہوا:

"فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" (سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۴)

ترجمہ: "پھر جب وہ اپنی عدت (کے ختم) تک پہنچ جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے متعلق جائز صورت اختیار کریں"۔

اس تقریر سے فائدہ لفظ یتربصن بھی ظاہر ہو گیا اور مفعول یتربصن بھی معلوم ہو گیا۔ یعنی غرض اس لفظ سے یہ تھی کہ جن عورتوں کے خاوند مر جائیں وہ عورتیں دس دِن چار مہینے انتظار کیا کریں سو اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ انتظار ظہور حمل مقصود ہے تا کہ حمل ظاہر ہو جائے تو وضع حمل تک اور کسی سے نکاح نہ کیا جائے اور اگر ظاہر نہ ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ الغرض لفظ یَتَرَبَّصْنَ کے "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" کو ملائیے تو یہ مطلب نکل آتا ہے کہ اگر پورے چار ماہ دس روز انتظار ہی میں گذر جائیں تو پھر عورت کو اختیار ہے مگر انتظار اسی حالت کا نام ہے جس میں اس چیز کے ہونے نہ ہونے کا یقین نہ ہو سکا انتظار ہے۔ سو پورے چار ماہ دس دن تک انتظار بھی متصور ہے کہ آخر ساعت تک یقین حمل نہ ہوا ہو، اور در صورت یہ کہ حمل کا یقین پہلے ہی ہو چکا تو اب اس حالت کو تربُّص بمعنی انتظار نہیں کہہ سکتے جو موافق "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" ایسی حالت میں بعد چار ماہ دس روز کے اجازت نکاح مل جائے بلکہ اس وقت وہ عورت منجملہ " وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔" (سورۃ الطلاق، آیت ۴) سمجھی جائے گی۔ اس طور پر آیت:

" وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا " (سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دِن"۔

اور سورۂ الطلاق کی آیت نمبر ۴ " وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ." میں کچھ تعارض نہ رہا۔

وفات کی عدت میں انتظار سے مقصود فقط ظہور حمل ہے

اور آیت "فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ" میں جو لفظ بالمعروف موجود ہے اس کا فائدہ بھی معلوم ہوگیا یعنی مدت معلومہ کے بعد باوجود ظہور حمل اگر عورت نے کسی سے نکاح کرلیا تو بوجہ مذکور یہ نکاح بھی معروف (جائز) نہ سمجھا جائے گا۔ مگر چونکہ وجہ تربّص بعد موت زوج فقط انتظار حمل ہی تھا اور وجہ تربّص بعد طلاق انتظار رضاء زوج بھی ہے۔ تو عدت وفات میں تو حمل کے چھپانے نہ چھپانے میں جدا گانہ کچھ ارشاد نہ فرمایا کیونکہ یہاں تو خود ظہور حمل ہی کا انتظار مقصود ہے ادھر دس دن چار ماہ ایک مقدار معین ہے جس میں کمی بیشی مقصود نہیں پھر کیا حاجت جو بروئے احتیاط اور تاکید کی جائے اور عدت طلاق کے ذکر کے بعد یہ بھی ارشاد کر دیا:

"وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" (سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۸)

ترجمہ: "اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر"۔

کیونکہ انتظار حمل کے سوا یہاں انتظار رضاء زوج بھی ہے ادھر طہر و حیض اوّل تو منجملہ اُمور مخفیہ (ہیں) دوسرے ان کے لئے مقدار معین نہیں۔ موافق بعض مذاہب اُنتالیس (۳۹) دن میں تین حیض متصور ہیں اور اس قدر مدت میں حمل اوروں پر خوب ظاہر نہیں ہوسکتا غرض انتظار ظہور حمل مقصود نہ تھا جو بیان مدت دربارۂ ممانعت خفا کافی ہوجاتی ادھر بوجہ خفاء اَمر طہر و حیض و عدم تعیین مدت چھپا لینے کا احتمال تھا اس لئے یہاں بتصریح ارشاد کی ضرورت ہوئی۔

طلاق کی عدت میں مقصود خاوند کی رضا بھی ہے

باقی رہی یہ بات کہ عدت طلاق میں انتظار رضاء بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور عدت وفات میں فقط انتظار حمل ہے۔ یہ خود ظاہر ہے رجعت کا طلاق میں مقرر ہونا اور بے نکاح

زوج کو زوجہ پر تصرف کر لینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح بالکل منقطع نہیں ہوا اور کیوں ہو حقیقت نکاح تراضی طرفین تھی اور بناء تراضی اتحاد نوعی اور احتیاج طرفین ہے۔ جو ایک کو دوسرے سے لگی ہوئی تھی پھر احتیاج بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اس احتیاج کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرد مظہر کامل محبت بنایا گیا اور عورت مظہر جمال محبوبیت بنائی گئی تاکہ احتیاج اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر احتیاج کی کوئی صورت ہی نہیں کہ ایک معشوق ہو اور اہل فہم جانتے ہوں گے کہ جذب محبوب جذب محبّ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس صورت میں یہ کب ہو سکتا ہے کہ محبت محبوب محبت محبّ سے کم ہو۔ ورنہ ضعف جذب جو آثار طلب محبت میں سے ہے اِدھر ہوتا اور اُدھر نہ ہوتا۔ اس صورت میں محبّ و محبوب، محبوب یک دگر ہوں گے اور محتاج یکدگر، مگر سوا اس کے اور احتیاجیں یا اس کے برابر ہوں گی یا اس سے کم تر وجہ اس کی یہ ہے کہ بناء احتیاج محبت پر ہی یا تو ہو یعنی عدت طلاق رجعی میں انتظار حمل رضا اگر بے واسطہ محبت ہے تو وہ احتیاج عشق کی ہم وزن ہے بلکہ خود عشق ہے اور اگر بواسطہ ہے جیسے روپیہ وغیرہ وسائل وذرائع رزق کی محبت جو بذات خود فرض کرو محبوب ہے یا متعلقات اشیاء نہ محبوبہ ہی کی محبت۔ تو وہ اس سے کم تر، بہر حال احتیاج عشق ومحبت جمال سے بڑھ کر کوئی احتیاج نہیں اور بناء طلاق ناخوشی اور شکر رنجی معاملات خانگی پر ہے اور ظاہر ہے کہ اتحاد نوعی اور محبت عشقی کوئی اَمر ناپائیدار نہیں جو یوں کہئے کہ آج ہے کل نہیں۔ ہاں شکر رنجی معاملات بیشتر ایک اَمر ناپائیدار ہوتا ہے اس لئے انتظار رضاء نکاح ثانی کے لئے ضرور ٹھہرا۔ بالجملہ تقرر رجعت جو عدم انقطاع نکاح پر دلالت کرتا ہے ضرورت انتظار رضا کے لئے دلیل کامل ہے۔ ہاں جب دو بار یا تین بار پاک صاف ہو کر لباس وزیور سے آراستہ ہو کر عورت پیش نظر رہے اور پھر بھی زوج کو ادھر التفات نہ ہوا تو یوں کہو یہ ناخوش دلی تھی اور یہ نفرت تہ دل کی تھی جو باوجود اس لبھانے کے کچھ خیال نہ آیا۔ الغرض عدت طلاق میں ایسی مدت مقرر کی گئی جس میں حفظ نسب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور نوبت تا مقدور مفارقت کو بھی نہ آئے جو مخالف اصل طبیعت اور منجملہ ابغض المباحات ہے وجہ ثانی کا اس حکم میں ملحوظ ہونا تو آشکارا ہو چکا۔

عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت

پر حفظ نسب کی کیفیت بیان کرنی ضرور ہے حالت حمل میں سب جانتے ہیں کہ حیض بند ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان ایام کے خون کو اگر اتفاق سے آ جائے تو حیض میں شمار نہیں کرتے، مرض استحاضہ میں محسوب ہوتا ہے سو جب مکرر سہ کرر حیض آیا تو احتمال حمل اصلا نہ رہا، بایں ہمہ تقریباً یہ مدت بھی دس دن چار مہینے کے قریب آ پڑتی ہے۔ کیونکہ اکثر عورتوں کی عادت یہی ہے کہ مہینے میں ایک بار آئے اور زیادہ سے زیادہ دس دن آئے سو اگر شروع طہر میں کسی نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تو ایک ایک ماہ کے تین طہر اور تین حیض کا ایک ماہ جس کا ماحصل وہی چار ماہ نکلے مگر چونکہ خاوند یہاں زندہ ہے اور اس کو سب سے زیادہ اپنے نسب کے رہنے بگڑنے کا خیال ہے تو اس قسم کی احتیاط عورت کو کرنی ضرور نہ ہوئی جس قسم کی احتیاط عدت وفات میں ضروری تھی جو اور دس روز کا بھی حساب لگایا جاتا۔

طلاق مغلظہ میں عدم انتظار رضاء زوج کے شبہ کا ازالہ

اب شاید یہ شبہ باقی ہو کہ طلاق مغلظہ میں تو احتمال رجعت باقی نہیں پھر یہ عدت کاہے کے لئے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چار ماہ دس روز بعد بغرض کمال احتیاط مقرر ہوئے تھے اور وجہ اس احتیاط کی یہی تھی کہ صاحب نسب مر گیا دوسروں کو ایسا کیا خیال ہوگا اور نہ حیض اس امر میں کافی تھا۔ کیونکہ حیض کا آنا خود حاملہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ سو جب صاحب نسب زندہ ہو تو پھر اس احتیاط کی کیا ضرورت۔ وہ خود تحقیق کرتا رہے گا بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ دو باتوں میں ایک ہے۔ خود محتاج الیہ سے بے واسطہ محبت ہو یا بواسطہ۔ اور انتظار تھا دونوں ہی کا۔ طلاق مغلظہ میں فقط انتظار حمل ہی رہ گیا۔

طلاق مغلظہ میں عدت کا فائدہ خاوند کو ناشکری کی سزا میں ذہنی کوفت میں مبتلا کرنا بھی ہے

بلکہ غور سے دیکھئے تو یہاں انتظار رضاء کے بدلے ایک اور غرض ساتھ لگ گئی وہ کیا زوج کا جلانا۔ یعنی جب طلاق ثالث کے بعد عورت نے مکرر (دل) لبھایا تو اگر اس کو کچھ

بھی محبت ہوگی تو اب بجز سوز و گداز اور کیا ہاتھ آئے گا۔ اپنے جی میں جل بھن کر رہ جائے گا۔ اور اس کا یہ اضطراب و قلق اور یہ سوز گداز آگے کو تو اس کے یوں کام آئے گا۔ اور عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے گا۔ اور اوروں کو یوں مفید ہوگا کہ انہیں بھی اپنے دن نظر آئیں گے اور عبرت پکڑ کر ایسے خیالات سے باز رہیں گے بہر حال طلاق خلاف مرضی خداوندی تھی اس لئے یہ جرمانہ مقرر ہوا۔ سو ﴿غرض یہاں بھی انتظار رضا بھی ہے گو وہ رضا کے پہلے جفا کے جرمانہ میں بیکار جائے۔ ۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)﴾ یہ بات حیض و طہر ہی کے ساتھ خوب مربوط ہے دس دن چار ماہ کو اس سے علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس عدد کو لبھانے میں کچھ دخل نہیں علاوہ بریں کسی طلاق کا ثانی یا ثالث ہونا ایک اَمر اضافی ہے بلحاظ ما قبل یہ وصف اس پر عارض ہوتا ہے ورنہ فی حدِ ذاتہٖ اوّل اور دوم اور سوم سب برابر ہیں اور عدت مذکورہ حسب بیان بالا طلاق کے مقتضیات ذات میں سے ہے۔ یعنی یہ انتظار رضا بوجہ اتحاد نوعی محبت باہمی وقت ناخوشی قابلِ لحاظ تھا اور حُرمت مغلظہ بوجہ اَمر اضافی مذکور عارض ہوئی اس لئے عدت جوں کی توں رہی۔ کیونکہ مقتضیات ذات عوارض خارجیہ کے باعث زائل نہیں ہوسکتے۔ ہاں جیسے نور شمس وقتِ کسوف زائل نہیں ہوتا چاند کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے لوازم و مقتضیات ذات بھی عوارض خارجیہ کی آڑ میں مستور ہو جاتے ہیں اور اپنا اثر نہیں کرتے سو یہاں بھی بعینہٖ قصہ ہے کہ عدت وہی کی وہی رہی پر فائدہ عدت متفرع نہ ہوا یعنی انتظار رضا بے کار گیا اور زوج اوّل کے ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا۔ بالجملہ حالت عدت میں خاص کر عدت وفات اور عدت طلاق مغلظہ میں نکاح باقی نہیں رہتا اگر رہتا ہے تو اس کا اثر یعنی احصان باقی رہتا ہے۔ سو اگر لفظ والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمتزوّجات یا والمنکوحات فرماتے تو باشارہ "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" معتدہ طلاق مغلظہ اور معتدہ وفات دونوں حلال بھی جاتیں پر علتِ حرمت جوں کی توں باقی رہتی۔ چنانچہ بخوبی واضح ہوگیا۔ اس لئے جناب باری تعالیٰ نے لفظ والمحصنات اختیار فرمایا اور سوا اس کے اور خدا جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔

علت احصان سے متعہ حرام ہے

لیکن جب وجہ اختیار لفظ والمحصنات معلوم ہوگئی اور معنی احصان بخوبی ظاہر

ہو گئے تو اب التماس دیگر یہ ہے کہ یہی وجہ اور یہی معنیٰ :

" وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ " (سورۃ نسآء، آیت ۲۴)"

ترجمہ:" اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو) میں ملحوظ رکھنے چاہئیں بلکہ یہاں یہ لحاظ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اس لئے کہ غیر مسافحین بھی یہاں تو ساتھ لگا ہوا ہے جس کے یہ معنیٰ ہیں۔ کہ شہوت رانی مقصود نہ ہو غرض یہاں احصان مذکور زیادہ تر ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور باوجود اس دلالت سیاق اور تاکید غیر مسافحین اگر احصان بمعنیٰ مذکور ملحوظ نہ ہو تو یوں کہو کہ منکوحات اُمتِ محمدیہ منجملہ والمحصنات نہ ہوں اور سوا ان رشتہ داروں کے جن کے ساتھ نکاح کرنا حسبِ ارشاد سابق حرام ہو چکا ہے اور سب کو منکوحات اُمتِ محمدیہ سے حالت نکاحِ اَوّل میں بھی نکاح درست ہو نعوذ باللہ منہا۔ ہاں اگر احصان کے یہ معنیٰ نہ ہوتے اور وجہ اَمر احصان یہ نہ ہوتی جو بندہ کم ترین عرض کر آیا ہے تو اَلبتہ کسی صاحب کو مجال دم زدن بھی تھی مگر قطع نظر اس بات کے کہ اشارہ حفظ نسب جملہ احکام متعلقہ نکاح سے مترشح ہے۔ چنانچہ معروضات سابقہ اس باب میں کافی ہیں۔ اور وہ اشارات اِرادہ معنیٰ معروض پر مثل آفتاب روشن دلالت کرتے ہیں اور کوئی معنیٰ یا وجہ اگر حکم احصان کے لئے تجویز کیا جائے تو بجز اس کے اور کیا ہو کہ وجہ احصان انتساب فی مابین یعنی عورت کا مرد کے نام لگ جانا موجب حکم احصان ہو اور تفسیر احصان غیرت جاہلیت اہل ہند ہو۔ یعنی تمام عمر کی عدت عورت کے ذمے پڑے۔ سو اَیسے مضامین کے تسلیم کرنے کے لئے عقل جاہلانہ اور مذہب ہندوانہ کی ضرورت ہے اہل اسلام کو ایسے خرافات سے کیا مطلب۔

کون نہیں جانتا کہ باندی غلام بلکہ اور اَموال مملوکہ بھی بعد مرگِ مالک اس کی مِلک سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اجارات بعد موتِ مستاجر فسخ ہو جاتے ہیں سو ملک منافع بضعہ یا اجارہ نکاح ایسا کیا پائیدار اور مستحکم ہے جو بعد مرگ بھی باقی رہے ادھر

طلاق خود قطع نکاح کے لئے موضوع ہے۔ نہایت کار ایک وار میں عقدہ نکاح منقطع نہ ہو۔ تین بار میں منقطع ہو جائے۔ آخر کلہاڑا۔ تیشہ وغیرہ آلات تجار بھی جو قطع اشجار وغیرہ کیلئے موضوع ہوئے ہیں ایک بار اور ایک وار میں تو نہیں قطع کر دیتے۔ بالجملہ طلاق تو قطع نسبت عقد کے لئے موضوع ہے اور موت اگر چہ بالذات قاطع نسبت نہیں پر قاطع رشتہ حیات منتسبین ہے مگر منتسبین یا احد المنتسبین نہ ہوں تو نسبت منقطع کیا معدوم ہی ہو جائے گی اس صورت میں بقاء علاقہ نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

وضع حمل سے پہلے حُرمت نکاح کی حسی مثال

ہاں ایسے کہئے کہ جیسے ظروف مبیعہ میں بائع کا روغن یا شہد وشیر وغیرہ مثلاً رکھا ہوا ہو۔ اور اس وجہ سے مشتری اپنا روغن وغیرہ تاوقتیکہ وہ ظروف خالی نہ ہو لیں۔ ان میں ڈال نہیں سکتا کیونکہ ڈال دے تو اتلاف حق غیر اور افساد حق غیر لازم آتا ہے یعنی بعد اختلاط۔ تمیز حقوق مشکل ہے ایسے ہی تا بقائے حمل زوجِ اوّل، زوجِ ثانی زراعتِ ولد یعنی جماع جس میں ابقاء تخم ولد یعنی نطفہ ہوتا ہے۔ نہیں کر سکتا۔ ہاں مگر اتنا فرق ہے کہ روغن وشیر وغیرہ کا برتنوں میں رکھنا کوئی خواہش طبعی اور لذت قلبی نہیں جو بعد بیع قبل استفراغِ ظروف اندیشہ اختلاط ہو۔ ادھر روغن وشیر وغیرہ ایسی اشیاء نہیں کہ سوا ظرف اَوّل بے نقصان اور کسی ظرف میں منتقل ہی نہ ہو سکیں، بایں ہمہ قطع نظر تعلق حق غیر سے روغن وشیر وغیرہ ایسی اشیاء نہیں کہ زمین پر گرا دیجئے تو یہ گرا دینا اس کے حق میں کوئی ظلم وستم سمجھا جائے اس لئے قبل استفراغ یعنی خالی کرنے سے پہلے ان کی بیع میں کوئی نقصان یا اندیشہ نہ تھا البتہ قبل وضع حمل اگر نکاح تجویز کیا جائے تو یہ ساری خرابیاں موجود ہیں نہ یہ ہو سکے کہ شکم زوجہ سے نکال کر کسی اور شکم میں رکھ دیں نہ یہی ہو سکے کہ اگر زوج اَوّل اپنے حمل کے نکلوانے میں دیر کرے تو زمین پر ہی گرا دیجئے کیونکہ قطع نظر حق زوج اَوّل سے حمل کا گرا دینا بھی تو منجملہ خون ہے جو اوّل درجہ کا ظلم ہے بایں ہمہ یہ زراعت یعنی ابقاء تخم نطفہ جو بوسیلہ جماع ہوتا ہے، ایسی خواہشِ غالب

اور لذت عجیبہ ہے کہ بعد قدرت، صبر قریب محال ہے۔ اس لئے ایسے وقت میں اجتناب زنا کے وہ فضائل مقرر ہوئے کہ کیا کہیئے، بایں نظر نکاح ہی ایسے اوقات میں ممنوع ٹھہرایا گیا نہ یہ کہ بقاء نکاح، مانع نکاح ثانی ہے اور ظاہر ہے کہ بعد انقطاع نکاح اوّل سوائے اندیشہ اتلاف حق غیر یا افساد حق غیر دوسروں سے نکاح کا ممنوع ہونا ایسا ہی ہے جیسا بعد انقطاع علاقہ ملک کسی غلام باندی کا کسی سے عقد اجارہ خدمت کا ممنوع ہونا سو جیسا اس کو کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا ایسے ہی قطع نظر اتلاف وافساد حق غیر سے بعد انقطاع نکاحِ اوّل ممانعت نکاح ثانی کوئی تجویز نہیں کر سکتا۔ ورنہ قطع نظر مخالف ہدایت کے پھر عدت ہی کی کیا تخصیص تھی مثل بیوگان ہند ساری عمر ہی نکاح ممنوع ہونا تھا۔

بہر حال سوا اندیشۂ اختلاط نسب وجہ ممانعت نکاح وقت بقاء نکاح اوّل یا وقت عدت اور کوئی اَمر نہیں اس لئے ایسے نکاح کی تحریم کے وقت ایسا لفظ جامع اختیار فرمایا جو اس وجہ مشترک پر دلالت کرے اور پھر اسکے بعد " وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ" (سورۃ نسآء، آیت ۲۴)" ارشاد کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو عورتیں باقی رہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط اِرادہ احصان ہی حلال ہیں ورنہ موافق قاعدہ مذکورہ لازم آتا ہے کہ منکوحات اہل اسلام اوروں پر حرام نہ ہوں۔ کیونکہ جب احصان ملحوظ نہ رہا تو وہ منجملہ محصنات نہ ہوئیں سو جو لوگ ایسے ہوں کہ ان سے کوئی رشتہ موجب حرمت منجملہ رشتہ ہائے مذکور الصدر نہ ہو ان سے نکاح حرام نہ ہو۔

حرمت متعہ کی وجہ شہوت رانی ہے

مگر جب معنی احصان اور تفسیر احصان یہ ٹھہری جو اُوپر معروض ہوئی تو نکاح متعہ حلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے۔ احصان مقصود نہیں ہوتا۔ اگر احصان مقصود ہوتا تو عدت ضرور مقرر ہوتی کیونکہ تا بقاء مدت متعہ خاوند جماع کا مجاز ہے اور کیوں نہ ہو عورت کو اور نوکر ہی کا ہے کے لئے رکھا ہے اور جب آخر ساعت مدت متعہ

میں جماع کی نوبت آئی تو پھر احتمال حمل باقی ہے اس صورت میں عدت کا مقرر ہونا ضرور تھا حالانکہ باقرار شیعہ متعہ میں عدت نہیں ہوتی اور کلام اللہ میں اس کی عدت کہیں مذکور نہیں۔ یعنی جیسے عدت طلاق اور عدتِ وفات جدا جدا کلام اللہ میں مذکور ہیں عدت متعہ جداگانہ کلام اللہ میں کہیں مذکور نہیں۔ الغرض نہ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ عدت متعہ مثل عدت طلاق یا عدت وفات ہے اور نہ کلام اللہ سے اس کا کہیں پتہ نکل سکتا ہے۔

از روئے عقل متعہ عدت کا متقاضی نہیں

اور یہ عدم عدت متعہ بروئے عقل بھی دیکھئے تو بجائے خود ہے کیونکہ یہاں نکاح متعہ وقت اختتام مدت تمام ہو چکا اور ظاہر ہے کہ کسی شئے کے تمام ہو جانے کے بعد اس کے آثار باقی نہیں رہ سکتے ہاں انقطاع شئے کے بعد وہ آثار جو بوسیلہ اتصال ظاہر ہوتے تھے، کسی قدر باقی رہتے ہیں مثلاً ایک تو درخت کا تمام ہو جانا ہے اس صورت میں تو آثار نمو بھی مثل تازگی وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اگر شاخ درخت سے ملی ہوئی کوئی چوب خشک رکھی ہوئی ہو تو آثار نمو یعنی تازگی اس میں نہیں جاتی اور اگر درخت کو یا اس کی شاخ کو قطع کر دیجئے تو وہ تازگی جو اُوپر کے کسی ٹکڑے کو بوجہ اتصال نیچے کی طرف پہنچی تھی کس قدر دیر تک باقی رہتی ہے اور پھر ایک زمانہ معین کے بعد مبدل بخشکی ہو جاتی ہے۔ سو ایسے ہی نکاح حلال اور متعہ میں فرق ہے۔ متعہ میں تو ملک منافع اختتام کو پہنچ جاتی ہے اور طلاق و وفات میں مِلک نکاح منقطع ہو جاتی ہے اگر ان دونوں کی نوبت نہ آئی تو نکاح کے بقاء میں کوئی شک نہیں اور متعہ میں ظاہر ہے کہ طلاق دو یا نہ دو مرو نہ یا مرو بعد اختتام مدت مثل دیگر اجارات تمام لازم آ جاتا ہے سو یہ عدم جواز نکاح ثانی جو آثار ولوازم نکاح اوّل میں سے تھا نکاح متعہ میں باقی رہے تو کیونکر رہے ہاں اگر نکاح حلال کے انقطاع کے بعد جو کسی قدر باقی رہے تو بجائے خود ہے۔

استبراء کا عذر لنگ مفید نہیں

اس صورت میں اگر کوئی شیعہ بوجہ دُور اندیشی آج استبراء کی پخ بھی لگائے تو اس

کا کیا جواب دیں گے کہ یہاں استحقاق استبراء زوج اوّل کو باقی نہیں کیونکہ اس کا حق تمام ہو چکا منقطع نہیں ہوا اگر منقطع ہو جاتا تو مضائقہ بھی نہ تھا غرض نہ نکاح اوّل باقی ہے نہ اثر نکاح اوّل پھر استحقاق زوج اوّل ہی کیا ہے جو ثانی سے معاملہ نہ ہو سکے۔ ہاں اگر ممانعت نکاح محصنات کی علت سواء پاس زوج اور کوئی اَمر ہوتا تو مضائقہ بھی نہ تھا۔ مگر ناظران تقاریر گذشتہ پر یہ بات بخوبی واضح ہے کہ یہ ممانعت بے شک بوجہ حق زوج ہے اور کیوں نہ ہو۔ ازواج متعدد ہوں تو شہوت رانی میں چنداں حرج نہیں تولد اولاد میں کچھ نقصان نہیں اگر شہوت رانی کو تعدد ازواج مانع ہوتا تو رنڈیوں کی دوکان کا ہے کو چلتی۔ تولد اولاد میں نقصان کا خیال تو غلط۔ ہاں اُمید کہئے تو بجا ہے ایک زوج ہو تو یہ بھی احتمال ہے کہ عنین ہو یا اس کا نطفہ صالح نہ ہو متعدد ہوں تو یہ احتمال بھی اُٹھ جاتا ہے غرض تکثر بنی نوع اور تکثر نسل حضرت آدم میں یہ اَمر خارج نہیں۔ ہاں بنی آدم من بوجہ اتلاف وافساد حقوق یقینی تھا اس لئے ممنوع ٹھہرایا گیا۔

زن متعہ کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے

باقی رہا باندیوں پر قیاس کرنا اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہے۔ کیونکہ وہاں نکاح زوجِ اوّل یعنی کافر تمام نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس ملک مالک اوّل تمام نہیں ہوتے یہ دونوں منقطع ہو جاتے ہیں اگر تمام ہوتے تو بے احراز یا بے بیع بھی وقت معلوم پر زوج اَوّل اور مالک اوّل سے زنان معلومہ جدا ہو جاتیں اور جب انقطاع ٹھہرا تو اب عدت بوجہ مذکور بجائے خود ہے مگر چونکہ بشہادت آیت:

"فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ" (سورۃ النساء، آیت ۲۵)

ترجمہ: "تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے بیبیوں کی سزا سے"۔

جو چند آیتوں کے بعد آگے موجود ہے یہ بات معلوم ہوئی کہ احترام اِماء مثل احترام حرائر نہیں بلکہ باندیوں کا احترام حرائر سے آدھا ہے تو عدت اور طلاق بھی ان کی

آدھی مقرر ہوئی کیونکہ یہ دونوں باتیں بھی بوجہ احترام ہی مقرر ہوئی ہیں یعنی بایں نظر کہ اولاد حرائر زیادہ مرغوب و معزز سمجھی جاتی ہے۔ تو ان کی اولاد کا نسب بھی زیادہ قابل حفاظت سمجھا گیا اس لئے ان کے لئے پوری عدت مقرر ہوئی یعنی وہ مقدار مقرر ہوئی جو بشہادت عقل زیادہ سے زیادہ ہے مگر جب باندیوں کی اولاد زیادہ معزز اور محترم نہ ہوئی تو بقدر کمی احترام احتیاط اور حفظ میں کمی آئے گی سو وہ کمی چونکہ بقدر نصف تھی تو طلاق عدت میں بھی مثل حدود تناصف لازم آیا۔ اس لئے کہ علت تنصیف دونوں جا موجود ہے یعنی تناصف احترام ہی باعث تناصف عذاب ہوا تھا۔

قاعدہ ہے جن کا اعزاز زیادہ کیا جاتا ہے انہی سے مواخذہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

انسان کو ترک صوم و صلوٰۃ اور ارتکاب ظلم و فساد اور زنا اور شرب خمر وغیرہ پر عذاب ہوگا جانوروں کو نہ ہوگا۔ وجہ کیا ہے؟

یہی احترام و اکرام بنی آدم اور عدم احترام و اکرام حیوانات ہے اسی طرح تناصف احترام موجب تناصف طلاق اور تناصف عدت ہونا چاہئے۔

باندی میں طلاق کی تجزی نہ ہونے کی وجہ

ہاں اتنا فرق ہے کہ ماہیت عذاب مشار الیہ یعنی حدود اگرچہ قابل تنصیف حقیقی نہیں پر عدد عذاب یعنی حدود قابل تنصیف حقیقی ہے۔ اس لئے تو سو (۱۰۰) دُرّوں کی جا پچاس (۵۰) اور اَسّی (۸۰) کی جگہ چالیس (۴۰) مقرر ہوئے مگر طلاق کو دیکھا تو زمانہ ماہیت طلاق قابلِ تنصیف ہے اور نہ عدد طلاق لائق تنصیف۔ عدد کا قابل تنصیف نہ ہونا تو اس کے طاق ہونے سے ظاہر ہے اور اگر کسی کو بوجہ تجویز کسور شبہ واقع ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کسور معدود میں ہوتی ہیں عدد میں نہیں ہوتی ورنہ وحدات، یا احاد عدد، وحدت واحد نہ رہیں مرکب اور متعدد ہو جائیں اس سے زیادہ علماء کو ضرورت نہیں اور کم فہم زیادہ بھی بدقت ہی سمجھیں گے رہی ماہیت طلاق اس

میں تصنیف درکنار مطلق انقسام ہی کی گنجائش نہیں۔ ہاں وہ اگر منجملہ کمیات ہوتی ہوتو یہ بات ہوتی البتہ بوسیلہ عدد انقسام عددی متصور ہے۔ اس لئے اس کی طلاق مغلظہ دوسری طلاق ہوگی کیونکہ اگر بالفرض کوئی شخص بزعم خود ہی آدھی طلاق دے تو اس کے اقرار کے موافق وجود مادّہ طلاق تو ہوا مگر طلاق واحد حسب بیان بالا نہ باعتبار ماہیت قابلِ تقسیم ہے نہ باعتبار عدد جو یوں کہا جائے کہ آدھی آدھی نہیں اس لئے جب ہوگی تو پوری ہی ہوگی۔

حیض وطہر بذاتِ خود قابل انقسام نہیں

علیٰ ہٰذا القیاس عدت طلاق کو خیال فرمائیے کیونکہ حیض وطہر بذات خود تو قابلِ انقسام ہی نہیں اگر ہیں تو باعتبار زمانہ قابلِ انقسام ہیں وجہ اس کی اسی سے ظاہر ہے کہ ان کے لئے کوئی مقدار معین نہیں یعنی کوئی ایک زمانہ مقرر نہیں کہ اس سے کمی بیشی متصور نہ ہو قلیل وکثیر سب پر ان دونوں کا اطلاق درست ہے سو یہ بات کہ قلیل وکثیر دونوں پر برابر اطلاق ہو سکے اشکال وصور یعنی حدود کے خواص میں سے ہے خواہ وہ شکل وصورت مدرکات بصری میں سے ہو یا کسی اور حاسہ کے مدرکات میں سے ہو۔ غرض اس جگہ صورت مصطلع اہل منطق سمجھنی چاہئے صورت حاصلہ فی العقل سے جو وہ مراد لیتے ہیں وہی میں مراد لیتا ہوں۔ اور وجہ اس اختصاص کی کہ اس قسم کا اطلاق انہیں کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ حدود وصور اگرچہ حدود وصور کمیات ومقادیر کیوں نہ ہوں اقسام کیف میں سے ہیں اقسام کم میں سے نہیں جو مقدار کی کمی بیشی باعثِ اختلاف مقصود ہو جائے اگر مثال سے تسکین خاطر مقصود ہے تو سنئے کسی کی تصویر اس سے چھوٹی ہو یا اس سے بڑی، صورت وہی کی وہی رہتی ہے ورنہ تبدل صورت ہوا کرتا تو پھر اس کا تصویر ہونا اور اس پر اس کا دلالت کرنا غلط ہو جاتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمی بیشی معروض تصویر میں ہوتی ہے خود تصویر میں نہیں ہوتی اس صورت میں حیض وطہر کا انقسام بھی بذاتِ خود ممکن نہ ہوا جو ثلاثۃ قروٗ کی جگہ باندیوں کے لئے ڈیڑھ قرء بلاکم وکاست مقرر ہو اس صورت میں

جب ڈیڑھ قرء کسی کے ذمہ رکھا جائے گا تو پورے دو ہی قرء لازم آئیں گے۔

معنی قرء میں حنفی شافعی اختلاف اور علم ریاضی سے اس کی وضاحت

اگر قرء بمعنی حیض ہے جیسے حنفی کہتے ہیں تو دو حیض۔ اور بمعنی طہر ہے جیسے شافعیوں کا مذہب ہے تو دو طہر۔ ہاں معروض طہر و حیض یعنی زمانہ مثل معروض تصویر البتہ محل انقسام ہوتا ہے سو وہ اور چیز ہے اس سے یہاں بحث نہیں۔ بحث کے قابل یہ بات ہے کہ تصویر یعنی وہ صورت جو کاغذ وغیرہ پر مرقوم ہوتی ہے۔ قطع نظر کاغذ سے بھی قابلِ انقسام ہے یا نہیں۔ سو اہل فہم سلیم پر روشن ہوگا کہ اگر وہ اس طرح قابل انقسام ہوتی تو لا ریب اس کے لوازم ذات بھی قابل انقسام ہوتے اگر صورت حسین ہو تو حسن بھی بعد انقسام منقسم ہو اور قبیح ہو تو قبح بھی بعد انقسام منقسم ہو۔ علیٰ ہذا القیاس درصورت حسن جس قدر محبت پوری صورت سے تھی وقت تنصیف وہ بھی نصفا نصفی ہو جائے حالانکہ تنصیف میں تو بہت کچھ نقصان آجاتا ہے۔ یہاں تو فقط ایک آنکھ کی ناک کی کمی بیشی میں حسن مبدل بقبح ہو جاتا ہے۔ اور محبت مبدل بہ نفرت سو وجہ اس تبدل و انقلاب کی یہی ہے کہ صورت سابقہ منقسم نہیں ہوتی بلکہ بدل جاتی ہے اور کیونکر نہ ہو بعد انقسام منقسم کا اقسام پر صادق آنا ضرور ہے۔ غلہ آب زمین وغیرہ اشیاء کو اگر تقسیم کرتے ہیں تو تمام اقسام اور اجزاء کو بعد تقسیم بھی غلہ، آب، زمین ہی کہتے ہیں اور صورت کا یہ حال ہے کہ بعد عروض اس حالت کے جس کو بظاہر انقسام کہئے اطلاق مقسم درست نہیں ہوتا بلکہ اس کا اور کچھ نام ہو جاتا ہے مثلاً مربع کو اگر قطر وغیرہ سے تنصیف کیجئے تو پھر ان ٹکڑوں کو جو بعد انقسام مشار الیہ حاصل ہوئے ہیں مربع نہیں کہہ سکتے بلکہ مثلث یا منحرف کہیں گے۔ وجہ اس انقلاب کی وہی ہے کہ یہ تقسیم صورت مربع پر عارض نہیں ہوئی بلکہ معروض مربع اعنی سطح پر عارض ہوئی ہے۔ اس لئے اطلاق سطح ہنوز بدستور ہے۔ مگر چونکہ سطح مذکور کو بوجہ عروض صورتِ مربع، مربع کہہ دیتے ہیں اس لئے عوام کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مربع اعنی صورت مشار الیہ منقسم ہوگئی اسی طرح آب و زمین وغیرہ اشیاء جنس کو سمجھئے کہ جو چیز قلیل و کثیر پر برابر بولی جاتی ہے وہ صورت آب و زمین ہے مگر وہ قابلِ انقسام نہیں اور جو چیز قابل انقسام ہے وہ معروض

صورت آب ہے وہ ہیولیٰ ہو یا اجزاء لا تجزی یا بُعد مجرد۔ سو کوئی صاحب اس بات سے کہ آب بعد انقسام پھر آب ہی رہتا ہے حالانکہ قلیل کثیر پر بولا جاتا ہے دھوکا نہ کھائیں اور اس بات کو غلط نہ سمجھیں کہ جو چیز قلیل و کثیر پر یکساں بولی جائے وہ مثل صورت حدود قابل انقسام نہیں ہوتی وجہ اس شبہ کی یہ ہے کہ کبھی حدود خود محدود ہو جاتی ہیں۔ جیسے سطح حد جسم ہے اور بہ نسبت خطوط خود محدود ہے۔ سو ایسی ہی چیز میں ایک حد ہوتی ہے ایک محدود ایک صورت ہوتی ہے، ایک معروض۔ صورت انقسام تو عوارض محدود و معروض میں سے ہوتا ہے اور اطلاق علی القلیل والکثیر لوازم و موجبات صورت و حدود میں سے ہوتا ہے اور جہاں دونوں باتیں مجتمع ہو جاتی ہیں یعنی ایک شئے کسی کی حد اور صورت ہو اور کسی کی محدود اور ذو صورت۔ تو انقسام اور عدم انقسام کا بھی یہی حال ہوگا کہ ایک اعتبار سے انقسام ہوگا اور ایک اعتبار سے نہ ہوگا۔ مثلاً سطح اگر منقسم ہے تو عرض و طول میں منقسم ہے مگر اس اعتبار سے وہ حد اور صورت جسم نہیں۔ حد اور صورت جسم ہے تو باعتبار عمق ہے اور ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے سطح قابل انقسام نہیں۔

القصہ حیض و طہر طہارت و نجاست منجملہ صور و حدود ہیں اور احکام دینے میں بہ حیثیت صورت ہی ملحوظ ہیں۔ کیونکہ ان سے یا تحدید زمانہ مقصود ہے جیسے عدت میں ہوتا ہے یا تقیید مکلفین مثلاً جب یوں کہتے ہیں کہ نماز بے وضو درست نہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ مؤمن مطلق کی نماز صحیح نہیں بلکہ مؤمن طاہر کی نماز صحیح ہے سو جیسے غسل، وضو قابل انقسام نہیں ورنہ آدھے وضو سے آدھی نماز صحیح ہو جایا کرتی اور آدھے غسل سے اس کے متعلق آدھے کام نکل آیا کرتے۔ ایسے ہی حیض و طہر کو سمجھئے۔ سو جب ان میں انقسام ہی نہیں تو اگر کہیں نصف حیض یا نصف طہر لازم آئے گا تو سارا ہی حیض و طہر لازم آئے گا کیونکہ آدھا کہو یا تہائی وجود مادّہ پر دلالت کرتا ہے مگر مادّہ چونکہ قابل انقسام نہیں ادھر قلیل و کثیر پر اطلاق برابر درست ہے تو آدھا ہے جب سارا ہوگا اور تہائی ہے جب سارا ہوگا۔

استبراء بیک حیض اور عدتِ کامل میں فرق

اور استبراء بیک حیض جو بعد ملک باندیوں کے باب میں ضرور ہوا اور تین حیض رہے

نہ دو۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت طلاق میں فقط حفظ نسب ہی مقصود نہ تھا بلکہ انتظار رضا زوج بھی ملحوظ تھا تو یہاں انتظار تو ہے نہیں اگر ہے تو فقط حفظ نسب ہے اس کے لئے ایک حیض کافی ہے کیونکہ حیض آنا حمل کے نہ ہونے کے لئے دلیل کامل ہے بایں ہمہ اندیشہ اتلاف افساد حق غیر نہیں کیونکہ اگر حمل ہوا بھی تو وہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ داخل ملک مالک ہو چکا۔ اس لئے زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ ہوئی مگر بہر حال یہاں بھی انقطاع نکاح ہے اتمام نکاح نہیں جو زن متعہ کو ملک یمین پر قیاس کر کے استبراء کا قائل ہو جائیے۔ اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرتفع ہو گیا کہ عدت متعہ کلام اللہ میں مذکور نہیں تو کیا ہوا استبراء زن غنیمت اور باندیوں کی عدت بھی مذکور نہیں۔ کیونکہ یہ سب کلام اللہ ہی سے ثابت ہوا۔ بایں ہمہ ان وجوہ میں سے ایک وجہ بھی مذکور ایسی نہیں جو زن متعہ کو اس وجہ سے ان احکام میں سے کسی میں شریک کر دیجئے اور نہ ان شاء اللہ قیامت تک علماء شیعہ کو کوئی وجہ مقتضی استبراء عقل و نقل سے ہاتھ آئے بلکہ برعکس آرزو شیعہ وجوہ عدم استبراء عقل و نقل سے نمایاں ہیں سو اگر علماء شیعہ کو عقل و نقل سے سروکار ہے اور اس دین کو موافق اشارہ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ عین حکمت سمجھتے ہیں تو عدم وجوب استبراء کے قائل ہوں گے اور پھر بوجہ عدم دخول فی المحصنات متعہ کی حرمت پر ایمان لاویں گے۔ ورنہ وہ جانیں۔

بالجملہ محصنین الخ اس پر شاہد ہے کہ وہ عورتیں جن کو مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ کہئے اگر حلال ہیں تو بشرط احصان حلال ہیں اور ظاہر ہے کہ رعایت احصان ان عورتوں کے محصنات بنا دینے کو مقتضی ہے اور بالالتزام زن متعہ کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ غرض یہ مضمون ایسا عام نہیں کہ زن نکاح اور زن متعہ دونوں کو شامل ہو اور تفریع فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ از قسم بیان احکام خاص بعد ذکر العام ہو۔

استمتاع کا مفہوم و مطلب

ہزار افسوس علماء شیعہ نے اسْتَمْتَعْتُمْ کی میم، تا، عین کو تو دیکھا پر یہ نہ دیکھا کہ اگر یہ کلمہ متعہ پر دلالت کرے گا تو یہ قصہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسے کہا کرتے ہیں ”بیاہ میں بیچ کا

لیکھا" اوّل کلام معارض کلام آخر اور آخر معارض اوّل ہو جائیں گے۔ مگر ہاں شاید علماء شیعہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ خدا کو بھی اپنی طرح دروغ گو سمجھتے ہیں۔ اور اپنی شرم اُتارنے کہ حافظہ نباشد کا الزام خدا کے ذمہ لگاتے ہیں۔ سبحان اللہ اس خوش فہمی کے قربان جایئے کہ میم، تا، عین کے بھروسے سُنیوں سے اُلجھنے کو تیار ہیں۔ اگر ان خرابیوں پر نظر نہ تھی جو مذکور ہوئیں تو معنی لغوی استمتاع کو دیکھنا تھا کہ کیا ہے۔ بوستان گلستان کے پڑھنے والے بھی اتنا تو جانتے ہیں کہ یہ مادّہ بمعنی انتفاع آتا ہے۔ بوستان کا یہ مصرعہ "تمتع زہر گوشۂ یافتم" علماء شیعہ کو بھی یاد ہوگا۔ اور اُستاد کے بتلائے ہوئے معنی بھی محفوظ ہوں گے۔ اگر لغات عرب اور محاورات کلام اللہ سے جاہل تھے۔ تو گلستان بوستان تو عربی کی کتاب بھی نہ تھی۔ جیسے زبان اُردو میں عربی فارسی وغیرہ الفاظ داخل ہو گئے ہیں ایسے ہی حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کی فارسی میں سینکڑوں الفاظ عربی داخل ہو گئے تھے منجملہ ان کے لفظ تمتع بھی تھا۔ اگر اسی قرینہ سے یہ سمجھ لیتے کہ لفظ **استمتعتم** بمعنی **انتفعتم** ہے تو کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ہاں یوں کہئے بھوکوں کو دو اور دو چار روٹیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں جہاں میم، تا، عین ہو وہاں موافق آرزو پنہانی شیعوں کے مرد عورت کو متعہ سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ بات تھی تو اس مطلب کے لئے آیت "**فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ**" زیادہ مناسب تھی اوّل تو الی الحج بیان مدت اور تحدید زمانہ کے لئے عمدہ ماخذ تھا کیونکہ آیت "**فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً**" (سورۃ النساء، آیت ۲۴) میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو تحدید مدت پر دلالت کرے اور متعہ کیلئے وجہ ثبوت بن جاتی اور اگر قرأت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ **اِلٰی اَجَلٍ** بھی ہے تو وہ مثل الی الحج متواتر نہیں بلکہ قرأۃ شاذہ میں سے ہے اور جب سنیوں کے نزدیک وہ قرأت شاذ ہوئی تو پھر اس کے بھروسے ان کا الزام دینا شیعوں کی غلط فہمی ہے۔

شیعہ کے نزدیک متعہ نکاح سے افضل ہے

دوسرے نکاح اور متعہ میں اگر بظاہر ایک نوع کا تجانس ہے تو درحقیقت بون بعید اور فرق زمین و آسمان ہے۔

نکاح ایک ہو یا ہزار نہ حضرت امام الشہداء (درکربلا) امام حسین رضی اللہ عنہ کا رُتبہ ملے نہ حضرت سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ میسر آئے نہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا مقام حاصل ہو نہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب نصیب ہو۔ اور متعہ کا یہ رُتبہ کہ ایک (مرتبہ) کرے حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی مسند اُڑائے اور دُو کرے تو حضرت سبط اکبر کی گدی اڑائے اور تیسرا کرے تو پھر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی قدر ومنزلت میں شریک ہو اور چوتھی میں تو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہیم ہو جائے۔ ﴿کتب شیعہ سے متعہ کے ان فضائل کا ثبوت موجود ہے۔ دیکھو شیعہ مفسر اپنی تفسیر منہج الصادقین میں نقل کرتا ہے" **من تمتع مرة كان درجته كدرجة الحسين عليه السلام و من تمتع مرتين فلدرجته كدرجة الحسن عليه السلام و من تمتع ثلاث مرات كان درجته كدرجة علي بن ابي طالب عليه السلام و من تمتع اربع مرات فلدرجته كدرجتي** "۔ یعنی ہر کہ یک بار متعہ کند درجہ او چوں درجہ حسین علیہ السلام باشد و ہر کہ دو بار متعہ کند درجہ او چوں درجہ حسن علیہ السلام باشد و ہر کہ سہ بار متعہ کند درجہ او چوں درجہ علی بن ابن طالب علیہ السلام باشد و ہر کہ چہار بار متعہ کند درجہ او مانند درجہ من باشد۔ تفسیر منہج الصادقین ص ۴۹۳، ج ۲۔ مطبوعہ تہران۔ ۱۲۔ محمد اشرف﴾ اور پھر قیاس کو دوڑائے تو حسب خیالات و افہام شیعہ پانچویں متعہ میں خدا ہونے کی اُمید کا موقع ہے۔ ادھر غسل میں یہ پاکیزگی کہ ہر قطرہ خمیر یک مَلک (فرشتہ) ہے جس کو سوا تسبیح و تقدیس ربانی اور کچھ کام نہ ہو۔ (ہر کہ یکبار در مدت عمر خود متعہ کند از اہل بہشت باشد و ہر گاہ متمتع و متمتعہ باہم بنشیند فرشتہ بر ایشاں نازل گردد و حراست ایشاں کند تا آنکہ از آں مجلس برخیزند و اگر باہم سخن کنند سخن ایشاں ذکر و تسبیح باشد و چوں یکدگر بوسہ نہند حق تعالیٰ بہر بوسہ حجی و عمرہ برائے ایشاں بنویسد و چوں خلوت کنند بہر لذتے و شہوتے حسنہ برائے ایشاں بنویسد مانند کوہہائے برافراشتہ، بعد ازاں فرمود کہ جبرئیل مرا گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ می فرماید کہ چوں متمتع و متمتعہ برخیزند و بغسل کردن مشغول شوند و بغسل درحالتیکہ عالم باشند با آنکہ من پروردگار ایشانم گواہ شوید بر آنکہ من آمرزیدم ایشاں را و آب بر ہیچ

موئے از بدن ایشاں نگذرد مگر کہ حق تعالیٰ بہر موئے دہ حسنہ برائے ایشاں بنویسد و دہ سیئہ محو کند و دہ درجہ رفع نماید۔ پس امیر المؤمنین علیہ السلام برخاست و گفت ''انا مصدقک'' من تصدیق کنندہ ام ترا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیست جزائے کسے کہ دریں باب سعی کند؟ فرمودہ ''لہٗ اجرھما'' مراورا باشد اجر متمتع و متمتعہ۔ گفت یا رسول اللہ اجر ایشاں چہ چیز است؟ فرمود چوں بغسل مشغول شوند بہر قطرۂ آب کہ از بدن ایشاں ساقط شود حق تعالیٰ فرشتۂ بیافریند کہ تسبیح و تقدیس او بسحانہ کند و ثواب آں از برائے غاسل ذخیرہ باشد تا روز قیامت۔ (منہج الصادقین ص ۴۹۴، ج ۲) ۱۲۔ محمد اشرف) اس صورت میں متعہ کا نکاح کے ساتھ پیوند ایسا ہے جیسا خراب مرد بازاری سے تاج شاہانہ کو سی دیجئے۔

ائمہ سے متعہ کے فضائل دراصل متعہ حج کے لئے ہیں

ہاں اگر حج کعبہ سے متعہ کو جوڑیئے تو بروئے باطن تو یہ مناسبت کہ حج اگر موجب مغفرت معاصی ہے تو متعہ سرمایۂ ترقی مدارج ہے وہ اگر عنوان محبت ہے تو یہاں مصداق محبوبیت ہے۔

تفصیل اس اجمال کی احکام حج اور فضائل متعہ سے عیاں ہے۔ احرام۔ سروپا برہنہ نعرہ لبیک برزبان حجر اسود کا بوسہ اور ملتزم کی ہم آغوشی اور کعبہ کا طواف اور کوچہ صفا میں مارے مارے پھرنا۔ رَمی جمار، ناصح نادان کو سنگ باراں کرنا اور پھر آخر کار قربانی۔ یعنی جان و مال کو قربان کر دینا یہ سب عاشقوں کے کام ہیں اور مقامات حسنین رضی اللہ عنہما اور مناصب حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور مدارج حضرت بشیر و نذیر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں سرمایہ محبوبیت ہے۔

ادھر نکاح میں بجز حصول اولاد یا قضاء شہوت اور کچھ منفعت دینی ہے نہ دنیوی اس لئے وہاں اگر مہر میں زخارف دنیوی مقرر کئے جائیں تو بجائے خود ہے۔ پر متعہ جیسی افضل العبادات کے اَجر میں مال دُنیا کا دینا لاریب موجب توہین ہے۔ ہاں جیسے نکاح میں باموالکم فرمایا ہے۔ متعہ میں اگر بالعمرۃ فرمائیں تو البتہ کچھ ٹھکانے کی بات ہے پھر اگر

الی الحج کو غایت تمتع نہ کہیے بلکہ بیان تحدید عوض متعہ ہو یعنی عمرہ سے لے کر حج تک جو کچھ ثواب اور برکات میسر آئیں وہ سب اجر و مہر متعہ قرار دیا جائے اور تحدید مدت مثل لفظ استمتعتم لفظ تمتع کے مدلولات میں سے رکھئے تو گو تحدید مدت متعہ کہیں سے بتصریح ثابت نہ ہوگی اگر ہوگی تو بدلالت وضع مادہ متعہ ثابت ہوگی۔ مگر اس صورت میں فضیلت متعہ کی طرف زیادہ تر اشعار ہو جائے گا ادھر جزا فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کی وجہ موجہ ہاتھ آ جائے گی یعنی درصورت یہ کہ اس متعہ کو جو آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ میں اس کی طرف اشارہ ہے متعہ حج کہیے جیسا تمام اُمت کہتی ہے۔ تو یہ حکم ہدی بوجہ شکر توفیق جمع عمرہ و حج سمجھا جاتا تھا اور جب اس متعہ کو متعہ زن قرار دیا جائے اور اس کیلئے اس قدر ثواب و مدارج تجویز کئے جائیں تو پھر بدرجہ اولیٰ شکر مذکور لازم آئے گا کیونکہ اس صورت میں اپنی جان بھی قربان ہو جائے تو بجا ہے وصال جاناں اور رضائے جان آفرین دونوں موجود ہیں۔ بہر حال اگر یہی اٹکل بے جوڑ قصہ ہے تو مطلب بر آری شیعہ آیت "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ" سے اس قدر متصور نہیں جس قدر آیت " فَمَنْ تَمَتَّعَ " سے اس مطلب کے حصول کی اُمید ہے۔

آیت تمتع حج کی طرح آیت فما استمتعتم سے بھی متعہ مراد لینا بالکل باطل ہے

ہاں اگر اس پر نظر ہے کہ کلام ربانی میں تحریف معنوی نہ ہونے پائے اور تعارض اوّل آخر کی نوبت نہ آئے بلاغت کلام ہاتھ سے نہ جائے اور حکمت عقلی قانون نقلی سے ٹکر نہ کھائے تو پھر نہ آئے " فَمَنْ تَمَتَّعَ" سے یہ مطلب نکل سکتا ہے اور نہ آیت "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ" سے یہ کام چلتا ہے آیت " فَمَنْ تَمَتَّعَ" میں بشہادت سیاق و سباق انتفاع دو عبادتوں سے ایک احرام میں مراد ہے اور آیت "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ" میں انتفاع جماع و خلوت مقصود ہے یعنی اگر بعد نکاح خلوت صحیحہ کی نوبت آ جائے تو پھر جتنا مہر مقرر ہو لیا ہے سارا کا سارا دینا آئے گا چنانچہ اُجُوْرَهُنَّ کے بعد لفظ فَرِيْضَةً اسی لئے بڑھایا ہے اور وجہ اس ارشاد کی یہ ہے کہ اگر بالفرض بعد

نکاح قبل خلوت زن منکوحہ کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو موافق ارشاد آیت:

" وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ" (سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۷)

ترجمہ: ''اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے''۔

آدھا مہر دینا آتا ہے سارا مہر واجب نہیں ہوتا۔ سارا مہر جب ہی واجب ہوتا جب کہ خلوت صحیحہ بھی میسر آ جائے۔

قرأت شاذہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا محمل

اس صورت میں قرأت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسی مضمون کی مبین اور مفسر ہوگی اور یہ قاعدہ بھی درست رہے گا کہ قرأت شاذہ حکم تفاسیر رکھتی ہیں اور وجہ تفسیر کی خود ظاہر ہے کیونکہ اِلٰی اَجَلٍ غایت "اسْتَمْتَعْتُمْ" ہوگی۔ سو اَجَل منکر (نکرہ) کو غایت ونہایت استمتاع یعنی انتفاع خلوت رکھا جائے گا تو یہی معنٰی ہوں گے کہ کسی قدر مدت تک بھی نوبت استمتاع آئے گی تو سارا ہی مہر لازم آئے گا۔ بالجملہ لفظ اَجَل بھی مثل زمانہ قلیل وکثیر پر بولا جاتا ہے۔ ایک ساعت قلیلہ سے لے کر زمانہ دراز تک کو اَجل کہہ سکتے ہیں۔ سو قدر خلوت صحیحہ بھی ایک مصداق اِلٰی اَجَلٍ ہے۔ الغرض شیعہ اِلٰی اَجَلٍ کو انتہاء عقد سمجھ کر بہکے اگر انتہاء انتفاع سمجھ جاتے تو ساری باتیں ٹھکانے لگ جاتیں اور اس تجویز کی بھی نوبت نہ آتی کہ "اسْتَمْتَعْتُمْ" میں تضمین معنیٰ عقد کر کے اپنا کام بنایا معنی حقیقی استمتاع سے کام نہ چل سکا۔ الغرض اگر آیت استمتاع کو ماخذ حلت متعہ تجویز کیجئے تو (۱) اوّل تو معنی مجازی لینے کی ضرورت یعنی تضمین معنی عقد کیجئے تو کام چلے۔ (۲) سوا اس کے کلام اللہ کی بے ربطی۔ (۳) نظم قرآنی کی بے انتظامی۔ (۴) آیت مُحْصِنِيْنَ اور آیت (۵) اَلْمُحْصَنَاتُ کے مخالف آیت (۶) نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ کے معارض (۷) حلت تعدد ازواج زن واحد کو مستلزم۔ اتنی خرابیاں سر دھریئے تو متعہ کے جواز

کا آیت "اِسْتَمْتَعْتُمْ" سے نام لیجئے۔ سو یہ بات سوا شیعوں کے اور کس سے ہو سکے۔

لفظ اُجُوْرَهُنَّ سے تعیین مدت کے بارے میں واقع ہونے والے شبہ کا جواب

باقی وہ شبہ جو لفظ "اُجُوْرَهُنَّ" سے دوبارہ تعیین مدت واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیت میں متصل ہی یوں ارشاد ہے:

" وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ" (سورۃ النساء، آیت ۲۵)

ترجمہ: "اور جو کوئی نہ رکھے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لائے بیبیاں مسلمان تو نکاح کرے ان سے جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں جو تمہارے آپس کی لونڈیاں ہیں مسلمان اور اللہ کو خوب معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک ہو سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کے مہر"۔

اس آیت میں بتصریح ذکر نکاح اور پھر بایں ہمہ لفظ "اُجُوْرَهُنَّ" موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح و متعہ کی حقیقت میں تو یہی فرق ہے کہ متعہ میں مدت محدود ہوتی ہے نکاح میں مدت نکاح محدود نہیں ہوتی سو جس طرح یہاں لفظ "اُجُوْرَهُنَّ" مقتضی تحدید مدت نہیں ایسے ہی آیت استمتاع میں بھی سہی۔ علاوہ بریں عقد نکاح کو عقد بیع تو کہہ ہی نہیں سکتے اگر کہیں گے تو عقد اجارہ ہی کہیں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ متعہ کو تو سوا شیعہ اور کوئی جائز نہیں کہتا پر نکاح کے جواز میں کسی کو کلام ہی نہیں سو جب اس کو عقد اجارہ کہا اور مدت معین نہ ہوئی تو لفظ "اُجُوْرَهُنَّ" نہ شیعوں کو مفید ہوا نہ سنیوں کو مضر۔ بلکہ یہ شبہ اُلٹا شیعوں کو مضر پڑا۔ اس لئے کہ تصحیح متعہ کے پتے (لئے) نکاح متفق علیہ کافۂ انام غلط ہو گیا۔ یعنی جب لفظ "اُجُوْرَهُنَّ" اس بات کو مقتضی ہے کہ عقد مذکور عقد اجارہ ہو اور عقد اجارہ کو تعیین مدت اس صورت میں لازم ہوئی کہ تعیین کار کسی اور طرح

نہ کیا گیا ہو۔ تو پھر اس صورت میں نکاح اماء کا بطلان آپ ظاہر ہوگیا۔ لفظ "اُجُوْرَهُنَّ" موجود ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ عقد نکاح عقد اجارہ ہو اور پھر نکاح میں تعیین کار کی کوئی صورت نہیں تو اب بجز بطلان اور کیا ہوگا۔

نکاح اور مِلک یمین میں مِلک اصلی ہے متعہ اور عاریت میں صرف اخذ منافع

اور ہم سے پوچھئے تو تحقیقی بات یہ ہے کہ جیسے روشنی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ذاتی دوسری عرضی۔ یعنی ایک تو یہ کہ روشنی کہیں اور سے ماخوذ اور مستعار نہ ہو جیسے بظاہر نور آفتاب کا حال ہے۔ دوسرے یہ کہ کہیں اور سے ماخوذ ہو جیسے دھوپ کے وقت زمین کی روشنی۔ ایسے ہی مِلک منافع کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ نوبت استعارہ نہ آئے جیسے اپنے مِلک میں ہوتا ہے دوسرے یہ کہ کہیں اور سے حاصل کیجئے پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ملک منافع بعوض مال ہو جیسے اجارہ میں۔ دوسرے یہ کہ بے عوض ہو جیسے عاریت میں ہوتا ہے۔ بہرحال ملک منافع جو بطور اخذ و استعارہ ہو اس کے لئے ماخذ اور معیر کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے روشنی ماخوذ کے لئے ماخذ کی ضرورت ہوتی ہے سو جیسے منافع ماخوذ آخذ کی ملک ہو جاتے ہیں۔ ماخذ منافع معطی کی مِلک ہوتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد گذارش یہ ہے کہ متعہ میں تو مرد آخذ منافع بعوض ہوتا ہے اور نکاح میں مرد مالک ماخذ ہوتا ہے۔ سو جیسے اپنی باندی غلام سے انتفاع بوسیلہ ملک ماخذ ہے بوجہ اخذ منافع نہیں اور دوسرے کے غلام سے انتفاع یا کسی اور محسن یا اجیر سے انتفاع بوجہ اخذ منافع ہے بوسیلہ ملک ماخذ نہیں اور اس لئے احسان و اجارہ میں بعد مرور وقت انتفاع یعنی احسان و اجارہ ملک خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی باندی غلام کے منافع کی ملک بعد مرور وقت انتفاع بھی باقی رہتی ہے۔ البتہ بوجہ اعتاق یعنی ازالہ ملک ماخذ منافع ملک زائل ہو جاتے ہیں ایسے ہی اپنی زوجہ منکوحہ سے انتفاع بوسیلہ ملک ماخذ ہے اخذ منافع نہیں۔

متعہ میں طلاق اور اعتاق نہیں ہوتا

اور یہی وجہ ہے کہ بعد مرور وقت انتفاع بھی، ملک اور اختیار انتفاع باقی رہتا ہے۔ مرور وقت انتفاع سے مِلک زائل نہیں ہوتی طلاق یعنی ازالہ ملک ماخذ منافع

سے ملک منافع زائل ہو جاتی ہے اور زن متعہ سے انتفاع بطور اخذ منافع ہے اس لئے زوالِ وقت، موجب زوال ملک و زوال اختیار انتفاع ہو جاتا ہے۔ طلاق کی حاجت نہیں۔ اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعہ میں طلاق کیوں نہیں ہوتی اور نکاح میں کیوں ہوتی ہے۔ القصہ جیسے ملک یمین کے لئے اعتاق ہے ملک اجارہ کے لئے نہیں ایسے ہی ملک ماخذ منافع زن کے لئے طلاق ہے ملک منافع یعنی اجارہ متعہ کے لئے نہیں بہر حال جیسے ملک یمین میں انتفاع کے لئے کوئی مدت معین اور محدود نہیں ہوتی ایسے ہی ملک ماخذ منافع میں بھی انتفاع کے لئے کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔

متعہ و نکاح میں بیع کا شبہ بھی باطل ہے

ہاں یہ شبہ باقی رہا کہ اگر یہی ملک ماخذ اور تناسب طلاق و عتاق ہے تو یوں کہو کہ نکاح میں عورت اپنے آپ کو یا کسی عضو خاص کو شوہر کے ہاتھ بیع کر دیتی ہے سو اوّل تو اُحرار و حرائر کی بیع یا ان کے اعضاء کی بیع درست نہیں نہ خود ان کو نہ کسی اور کو کیونکہ حر و حرہ کسی کے مملوک نہیں ہوتے نہ اپنے نہ کسی بیگانہ کے اور بفرض محال ہوتے بھی تو اپنے تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ مالک اور مملوک اور بائع اور مبیع میں تقابل و تضایف ہے۔ اور متضایفین میں تغایر ضرور ہے اتحاد متصور نہیں چنانچہ مفہوم مالک و مملوک و بائع و مبیع بشہادت وجدان بھی ہر خاص و عام کے نزدیک تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

منکوحہ میں بیع و شراء ہبہ اور عاریت کے اختیارات کیوں نہیں؟

دوسرے اس صورت میں مہر کو ثمن و قیمت کہنا اُجر کیوں فرمایا علاوہ بریں بیع و شراء اور ہبہ اور عاریت کا اختیار کیوں نہیں اس کا جواب ایک مقدمہ لطیفہ پر موقوف ہے اوّل اس کا عرض کرنا ضرور ہے۔

مقدمہ لطیفہ تمام اشیاء میں قبضہ ہی سے ملک تام حاصل ہوتا ہے

علت (۱) ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ منکوحہ میں اسباب معروفہ بیع و شراء وغیرہ نہیں پائے جاتے پھر یہ اسباب انتقال ملک کا سبب ہیں۔ حدوث ملک کا سبب نہیں جیسا کہ بادی

اثنٰعشر میں شبہ ہوتا ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی ﷾ ملک قبضہ ہے سوا اس کے اور کوئی اَمر موجب ملک نہیں اموال منقولہ و غیر منقولہ اَوّل اگر مملوک ہوتے ہیں تو اسی قبضہ کے بدولت ہوتے ہیں جانوران وحشی اور نباتات خودرو ئیدہ اور آب چاہ و دریا کے مملوک ہونے کا طریقہ بجز قبض اور کچھ نہیں۔

اسباب معروفہ بیع و شراء و غیرہ انتقال ملک کا سبب ہیں نہ کہ حدوث ملک کا

باقی رہی بیع و شراء و ہبہ اجارہ وصیت میراث اسباب معروفہ، اسباب انتقال ملک ہیں۔ اسباب حدوث مِلک نہیں یعنی مِلک موجود ایک جا سے دوسری جا چلی جاتی ہے یہ نہیں کہ پہلی ملک کا نام ونشان کچھ نہ تھا اسباب مذکورہ کے سبب از سرنو حادث ہو جاتی ہے بایں ہمہ ان اسباب میں بھی قبض کی ضرورت حصولِ مِلک کے لئے اہل فہم پر مخفی نہیں قبل قبض جو بیع مبیع مشتری کو ممنوع ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ملک قبض ہی سے حاصل ہوتی ہے قبل قبض حاصل نہیں ہوتی پھر بیع کس چیز کی کی جائے بیع مالایملک نہ نقلاً درست ہے چنانچہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں۔ اور نہ عقلاً زیبا اس لئے کہ بیع میں مبادلہ مِلک بالملک ہوتا ہے جب ملک ہی نہیں تو مبادلہ کیونکر ہو سکے اور اگر قبل قبض مبیع مِلک پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ممانعت کی کیا وجہ تھی ارکان بیع سارے موجود بائع موجود مشتری موجود۔ مبیع موجود۔ ثمن موجود۔

حرمت ربا کی وجہ یہ ہے کہ ربا میں ایک طرف سے عوضِ مِلک نہیں پایا جاتا

اگر صورت ربا ہوتی تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر فرض کرو سیر بھر گیہوں کو سوا سیر گیہوں سے مثلاً فروخت کریں گے تو پاؤ سیر کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس کو مبیع کہو گے تو ثمن ندارد ہے اور ثمن کہو گے تو مبیع نیست و نابود ہے اور پورے سوا سیر کو سیر کے مقابل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس صورت میں جنس واحد ہے تو موجبات رغبت دونوں برابر ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف سیر بھر ہو اور ایک طرف زیادہ اس لئے عدالت خداوندی اس بات کو مقتضی ہوئی کہ اتحاد جنس کی صورت میں مقدار میں کمی بیشی نہ کی جائے

۔ہاں درصورت اختلاف جنس بجز تساوی وزن و پیمانہ رغبت کی اور کوئی صورت نہ تھی۔اس لئے وہاں اجازت دی گئی اور اگر کسی صاحب کو رضاء طرفین کے سبب کچھ تامل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراضی بہ نیت ثواب ومواسات ہوگی تو وہ معاملہ بیع نہیں قدر زائد کو ہبہ سمجھو اور اگر بنظر عوض مال ہے تو کوئی صاحب فرمائیں قدر زائد کے عوض میں کیا ہے۔

بیوع فاسدہ میں بھی ربا ہے

علیٰ ہذا القیاس بیوع فاسدہ کو سمجھو کیونکہ وہاں بھی علاوہ متقابلین ایک طرف کچھ اور بھی مشروط ہوتا ہے مثلاً گھوڑا، بھینس، گائے، مکان کی کسی قدر روپوں کے عوض بیع کر کے بائع یہ شرط لگائے کہ ایک ماہ تک مثلاً میں قبضہ نہ دوں گا اپنے ہی قبضہ میں رکھوں گا۔سو یہ ایک مہینہ کے منافع بے عوض بائع کو حاصل ہوں گے کیونکہ جب بیع واقع ہو چکی تو اب مبیع کو بائع سے کیا علاقہ وہ مشتری کے باپ دادے کی ہو چکی اس کے منافع میں بائع کا استحقاق منجملہ محالات ہے اس لئے بناچاری ان منافع کو بلاعوض کہنا پڑے گا اور اگر فرض کرو بیع ابھی ہوئی ہی نہیں تو مشتری کو دعویٰ استحقاق جیسا اب ناروا ہے ایسا ہی بعد ماہ بھی ناروا ہوگا بالجملہ بیوع فاسدہ اور معاملات سود کے ممانعت کی ایک ہی وجہ ہے۔قدر زائد اور شرط زائد میں ارکان بیع واجارہ سارے موجود نہیں ہوتے۔

اگر مبیع یا منافع عقد اجارہ کہو گے تو ثمن واجرت کا پتہ نہیں ثمن واجرت کہو گے تو مبیع ومنافع کا نشان نہیں غرض بیع فاسد میں وہ بیع سود ہو یا کچھ اور ظاہر میں ایک ہوتی ہے۔ اور کہنے کو ایک معاملہ ہوتا ہے پر حقیقت میں ایک تو بیع صحیح ہوتی ہے اور ایک بیع باطل اس کے ساتھ اور لگی ہوئی ہوتی ہے۔یعنی وہ معاملہ لگا ہوتا ہے جس کے تمام ارکان موجود نہیں ہوتے اگر ہوتے ہیں تو بعضے موجود ہوتے ہیں بعضے نہیں ہوتے سو بیع قبل القبض کو اگر موجب مِلک کہا جائے تو پھر کون سا رکن بیع مفقود ہو گیا ہے جو اس کو ممنوع کہیے بلکہ معاملہ بیع موجب استحقاق قبض ہو جاتا ہے اور قبض موجب مِلک علیٰ ہذا القیاس ہبہ کو سمجھو فرق ہو گا تو اِتنا ہو گا کہ کسی کے نزدیک مثل بیع قبضہ مشاع بھی موجب مِلک سمجھا جائے

اور کسی کے نزدیک قبضہ مشاع کافی نہ ہو بلکہ بایں نظر کہ اشتراک کیلئے تساوی مراتب ضرور ہے ورنہ مالک اور مستعیر اور خدائے مالک الملک اور بندگان مالک و قابض اموال شریک دیگر سمجھے جاتے تقسیم کی ضرورت پڑی تا کہ موہوب کے لئے کوئی مزاحم باقی نہ رہے ورنہ اشترک باوجود عدم تساوی مراتب قبضہ جملہ قابضان لازم آئے گا۔

اجارہ، عاریت، میراث اور وصیت میں بھی قبضہ پایا جاتا ہے

جب بیع اور ہبہ کا حال معلوم ہوگیا تو اجارہ اور عاریت کے حال کی تحقیق کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ یہاں بعینہٖ وہی معاملہ ہے جو وہاں ہے یعنی اجارہ میں بیع منافع ہوتی ہے اور عاریت میں ہبہ منافع فقط۔ نوع مبیع اور نوع موہوب جدا جدا ہے۔ ہاں میراث اور وصیت باقی ہیں۔ سو ان میں بظاہر اگرچہ حصول ملک کے لئے قبض کی ضرورت نہیں پر غور سے دیکھئے تو وہاں بجرد موت مورِث موصی قبضہ ذات وارث و موصی لہٗ حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ قابض اوّل کا قبضہ تو کیا خود ہی اُٹھ گیا اور کوئی مزاحم حال نہیں، حاکم سب کا وکیل اور اس کا قبضہ موجود، اور ظاہر ہے کہ قبضہ وکیل وہ قبضہ مؤکل ہی ہوتا ہے بالجملہ حاکم بوجہ حکم خداوندی وارث اور موصی لہٗ کے دِلانے کو موجود۔ اور کوئی دعویٰ استحقاق نہیں رکھتا۔ ہاں بیع و ہبہ میں قبضہ بائع واہب ہنوز موجود ہے جب تک اس کا قبضہ باقی ہے۔ مشتری اور موہوب لہٗ کا قبضہ ممکن نہیں۔

مال غنیمت میں بھی قبضہ علت مِلک ہے

القصہ تمام احکام و آثار مِلک۔ قبضہ کے علت مِلک ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ احراز کا ملک غنیمت کے لئے مشروط ہونا اور قبضہ کفار کا رافع مِلک اہلِ اسلام ہوجاتا ہے۔ اسی جانب مشیر ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ کسی کے نزدیک بعد غلبہ کفار اگر پھر اہل اسلام مسلط ہو جائیں تو ملک سابق اہل اسلام عود نہیں کرتی بعض اموال مقبوضہ ملک مالکان سابق نہیں ہو جاتے بلکہ حسب قانون غنیمت تقسیم کئے جائیں گے اور بعضے علماء کے نزدیک وہ مِلک سابق پھر عود کر آتی ہے۔ جیسے برودت

آب بعد زوال حرارت پھر عود کر آتی ہے بالجملہ جس طرف سے دیکھئے قبض ہی کا موجب مِلک ہونا نکلتا ہے تمام احکام دین اور اقوال علماء دین اس پر شاہد ہیں۔

بدن کے واسطے سے اَموال پر رُوح کا قبضہ ہوتا ہے اور مرنے سے بوجہ اُٹھ جانے قبضہ کے ملک چلی جاتی ہے

اس صورت میں بدن انسانی کا مملوک رُوح انسانی ہونا ضروری التسلیم ٹھہرا کیونکہ رُوح اِنسانی کا اپنے بدن پر قبضہ بدیہی (ہے) اگر ہاتھ کواشارہ کرتی ہے تو وہ ہلتا ہے اور پاؤں کواشارہ ہوتا ہے تو وہ چلتا ہے۔ آنکھ۔ کان سب اسی کے زیر فرمان ہیں اسی کے احکام کی بجا آوری میں شب و روز مشغول ہیں۔ بلکہ قبضہ رُوح جو اور اشیاء پر ہوتا ہے اس کے لئے قبض علی البدن شرط ہے یعنی جب تک رُوح کا قبضہ بدن پر نہ ہو چکے تب تلک کسی چیز پر قبضہ رُوح نہیں ہوسکتا اس سے زیادہ اور کیا تصرف ہوگا جس کا تحقیق قبضہ کے لئے انتظار ہے ادھر بدن انسانی کا قابل الملک ہونا اور رُوح کا لائق ملکیت ہونا ایسا نہیں جو گنجائش انکار ہو اگر رُوح لیاقت مالکیت نہ رکھتی تو کسی چیز کی نسبت مالکیت متحقق نہ ہوسکتی۔ اموال منقولہ وغیر منقولہ سب آزاد ہی رہتے اس لئے کہ سوا رُوح اور ہے تو بدن ہے اور بدن کا حال ظاہر ہے کہ وہ تنہا مالک تو کیا مملوک ہونے کے قابل نہیں۔ القصہ بعد انتقال وانفکاک رُوح۔ بدن جوں کا توں رہتا ہے۔ اگر مالک خود بدن ہوا کرتا تو نہ صرف مورث کی ملک زائل ہوتی اور نہ وارث کی ملک اس کے قائم مقام ہوسکتی مالکیت رُوح ہی کے متعلق تھی مگر چونکہ سرمایہ مِلک وہ قبضہ ہے اور اَموال پر قبضہ بوسیلہ بدن تھا اور وقت انتقال۔ بدن سے قبضہ اُٹھ گیا تو اَموال سے بھی قبضہ اُٹھ گیا۔ بالجملہ رُوح کا مالک اور لائق مالکیت ہونا ایسا نہیں کہ انکار ہو سکے۔

بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل

رہا بدن اس کا مملوک ہونا اوّل تو اسی سے ظاہر ہے کہ ملک یمین اس دین کے مسلّمات میں سے ہے۔

دوسری دلیل

دوسرے مملوک ہونے کیلئے مالیت شرط ہے اور مالیت کیلئے میلان خاطر ضرور ہے غرض مال اس میلان ہی سے مشتق ہے اور موجب میلان طبائع سلیمہ بھی منافع ہوتے ہیں

خمر، خنزیر اور میتہ وغیرہ ناپاک اشیاء غیر نافع ہونے کی وجہ سے مسلمان کی ملکیت نہیں بن سکتے

یہی وجہ ہے کہ میتہ اور دم اور ناپاکی کو مال نہیں کہتے اور ان کی بیع کو باطل کہتے ہیں کیونکہ بیع میں بھی مبادلہ مال بالمال ہوتا ہے جب ان اشیاء میں منافع ہی نہیں تو مال بھی نہیں کہہ سکتے۔

علیٰ ہذاالقیاس خمر وخنزیر میں اگرچہ منافع موجود ہیں مگر مسلمان کے حق میں خمر وخنزیر نافع نہیں بلکہ ایسے مضر ہیں جیسے سمیات اگرچہ کسی نہ کسی بات میں نافع ہیں لیکن مزاج اِنسانی کے لئے مضر ہیں بالجملہ مدار ملکیت مالیت پر ہے اور مدار مالیت منافع پر ہے اور ظاہر ہے کہ منافع بدن انسانی منافع اَبدان دیگر سے بدرجہا زیادہ ہیں۔اس کے صنائع و بدائع ایسے نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔اس صورت میں بدن انسانی کو اسی رُوح کا مملوک کہنا جو اس پر قابض ہے اور متصرف ہے اور حاکم اور بادشاہ ہے ہر عاقل کے ذمہ ضرور ہے۔

ہاں اتنی بات ہے کہ جیسے مملوکات خداوندی قابل بیع و ہبہ و میراث نہیں ایسے ہی بدن انسانی بھی قابل بیع وغیرہ نہیں۔علاوہ بریں جیسے چھت کی کڑی کا بیچنا قبل انفصال ناجائز حالانکہ اس کا مملوک ہونا بدیہی اسی طرح باوجود مالکیت و مملوکیت بیع بدن قبل انفصال رُوح تو اس لئے ناجائز ہے کہ قبضہ مشتری متصور نہیں اور بعد انفصال اس لئے جائز نہیں کہ اوّل تو اختیار بیع مالک کو ہوتا ہے مالک وہ روح تھی سو وہ اور عالم کو چل دی۔دوسرے معنی مالیت بعد انفصال رُوح باقی نہ رہے کیونکہ اس وقت بدن انسانی ایک میتہ اور جیفہ ہے اور میتہ اور جیفہ کو مال نہیں کہہ سکتے کیونکہ اب کوئی منفعت اس میں باقی نہ رہی۔

بدن اور رُوح کے تعلق کی مثال

بالجملہ جب تک بدن میں پرتو رُوح اور اثر روحانیت ایسی طرح موجود تھا جیسے زمین میں دھوپ کے وقت پرتو آفتاب اور اثر آفتاب ہوتا ہے تب تک اس میں منافع حیات موجود تھے۔ بعد موت نہ اثر رُوحانیت یعنی حیات رہا نہ وہ منافع باقی رہے مگر ہاں اگر بوجہ موافق اشارہ ''اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (الاعراف، آیت ۱۷۹)'' کوئی کفر شخص ملحق بالحیوانات ہو جائے اور اس لئے داخل حبالہ مِلک اہل ایمان ہو تو گو تنہا بدن ان کے حق میں بھی نافع نہیں۔ مگر جیسے اور حیوانات سے بوسیلہ پرتو رُوحانی انتفاع ممکن ہے۔ یہاں بھی ممکن ہے۔ اور یہ بات اگرچہ اپنے بدن کی بیع و شراء میں کبھی خیال میں آسکتی ہے۔ لیکن جب اس بات کا لحاظ کیجئے کہ درصورت بیع خود رُوح بائع ہوگی اور ظاہر ہے کہ مبیع غیر بائع ہوتی ہے کیونکہ بیع ایک مفہوم اضافی ہے۔ جس کی ایک جانب بائع ہے اور ایک طرف مبیع اور یہ دونوں متحد نہیں ہو سکتے ورنہ حاشیتین اضافت کا تغایر جو بدیہی اور ضروری ہے محض غلط ہو جائے اس لئے خود رُوح تو مبیع بن نہیں سکتی پھر اگر رُوح کی امداد مشروط رہے تو وہی فساد اور بطلان مشار الیہ لازم آئے گا اور امداد مشروط نہ ہو اور بجبر کام لیا جائے تو ظلم صریح کا فتویٰ دینا پڑے گا۔

رُوح کفار پر بوجہ جائز ہونے جبر کے غلام اور باندی میں مِلک آجاتا ہے

اور جہاد میں بیع نہیں ہوتی جو فساد و بطلان کا اندیشہ ہو، ظلم کا کھٹکا فضیلت جہاد نے رفع کر دیا غرض جیسے شگاف دنبل اور قطع عضو بوسیدہ اور ریم خوردہ نہ دنبل و عضو کے حق میں ظلم ہے نہ صاحبِ دنبل و عضو کے حق میں۔ بلکہ صاحب دنبل و عضو کے حق میں احسان ہے ظلم نہیں ایسے ہی قتل و قمع کفار نہ ان کے حق میں ظلم نہ اور عالم...... کے حق میں ظلم ہے بلکہ اور عالم کے حق میں احسان ہے اس لئے وہاں اگر رُوحِ کفار پر جبر کیا جائے تو بدرجہ اَولیٰ جائز اور بجائے خود ہوگا۔ آئندہ بعد اسلام غلام یا اس کا آزاد نہ ہو جانا اگر کسی کو موجب تامل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو حق ملک یقینی اور اسلام میں یہ احتمال

کہ بغرضِ عتق ہو۔ اور اَمرِ یقینی اَمرِ محتمل سے حقوقِ غیر میں مرتفع نہیں کر سکتی دوسرے اسلام ضدِ کفر ہے ضدِ رقیب نہیں جو بے رفع کیے مرتفع ہو جائے جیسے کفر خود ضدِ عتق نہ تھا جو بے مملوک بنائے یعنی بے قبضہ کئے کافر مملوک ہو جائے ایسے ہی اسلام ضدِ مملوکیت نہیں جو بے رفع کئے مرتفع ہو جائے یعنی بے آزاد کئے آزاد ہو جائے۔ ہاں جیسے کفر موجبِ قبولِ مِلک ہے اور یہی وجہ ہوئی کہ قتل وسلب وقبض جان و مال کی ترغیب دی گئی ۔ ایسے ہی ''اسلام'' میں ضعف قبول مذکور آجاتا ہے اس لئے اعتاق کی ترغیب دی گئی۔ اور اس تقریر سے حقیقت معاملہ کتابت جو مکاتب کے ساتھ ہوتا ہے معلوم ہوگئی ہوگی۔

کتابت میں مملوک اپنے آپ کو خرید لیتا ہے

غرض یہ ہے کہ معاملہ کتابت میں مالک کی جانب سے بیع اور مکاتب کی جانب سے شراء بدن خود ہوتا ہے مگر چونکہ موانع مذکورہ میں سے یہاں سب مفقود ہیں تو بجز جواز معاملہ اور کوئی حکم نہ آیا۔

بالجملہ رُوح انسانی اس بدن کی ضرور مالک ہوتی ہے جس کے ساتھ اس کو تعلق حاصل ہے اور جب مالکیت اور مملوکیت متحقق ہوگئی تو اس وجہ سے تو اس بیع میں تامل زیبا نہیں جو تحقیق حقیقت نکاح مفہوم ہوتی ہے۔ ہاں کوئی اور وجہ ہو تو مضائقہ نہیں سوا اور کوئی وجہ اگر متصور تھی تو وہی عدم امکان قبضہ تھا وہ بھی غور سے دیکھا جائے تو یہاں مفقود ہے کیونکہ کل بدن کی بیع میں تو بوجہ عدم امکان قبضہ جس کی تشریح بقدر کفایت ہو چکی ممانعت کی گئی تھی بوجہ عدم مالکیت و مملوکیت نہیں کی گئی تھی۔ رہی حریت وہ اصل میں صفت رُوحانی تھی صفت جسمانی نہ تھی بلکہ جسم تو مملوک رُوح تھا اور رُوح اَحرار کسی کی مِلک نہ تھی۔ اس لئے بیع اَرواح تو بوجہ حریت ممنوع تھی اور بیع اجسام خود رُوح کو تو بوجہ عدم امکانِ قبضہ اور سوا اس کے اَوروں کو بوجہ مِلک غیر ممنوع ہوئی۔ ہاں جب بوجہ کفر۔ کفار کے اَموال کی اجازت ہوئی اور ان پر جبر و تعدی جائز ہوا تو بدن مملوک روح پر تو قبضہ اور خود رُوح پر دوبارہ اعمال جسمانی جبر میں کچھ حرج نظر نہ آیا بلکہ ملازمانِ خاص یعنی اہل ایمان کی کار

برآری کے لئے مثل قبضہ و اِکراہِ حیوانات، قبض و اِکراہ کفار کی اجازت دی گئی۔ الغرض بیع اجسام اَحرار بوجہ عدم مملوکیت ممنوع نہ تھی بوجہ عدم امکان قبضہ یہ بیع ممنوع تھی مگر نکاح میں یہ قبضہ بے ظلم و جبر برضاء ورغبت بائع یعنی زن منکوحہ متصور ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

اَحرار کے اجسام کی بیع بوجہ تذلیل جائز نہیں

ہاں اگر اَحرار کو خصوصاً مَردوں کو اوروں کی خدمت گاری ایسی طرح مرغوب ہوتی جیسے عورت کو خدمت فراش یعنی جماع مرغوب ہے تو پھر علی العموم بیع ابدان اَحرار جائز ہو جاتی۔ مگر یوں دیکھا کہ اَرواح اَحرار کو اوروں کی خدمت مرغوب تو کیا ہوگی ایسی مکروہ ہے کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی مکروہ ہی نہیں۔ اگرچہ بوجہ طمع یا اندیشۂ نوبت اضطرار نہ پہنچے یا اُمید رضائے خدا تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معارض نہ ہوں تو پھر اہل ہمت کو نفس خدمت گذاری سے مرگ بہتر ہے کیونکہ اس میں ہتک عزت ہے اور عزت کے پتے ہی اکثر جانیں جاتی ہیں۔ بادشاہوں کی لڑائی بھوک و پیاس کے تقاضے سے نہیں عزت ہی کیلئے ہے وقت غیرت مردوں کا زہر کھالینا اور گولی کھا کر مر جانا اس عزت ہی کی بدولت ہے بلکہ عورتیں جن کا خوف وجُبن اُن کی حُب زندگانی پر گواہ ہے غیرت کے وقت ڈوب کر مر جاتی ہیں تو اس عزت کی محبت میں مر جاتی ہیں اس صورت میں اگر بالفرض بیع اَبدان اَرواح کو جائز ہوتی تو اس بیع کے سبب وہ ذلت اُٹھانی پڑتی کہ خدا کی پناہ۔

القصہ عزت کے برابر بندوں کے نزدیک کوئی چیز نہیں بلکہ بندے کیا خدا کے یہاں بھی اگر پوچھ بھی ہے تو اسی کی ہے۔ وہاں بھی اگر مطلوب ہے تو یہ ہی عزت مطلوب ہے۔ چنانچہ آیت:

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ“ (سورۃ للذٰریٰت) اور ”وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ “ (سورۃ البینہ، آیت ۵)

(اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی اپنی بندگی کو) اور آیت (اوران کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے بندگی)۔

اسی حصر طلب پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ تعبد اسی تذلل کو کہتے ہیں اور تذلل میں بھی (خدا کے آگے) صَرف عزت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے ادھر اور نعمتوں کی دادو دہش کے لئے مخلوقات کو رکھا اور عزت کا مصرف کسی اور کو نہ بنایا بلکہ اوروں کے لئے صَرف عزت سے مطلقاً منع فرمایا۔

خدا نے تمام قوتوں کو مخلوق کے لئے صرف کرنے کا حکم دیا ہے لیکن عزت کو اپنے لئے مخصوص کر دیا

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نعماء داخلی ہوں جیسے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک یا نعماء خارجی جیسے روپیہ روٹی کپڑا خدا کے کسی مصرف کا نہیں اس کی اگر ضرورت ہے تو مخلوقات ہی کو ہے ہاں بایں نظر کہ حوائج ضروریہ سد باب عبادت اور نیز موانع ہر کار میں کھانے پینے کو سامان عبادت کہئے اور ہاتھ پاؤں کی عبادت کو رفع موانع قرار دیجئے تو پھر اس دادو دہش اور اس امداد کو خدا ہی کا کام کہیں گے بہر حال صرف نعماء خارجی و داخلی سوا نعمت عزت، مخلوقات کے لئے تجویز کیا اور اس پر کیا کیا ثواب عنایت فرمایا۔ مگر ہاں عزت بنی آدم خاص اپنے لئے رکھی یہاں تک کہ سوال سے منع فرمایا اور وجہ اس اختصاص کی یہ ہوئی کہ عزت کے لئے استغناء کی ضرورت ہے اور ذلت کے لئے احتیاج کی حاجت اور استغناء اس سے زیادہ متصور نہیں کہ سب خوبیاں موجود ہوں اور ذلت اس سے زیادہ ممکن نہیں کہ ہر خوبی میں دوسرے کا محتاج۔ سو در صورت یہ کہ خدائے تعالیٰ اور بندہ ناکارہ میں یہ فرق ہو تو پھر جس کے محتاج ہوں وہی عزت کا مستحق ہے سو اس کے اور کسی کے سامنے ذلیل نہ ہونا چاہئے یا یوں کہئے خدا تعالیٰ کے خزانہ میں سب کچھ ہے ایک عجز و نیاز ہی نہیں اسی کی طلب گاری ہے اس لئے جتنا عجز و نیاز بن پڑے اسی کے سامنے بجالانا چاہئے اور کسی کے لئے سر جھکانا اور گڑگڑانا نہ چاہئے بالجملہ عزت سے بہتر کوئی چیز نہیں خدا کے یہاں بھی اسی کی پوچھ پاچھ ہے اس لئے بیع بدن تو ممنوع رہی کیونکہ ذلت خدمت گاری کے برابر کوئی چیز بُری اور نامطبوع نہیں اور اس کا لزوم بیع میں ضروری۔ اور اسکے ساتھ کوئی لذت یا منفعت ایسی نہیں

کہ اس کی لذت کی مکافات ہو جاوے اور نکاح میں جو چیز لازم آتی ہے وہ بالع یعنی زن منکوحہ کے حق میں ایسی مطبوع کہ اسکے پتے (لئے) عزت جیسی عزیز چیز بھی بسا اوقات خاک میں رل جاتی ہے علاوہ بریں جیسے مافی الارض بشہادت آیت:

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا. ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ" (سورۃ البقرہ، آیت ۲۹)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان"۔

زمین و آسمان خصوصاً ارض و مافیہا بنی آدم کیلئے لئے مخلوق ہوا ایسے ہی بشہادت آیت:

" وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً" (سورۃ الروم، آیت ۲۱)

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہربانی"۔

عورتیں مردوں کے لئے مخلوق ہیں اس لئے کہ بقرینہ آیت:

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا" (سورۃ الاعراف، آیت ۱۸۹)

ترجمہ "وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اُسی نے بنایا اس کا جوڑا تا کہ اس کے پاس آرام پکڑے"۔

عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئیں ہیں

ادھر عقل صائب کا بھی یہی فتوی ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے مخلوق ہیں مرد عورتوں کے لئے مخلوق نہیں ہوئے وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کا جی چاہے یا نہ چاہے مرد اس سے کامیاب ہوسکتا ہے اور مرد کو اگر رغبت نہ ہو تو پھر عورت کی آرزو پوری نہیں ہوسکتی اس صورت میں عورت کو ایسا سمجھو جیسا فرض کرو کسی گھوڑے کو مثلاً یہ آرزو ہو کہ

مجھ پر فلاں شخص سوار ہو جیسی آرزوئے براق بہ نسبت سواری ہے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے یا فرض کرو طعام وشراب وغیرہ نعماء ارضی کو یہ تمنا ہو کہ ہم کو فلاں شخص استعمال کرے اس صورت میں جیسے آرزوئے اسپ وغیرہ نعماء کا حصول ہی استعمال کرنے والوں کی مرضی پر موقوف ہے اور بنی آدم کا استعمال کرنا ان اشیاء کی مرضی پر موقوف نہیں۔ ایسے ہی کامیابی زن ومرد ہے۔ عورت کو رغبت ہو کہ نہ ہو مرد اپنی آرزو پوری کر سکتا ہے اور مرد کا اگر جی راغب نہ ہو تو عورت سے کچھ نہیں ہو سکتا پھر تو اس پر جیسے نعماء دنیوی کو اپنے منافع سے کچھ مفاد نہیں اگر ہے تو استعمال کرنے والوں کو مفاد ہے۔ ایسے ہی عورت کے منافع معلومہ سے خود عورت کو کچھ مفاد نہیں البتہ مرد کو اس کے منافع سے مفاد ہے یعنی اولاد جو اس زراعت اور اس زمین کی پیداوار ہے۔ عورت کے ذریعے سے خداوند عالم مرد کو عنایت کرتا ہے عورت کو اس سے کچھ علاقہ نہیں چنانچہ کلمہ قرآنی یعنی ''اَلْمَوْلُوْدِ لَہٗ'' اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ وَمَا لُکَ لِاَبِیْکَ اسی جانب مشیر ہے کہ اگر اولاد کی نسبت کچھ شائبہ مالکیت ہے تو والد کو ہے والدہ کو نہیں اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ سلسلہ نسب والد کی طرف کو چلتا ہے اور اسی سے متعلق ہوتا ہے والدہ کی طرف کو نہیں چلتا اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ تمام عالم۔ تمام اقوام۔ تمام مذاہب اس پر متفق ہیں۔

نکاح میں منافع کا ماخذ ملک میں آجاتا ہے

اس صورت میں جیسے اور نعماء ملک میں آجاتی ہیں ایسے ہی ماخذ منافع جماع بھی قابل ملک ہے اگر چہ عورت حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں منافع مَردان اَحرار خود ان کے لئے مفید ہیں یعنی ان کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں بھی رفع کر سکتے ہیں۔ بلکہ اَوّل اپنی ہی رفع کرتے ہیں۔ آنکھ ناک۔ کان سب میں اَوّل اپنے ہی کام آتے ہیں ان اعضاء کا اپنے حق میں ضروری ہونا ایسا نہیں جو کسی پر مخفی ہو اس لئے یوں نہیں کہہ سکتے کہ یہ اعضاء اور ان کے منافع اور یہ جسم اور اس کے فوائد خود صاحب عضو کے لئے موضوع نہیں کسی اور کے لئے مخلوق ہوئے ہیں اور اسی کے ملک میں آسکتے ہیں اس

صورت میں اوروں کی کار برآری میں لحاظ اُجر و اُجرت ضرور ہوگا۔ ہاں کار برآری مرد میں جو بوسیلۂ عورت ہوتی ہے ایسی ضرورت نہ ہوگی۔

ان قابل احترام منافع میں اُجرت خود بخود ثابت اور لازم ہو جاتی ہے

اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور اجارات میں تعین اُجرت صحت اجارہ کے لئے ضروری ہے پر عقد نکاح میں تعین مہر تو کیا خود ذکر مہر ضروری نہیں بلکہ نفی مہر بھی کی جائے اور یہ شرط لگائی جائے کہ مہر نہ ہوگا تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے۔ ہاں جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ زن حرہ کے منافع جسمانی میں سے مردوں کیلئے مخلوق ہوئے ہیں تو یہی منافع جماع یا ماخذ منافع جماع مخلوق ہیں تو معاوضہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اور منافع میں زنان حرائر مردان اُحرار کے ہم پلہ ہیں۔ جیسے مَردانِ اُحرار اپنے جسم کے مالک ایسے ہی زنان حرائر اپنے جسم کی مالک۔ اور ظاہر ہے کہ منافع معلومہ اور ماخذ منافع معلومہ جسم سے متعلق ہیں بالجملہ ماخذ منافع معلومہ اور جسم زنان حرائر ذوجہتین معلوم ہوتا ہے سو کچھ تو اس وجہ سے تملک کیلئے عوض کی ضرورت ہوئی اور کچھ بایں نظر کہ ماخذ منافع معلومہ اگرچہ مردوں کیلئے مخلوق ہے۔ پر مثل تمام مخلوقات اصل میں مملوک خداوند متعال ہے سو اور منافع قلیل العزت کو تو یوں ہی دے دِلا دیا پر ان منافع محترمہ کیلئے کچھ محصول مقرر کر دیا تاکہ ان کا احترام اور عزت معلوم رہے اور موجب مزید امتنان ہو یعنی جب ان کی عزت اور احترام خوب دلنشیں ہو جائے گی تو خالق منافع کا کیا کیا شکر ادا نہ کرینگے چنانچہ حدیث عَلٰی کُلِّ سلامی صدقة جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے جسم کے ہر ہر جوڑ اور ہر ہر عضو پر صدقہ دینا چاہئے اس قسم کی بات کی طرف مشیر ہے ادھر وجوب طاعت وعبادت کیلئے موافق اشارہ آیت:

"اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا" (سورۃ المائدہ، آیت ۷۶)

ترجمہ: "کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی"۔

منافع نعماء دنیوی سبب کامل ہے

بالجملہ ہر نعمت خاص کر نعماء محترمہ استحقاق عوض رکھتی ہیں سو ماخذ منافع معلومہ چونکہ بغایت درجہ محترم ہے۔ اس لئے عوض کا مقرر کرنا ضروری ٹھہرا اس لئے "اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ" بھی بعد "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" بڑھا دیا ہاں جیسے شکرانہ مال کو جیسے زکوٰۃ کہتے ہیں مساکین وغیرہ مصارف معلومہ کے لئے مقرر کیا تھا۔ شکرانہ نکاح یعنی مہر خود محل ماٴخذ نکاح یعنی عورت کے لئے مقرر کر رکھا۔

عورت کا تمام جسم حق شوہر میں پابند رہنے کی وجہ سے نان ونفقہ واجب ہے

مگر چونکہ ماٴخذ منافع معلومہ اور ماٴخذوں سے علیحدہ نہیں اور اس وجہ سے اور ماخذ بیکار رہتے ہیں۔ کیونکہ بیکار بوجہ تعلق ملک شوہر جس کی ایضاح کی اب حاجت نہیں اور ماخذ بلکہ تمام جسم زن محبوس حبس شوہر رہتا ہے تو اور ماخذوں کا ہرجانہ دینا پڑے گا یہی وجہ ہوئی کہ نان ونفقہ لباس وغیرہ ضروریات معلومہ شوہر کے ذمہ رہیں کیونکہ تکلیف صرف قوی نافعہ بغرض ضرورت ہوتی ہے۔

سو بالفرض اگر عورت بطور خود رہتی تو بغرض تحصیل ضروریات اپنے قُویٰ نافعہ اور اعضاء کا سبہ کو صرف میں لاتی۔ اس سے زیادہ اقتضاء اصل فطرت نہیں جو اور کچھ بڑھایئے اور ضروریات معلومہ پر قناعت نہ کیجئے بہر حال قابلیت ملک ماخذ منافع معلومہ میں کچھ تامل کی گنجائش نہیں۔

مہر کو منافع کے عوض ہونے کی وجہ سے "اُجُوْرَهُنَّ" فرمایا اَثْمَانَهُنَّ نہ فرمایا)

ہاں یہ بات باقی ہے کہ عوض معلوم کو اجر ومہر کیوں کہتے ہیں قیمت وثمن کیوں نہیں کہتے سو اجر ومہر کہنے اور ثمن وقیمت نہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ منافع از قسم مصادر ہیں اور مصدر کا اطلاق مرتبہ بالقوۃ اور مرتبہ بالفعل پر برابر شائع۔ اور یہ نہ ہو تو مشتقات میں بھی یہ فرق باقی نہ رہے۔ کیونکہ حار وبارد مثلاً بالقوۃ اور بالفعل دو طرح کے ہوتے

ہیں تو حرارت اور برودت ہی کے بالقوہ اور بالفعل ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سو جس کو ماخذ منافع کہئے وہ مرتبہ بالقوہ ہے اور منافع حاصلہ وہ منافع بالفعل۔ اور اسے مرتبہ **مابه المنفعت** کہتے ہیں یعنی جیسے علم میں ایک مرتبہ **مابه العلم** اور **مابه الانکشاف** اور **مبدأ العلم** اور **مبدأ الانکشاف** اور **ماخذ العلم** یعنی مرتبہ بالقوہ ہے خواہ وہ قوت علمیہ ہو یا ذہن یا کچھ اور۔ اور ایک مرتبہ انکشاف متجدد اور علم متجدد یعنی مرتبہ بالفعل ہے۔ ایسے ہی منافع معلومہ کے لئے دو مرتبہ ہیں ایک مرتبہ بالقوہ اور ماخذ المنافع اور مبدأ المنافع ہے اور ایک مرتبہ بالفعل یعنی منافع متجددہ۔ لیکن اہل لسان عوض منافع کو اجر اور اُجرت کہتے ہیں اور عوض اعیان کو ثمن اور قیمت۔ معقود علیہ اگر اعیان ہو تو بیع کہتے ہیں اور منافع ہوں تو اجارہ اس لئے قرآن شریف میں لفظ ''اُجُوْرَهُنَّ'' فرمایا اَثْمَانَهُنَّ نہ فرمایا۔

نکاح میں منافع بالقوۃ بیع اعیان کی طرح پورے موجود ہوتے ہیں

ہاں یہ بات مسلم کہ اعیان اور مرتبہ بالقوہ قارالذات ہونے میں شریک ہیں یعنی جیسے اعیان آن واحد میں بتمامہ موجود ہوتے ہیں ایسے ہی مرتبہ بالقوہ مذکور بتمامہا آن واحد میں موجود ہو جاتے ہیں یہ نہیں کہ آناً فاناً مثل حرکت اِدھر موجود ہو جائیں اُدھر معدوم ہوتے جائیں اور مرتبہ بالفعل میں زمانہ کے ساتھ ساتھ تجدد ہوتا جاتا ہے اس لئے مرتبہ بالفعل تو شیئاً فشیئاً ملک میں آتا جاتا ہے اسی طرح ملک سے نکلتا جاتا ہے کیونکہ جب موجود ہی نہیں تو مملوک کیوں کر ہوں اور مرتبہ بالفعل بالقوہ ایک دفعہ سارا کا سارا ملک میں آ جاتا ہے۔ اور پھر بوجہ انقضاء زمانہ ملک سے نہیں نکلتا ہاں جیسے اعیان میں باندی غلام اصل میں قابل ملک نہ تھے بلکہ آزاد اور حُر تھے فقط بوجہ عروض عوارض معلومہ مِلک ان پر عارض ہو جاتی ہے۔ اور اس لئے فعل مالک جس کو عتق کہئے ملک عارض کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے حریت مستترہ پھر ظاہر ہو جاتی ہے ایسے ہی ماخذ منافع معلومہ اصل میں بوجہ حریت زن منکوحہ قابل ملک نہ تھی پھر بوجہ

مذکورہ ملک عارض آزادگی اور بے قیدگی معلوم کو دبالیتی ہے اور فعل طلاق اس کو زائل کر کے آزادگی اصلی کو ظاہر کردیتی ہے ورنہ جیسے باندی غلام کی ملک اپنے آپ مثل تعلق اجارہ قابل زوال نہ تھی ایسے ہی مِلک نکاح مثل تعلق متعہ اپنے آپ زوال پذیر نہیں۔

منکوحہ میں حق حبس ہوتا ہے اور باندی میں حق مِلک اس لئے منکوحہ میں بیع وہبہ کا اختیار نہیں

ہاں یہ بات باقی رہی کہ اگر یہ ہے تو پھر بیع وہبہ کا اختیار کیوں نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حسب تقریر بالا تمام منافع بالقوہ زن بلکہ خود جسم زن شوہر کی حبس میں آجاتا ہے اور ایک منفعت کے ماخذ کے پتے سارے ماخذ بلکہ محل تمام ماخذ محبوس ہوجاتا ہے۔

سو جہاں عورت خود راغب ہو وہاں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی رضامندی سے حبس کی نوبت آئی ہے۔ ظلم وستم نہیں کہہ سکتے جو منع کیا جائے مگر خاوند اگر بطور خود کسی کے حوالہ کردے تو ماخذ مملوک میں تو اس کو اختیار تھا ماخذ محبوس میں اس کو کیا اختیار جو اپنے حبس سے نکال کر اوروں کے حوالے کردے۔

منکوحہ میں حق مِلک کا مفقود ہونا اور احسان کا ضروری ہونا بیع وشراء سے مانع ہیں اور حق حبس کا تقاضا کرتے ہیں

ہاں اگر ماخذ منافع معلومہ پر قبضہ تنہائی ہوسکتا تو پھر وجہ ممانعت بیع وہبہ تصرف فی ملک الغیر تو نہ تھی البتہ احسان مذکور الصدر جس کی ضرورت بدلائل عقلیہ ونقلیہ اُوپر ثابت ہوچکی ہے مانع بیع وہبہ ہوگا اور یہ ایسی وجہ ہے کہ اگر بالفرض عورت حبس غیر شوہر پر راضی ہوجائے تو پھر بھی اجازت بیع وہبہ نہیں ہوسکتی۔ الغرض تملک ماخذ معلوم کو بذات خود تو ہبہ اور بیع سے انکار نہیں پر فرضیت احسان اور شمول حق زن مانع بیع وہبہ وعاریت ہے اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ جو شیعوں نے اعادہ فروج جواری تجویز کیا ہے تلبیس شیطانی ہے سراسر فحش ہے قابل جواز نہیں مگر جب مرتبہ احسان اس درجہ کو پہنچا کہ لوازم تملک کو بھی بیکار کردیا یعنی اختیار بیع وشراء وہبہ و

عاریت جو اصل مقتضاء مالکیت ہے احسان کے باعث بیکار ہو گیا تو پاس شہوت پرستی جو سراسر اس قاعدہ کے مخالف ہے جو آیت نِسَآءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ سے مفہوم ہوتا ہے کیونکر ناسخ ضرورت احسان ہو سکتا ہے۔

بالجملہ یہ آیت حسب بیان بالا اولاد کے مطلوب ہونے اور قضاء شہوت کے اس کی نسبت وسیلہ ہونے پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ پاس مبادی ناسخ مطالب نہیں ہو سکتا۔ ہاں رعایت مطالب دافع لحاظ وسائل ہو سکتا ہے (مثلاً اولاد کا حاصل کرنا مقصد ہے اور یہ مقصد بغیر مباشرت کے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن جب کہ بچہ پیدا ہو گیا ہو اس کے ایام شیر خوارگی میں مباشرت کے نقصان دہ ہونے کے باعث وسیلہ اولاد یعنی مباشرت کو روکا گیا ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی) یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ایام شیر خوارگی اولاد میں بعض اشارے کنائے بہ نسبت ممانعت جماع پائے جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اِکسال کا غیر محمود ہونا بھی ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو ادھر عورتوں میں ودود ولود (محبت کرنے والیوں بچے جننے والیوں) کا ممدوح ہونا اور عقائم (بانجھ عورتوں) کا کسی قدر غیر محمود ہونا اسی پر مبنی ہے۔ ادھر زنان دیندار کا در بارہ نکاح محمود ہونا بھی اسی جانب مشیر ہے کیونکہ حسب بیان بالا امزجہ اولاد میں احوال واخلاق والدین کو دخل تام ہے اس صورت میں دیندار عورت ہو تو دینداری اولاد کی اُمید ہے بالجملہ شہوت پرستی کو دیکھیے تو عقیمہ اور ولود اور دیندار اور بے دین اور عورت شیر دہ اور غیر شیر دہ سب برابر ہیں ہاں اولاد کے حساب سے جو کچھ فرق ہے وہ معلوم ہی ہو چکا

الحاصل جس حکم متعلق زنان کو دیکھیے مراعات اولاد اس سے ٹپکتی ہے اور خود مراعات اولاد ہی سبب فرضیت احسان ہوا ہے چنانچہ مفصل اُوپر مرقوم ہو چکا اور کیوں نہ ہو غرض اصلی خلق نساء سے جب زراعت معلومہ ٹھہری چنانچہ آیت "نِسَآءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ" اس پر شاہد ہے اور دلائل عقلیہ جو اُوپر مذکور ہو چکے اس کے مؤید تو پھر اس کا منسوخ کہنا اغراض اصلیہ اور مقتضیات ذاتیہ اور لوازم ذاتیہ کے امکان انفکاک پر فتویٰ دینا ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ حقائق خارجیہ پر مبنی ہیں خدائے تعالیٰ کی عبادت موافق اشارہ۔

"اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا" (سورۃ المائدہ، آیت ۷۶)

ترجمہ: ''کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے بُرے کی اور نہ بھلے کی''۔

مالکیت نفع وضرر پر مبنی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وصف رسالت پر مبنی ہے۔ خلیفہ کی اطاعت اس کی خلافت اور اُولوالامری پر موقوف۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے غنا کی ضرورت ہے حج کی فرضیت کے لئے کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی حاجت، یعنی ثروت مالی پر زکوٰۃ کی بنا ہے اور کعبہ کے تجلی گاہ خداوَندی ہونے پر طواف کی بنا ہے۔ زنا بوجہ فحش ممنوع ہے اور شراب بوجہ سکر ممنوع اور قتل وغصب بوجہ ظلم ممنوع ہے۔ اور حرکات لایعنی بوجہ لغو وبے سود ہونے کے ممنوع ہیں۔ پر والدین کے وجوب کی بناء حق محبت وتربیت پر ہے اور عقوق والدین کے ممنوع ہونے کی بنا اتلاف حقِ مذکور ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اور اَوامر ونواہی کو سمجھئے اس صورت میں بناء حکم جس بات پر ہوگی اگر وہ بات دائم وقائم ہے تو وہ حکم بھی دائم وقائم رہے گا۔ اور اگر وہ بات قابلِ زوال ہے تو وہ حکم بھی زوال پذیر ہوگا مگر ہر چہ باداباد۔ ہر حکم کیلئے ایک مبنیٰ اور اَصل ضرور ہے جس کو علت حکم کہئے محکوم علیہ اصلی وہی ہوتا ہے اور اسی کے پہچان لینے کو اصطلاح شرع میں حکمت اور حکم کہتے ہیں اور بغور دیکھئے تو آیات: ''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا'' وغیرہ میں حکمت وحکم سے اسی علم کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

حسن بالذات اور قبیح بالذات کے اَوامر ونواہی نا قابل تنسیخ ہیں

اس تقریر کو دیکھ کر اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ اَمر ونہی حسن بالذات وقبیح بالذات قابل نسخ وتغیر نہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ایمان اور اطاعت خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احسان اور عدل اور بر والدین اور صلہ رحمی اور مروّت اور سخاوت اور عفت ہمیشہ ہر زمانہ میں ہر دین میں محمود رہے ہیں اور شرک اور بدعت اور ظلم اور عقوق والدین اور قطع رحم اور بخل اور زنا اور چوری۔ قزاقی وغیرہ ہر زمانہ میں ہر دین میں مذموم رہے۔ کیونکہ علت اَمر ونہی اور سبب وجوب وحُرمت وغیرہ اَمر ونہی اور وجوب حرمت وغیرہ سے

بوجہ حُسن وقبح ذاتی کبھی جدانہیں ہوسکتے ہاں حسن بالغیر اور قبح بالغیر قابل نسخ وتغیر ہیں۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بوس وکنار وغیرہ اُمور معلومہ جو اکثر مواقع میں داعی الی المجامعت ہوتے ہیں علی العموم ممنوع نہیں اپنی اولاد کا بوسہ اور احباب کا معانقہ اور مردوں کا مردوں کو دیکھنا اور عورتوں کا عورتوں کی طرف نگاہ کرنا اور تنہا بیٹھنا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ بسا اوقات یہ اُمور کسی اور وجہ سے اور محمود ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ اُمور بھی مثل زنا واغلام بذات خود مذموم ہوتے تو ہر جا ہر طرح سے ممنوع اور مذموم ہوتے، ہاں خود زنا اور اغلام چونکہ بذاتِ خود ممنوع ہیں تو محارم کے ساتھ اس کی ممانعت اور اشد ہے پر بوس وکنار وغیرہ اُمور ایسے مواقع میں اکثر محمود سمجھے جاتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ حسنین رضی اللہ عنہما پر بوسہ دینا اور حضار مجلس الذکر میں سے اگر ایک شخص نے یہ کہا کہ میرے دَس بیٹے ہیں کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیتا تو آپ کا اس کے جواب میں یہ اِرشاد ”کہ میں کیا کروں جو اللہ تعالیٰ نے تیرے دِل میں سے رحمت نکال لی ہو“۔ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے مواقع میں یہ اُمور محمود ہیں۔ حالانکہ زنا واغلام ایسے مواقع میں اور مواقع سے زیادہ تر ممنوع ہیں۔ بہر حال اَمر حسن بالذات اور نہی قبیح بالذات قابل نسخ وتغیر نہیں اگر ہیں تو اَمر ونہی حسن بالغیر وقبیح بالغیر قابل نسخ وتغیر ہیں۔

نسخ وتغیر میں پہچان آسان نہیں

لیکن یہ پہچاننا کہ نسخ وتغیر کس کو کہتے ہیں ہر کسی کا کام نہیں اس لئے یہ گذارش ہے کہ نسخ وتغیر اور چیز ہے اور استتار حکم اور چیز ہے نسخ میں حکم اَوّل کا مٹا دینا ہوتا ہے اور استتار میں چھپا لینا۔ نسخ میں حکم باقی نہیں رہتا زائل ہو جاتا ہے اور استتار میں حکم مستور بجنسہٖ باقی رہتا ہے۔ کسی اور حکم کے تلے دب کر چُھپ جاتا ہے۔

اَوّل کو ایسا سمجھو جیسا چراغ گل ہو جاتا ہے اور دوسرے کو ایسا سمجھو جیسا کہ چراغ گل تو نہ ہو پر کسی برتن میں دھر کر اُوپر سے سر پوش رکھ دیجئے۔ سفر ومرض میں اگر افطار

کی اجازت ہے تو اس کو نسخ فرضیت صوم رمضان نہیں کہہ سکتے یہاں وہ حکم فرضیت بجنسہٖ باقی ہے پر حکم رخصت کے تلے دبا ہوا ہے غرض مرض و مشقت درگاہ رحمانی سے تخفیف ہوگئی جس وقت یہ مشقت مرض و سفر گئی اسی وقت سے پھر تقاضا ہے۔

علت حکم کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مخفی

جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اور سنئے کبھی علت حکم ایسی ظاہر و باہر ہوتی ہے کہ اس کے علت ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوتا۔ پھر بایں ہمہ وہ علت ایسی پائیدار اور ضروری الوجود یا دائم الوجود نہیں ہوتی جو کبھی اس کا عدم متصور ہی نہ ہو ایسی صورت میں زوال و بقاء حکم محتاج بیان نہیں ہوتا مثلاً زکوٰۃ کے وجوب کے لئے ثروت مالی کا علت ہونا ایسا نہیں کہ کوئی نہ جانتا ہو اس لئے بعد افلاس اگر کوئی غنی ہو جائے یا بعد غنا کوئی مفلس ہو جائے تو دوبارہ تغیر حکم سابق حکم جدید اور وحی تازہ کی ضرورت نہ ہوگی یعنی وقت افلاس زکوٰۃ فرض نہ تھی اور بعد غناز کوٰۃ فرض ہوئی یا وقت غنا زکوٰۃ فرض تھی اور بعد افلاس پھر فرض نہ رہی تو اس تغیر کیلئے حکم جدید کی ضرورت نہیں اور اس وجہ سے اس تغیر کو عُرف شرع میں نسخ نہیں کہتے اگرچہ نسخ میں بھی یہی تغیر حکم بوجہ حدوث علت حکم یا زوال علت حکم ہوتا ہے۔

ہاں علت حکم اگر ایسا اَمر ہے جس کا علت ہونا ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا یا خود اس علت کا ہونا نہ ہونا ہی ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتا تو پھر تغیر مذکور کو نسخ کہتے ہیں۔

احکام کو منسوخ کرنا قادر مطلق کی شان ہے

بالجملہ نظر ظاہر بین نسخ کو ثمرہ بے نیازی و اختیار کلی احکم الحاکمین سمجھتی ہے اور علت و اصل حکم سے کچھ بحث نہیں کرتی۔ اور عقل حقیقت شناس اگرچہ بے نیازی و اختیار کلی کو ایسا حق سمجھتی ہے کہ عللِ احکام اس کے آگے اس سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتیں جتنا سائل دریوزہ گر اس کے سامنے رکھتا ہے جس سے سائل ہے بلکہ اس سے بھی کم۔ لیکن اسم حکم و عدل اور صفت حکمت و عدالت خداوندی پر ایمان ضروری جانتی ہے اور اس لئے ہر حکم کے واسطے جدید ہو یا قدیم ہو کسی نہ کسی وجہ کا ہونا اس کے

نزدیک ایسی طرح ضروری ہے جیسے شہنشاہ ہفت اقلیم ۔جس کو نظم و نسق ہفت اقلیم اورعزل و نصب میں اختیار کلی ہو ہر طرح سے سیاہ وسفید کر دینے کا مختار ہو بھلا کرے یا بُرا کرے ۔اس کے آگے مجال دم زدن کسی کو نہ ہو بوجہ عقل و دانش و عدل خداداد جو کرتا ہے مناسب ہی کرتا ہے لائق عطا کو عطا کرتا ہے اور سزاوار کو سزا دیتا ہے قابل عزل کو معزول اور لائق منصب کو مامور کرتا ہے مستحقانِ کرم سے درگذر اور مستوجبان غضب پر قہر کرتا ہے اگر چہ ان سب باتوں میں بوجہ شوکت دبدبہ و بے نیازی شہنشاہی اختیار برعکس حاصل ہے۔

الغرض حکمت وعدل خداوند علیم وحکیم وعدل کریم باوجود بے نیازی مذکور جس کے ثبوت کے لئے قطع نظر شہادت عقل آیت يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (اللہ جو چاہتا ہے کرگذرتا ہے) کی گواہی بھی بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ ہر کسی کے ساتھ وہ معاملہ کیجئے جس کی قابلیت رکھتا ہے اور ہر زمانہ میں وہ حکم دیجئے جو مناسب وقت ہو۔

نسخ احکام طبیب کے نسخہ بدلنے کی مانند ہیں

الغرض جیسے یہاں گرم مزاج وسرد مزاج والوں کو امراض متحدہ ومختلفہ میں ایک دوا نہیں دیتے وہاں بھی اختلاف اوضاع بنی آدم پر نظر ہے جیسے یہاں موسم گرما۔سرما کا فرق وقت علاج ملحوظ رکھتے ہیں وہاں دوبارہ احکام فرق زمانہ ملحوظ نظر ہے ہاں جیسے جاہلوں کو اطباء کا یہ فرق سمجھ میں نہیں آتا ایسے ہی اکثر افراد بنی آدم کو جن کی شان میں اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۔وارد ہوا ہے فرق احکام خداوندی سمجھ میں نہیں آتا۔اس تقریر سے یہ بات روشن ہوگئی ہوگی کہ نسخ احکام خداوندی بوجہ تدارک غلطی سابقہ نہیں ہوتا جو یوں کہئے خداوند علیم کی نسبت غلطی کا احتمال نہیں پھر نسخ حکم سابق ہوا تو کیوں ہوا۔ بلکہ یہ نسخ و تغیر بوجہ تغیر عللِ اسباب ہوئی جو بوجہ اختلاف افراد وانقلاب زمان اکثر ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال احکام مختلفہ کے لئے اختلاف علل ضروری ہے اور تغیر احکام کے لئے تغیر علل ضروری ہے مگر اسی طرح استتار حکم کے لئے استتار علل ضروری ہے۔ ہاں وہ

استتار اگر ممکن ہے تو کسی علت ہی کے عروض کے باعث ممکن ہے مثلاً استطاعت صوم جو اصل وعلت فرضیت صوم ہے صعوبت مرض ومشقت سفر کے تلے دب جاتی ہے چنانچہ بجرد زوال مرض واختتام سفر وہ استطاعت پھر عود کر آتی ہے اگر مستور نہ ہوتی بلکہ زائل ہو جاتی تو دوبارہ استطاعت کے لئے مثل صعوبت ومشقت مذکورہ کسی امر خارجی کی ضرورت ہوتی بجرد زوال واختتام اس کا ظہور نہ ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صعوبت ومشقت ہی علت رخصت افطار ہے جس کے تلے وہ استطاعت مستور تھی اس صورت میں وقت رخصت افطار بوجہ مرض وسفر استتار علت فرضیت اور استتار فرضیت ہوگا اور وقت فرضیت صوم بعد زوال مرض وسفر زوال علت رخصت ودزوال حکم رخصت ہوگا۔

اجازت متعہ از قسم رخصت تھی از قسم نسخ نہیں تھی

مگر (جب بات) یوں ٹھہری تو بعد حصر "اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ" اجازت متعہ از قسم رخصت ہے از قسم نسخ نہیں کہہ سکتے کیونکہ علت حصر مذکور اولاد کا مقصود ہوتا ہے جس کو بحکم معروضات گذشتہ احصان لازم ہے۔ اولاد کا مقصود ہونا ایسا نہیں جو قابل انفکاک ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نِسَآءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ قضیہ طبعیہ ہے ہاں ذوق سلیم نہ ہو تو اس کا کچھ علاج نہیں بایں ہمہ کون نہیں جانتا کہ اس جا احتمال تخصیص نہیں ایسی کون عورت ہے جس کے شکم میں رحم مخلوق نہ ہوا ہو اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود اصلی پیدائش زنان سے توالد وتناسل ہے۔

عوارض خارجیہ کے نیچے احکام اصلیہ مستور ہو جاتے ہیں زائل اور منسوخ نہیں ہوتے

البتہ عروض عوارض گاہ بگاہ مانع توالد واولاد ہو جاتا ہے مگر عوارض خارجیہ ساتر آثار واحکام اصلیہ ہوتے ہیں دافع اور مزیل نہیں ہو سکتے جو یوں کہا جائے کہ مرض عقم

وغیرہ موانع اولاد، توالد کے مقصود نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اگر یوں کہیے کہ اولاد کا مقصود ہونا اس کے منافی نہیں کہ شہوت پرستی مقصود نہ ہو تو اس شبہ کا جواب نقلی تو یہ ہے کہ اس قضیہ میں حرث مقدم ہے اور لکم مؤخر۔ جس سے بیاد علم معانی موافق محاورہ اہل لسان حصر فی الحرثیت نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ حصر فی الحرثیت بعینہٖ حصر فی مقصودیۃ التوالد ہے۔

اور جواب عقلی یہ ہے کہ شہوت پرستی اور مجامعت مبادی واسباب اور ذرائع و وسائل توالد میں سے ہیں اور توالد و تناسل ذرائع شہوت پرستی و مجامعت میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اسباب بذاتِ خود مقصود نہیں ہو سکتے خاص کر شہوست پرستی۔ چنانچہ بتوضیح مرقوم ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے جب عورت سے اولاد مقصود بالذات ہوگی تو احصان مذکور خود بخود لازم آئے گا۔ چنانچہ ناظران اوراق گذشتہ اس اَمر سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔

بالجملہ قطع نظر اس اَمر کے کہ حدیث غیر متواتر کو ناسخ قرآن شریف نہیں سمجھ سکتے۔ اس جگہ پر گنجائش نسخ ہی نہیں۔ ہاں اگر صفت ولودیت عورتوں سے ممکن الانفکاک ہوتی تو البتہ اس اجازت متعہ کو ناسخ حصر "اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ" کہہ سکتے (تھے)۔ اس صورت میں بجز اس کے کہ رخصت کہیے اور کیا کہیے۔ یعنی جیسے وقت حالت مخمصہ اجازت اکل میتہ ناسخ حرمت میتہ نہیں بلکہ بوجہ ضرورت عارضہ جو علت اباحت لحاظ پاکیزگی طبع انسانی جو موجب حرمت میتہ وغیرہ ہے مستور ہو گیا اور اس وجہ سے حکم حرمت متعہ جو حصر مذکور سے صاف روشن ہے۔ زیر پردہ رخصت متعہ مستور اور روپوش ہو گیا تھا چنانچہ لفظ رُخِّصَ لَنَا بھی جو روایات متعہ میں موجود ہے اِس استتار و عدم نسخ پر شاہد ہے۔

متعہ کے عارضی طور پر مباح ہونے کی علّت

رہی یہ بات کہ ضرورت کیا تھی وہ ہم سے سنئے اکل میتہ میں فقط ضرورت عباد تھی اور یہاں ضرورت عباد اور ضرورت معبود دونوں تھیں۔ علاوہ بریں اکل میتہ میں فقط ضرورت دنیوی تھی یہاں ضرورت عباد بھی تھی تو فقط ضرورت دنیوی ہی نہ تھی۔ ضرورت دینی اور ضرورت دنیوی دونوں تھیں۔

ضرورت عبادتو اس باب میں اِس سے زیادہ کیا ہوگی کہ بشہادت احادیث صحیحہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی ہو جانے کا اِرادہ کیا اور یہ ان کا اِرادہ اگرچہ اہل ہندکو تعجب انگیز ہو کیونکہ یہاں ایسی قوت کہاں جو اس درجہ کو بے قراری اور اِضطراری کی نوبت آئے مگر اس باب میں اوّل تو عرب والے مشہور ہیں۔ دوسرے وہ ملک گرم طبائع، عشق آمیز مزاج، محبت خیز قیس اور لیلیٰ اور وامق اور عذرا کا افسانہ مشہور و معروف ہے بنی عذرہ کا یہ قصہ اوروں نے بھی سنا ہوگا کہ ان میں اکثر آدمی مرض عشق میں مبتلا ہو کر مر جاتے تھے کسی نے ان میں سے کسی سے وجہ پوچھی تو یہ کہا **تَحسُنُ نِساءُ نا وَعَفَّتْ فِتیانُنَا** یعنی مرض عشق میں مبتلا ہو کر جو ہماری قوم کے لوگ اکثر مرجاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں عورتیں حسین ہوتی ہیں اور مرد عفیف یعنی پاکباز ہوتے ہیں۔

بالجملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اِرادہ اختصاء کوئی اَمر مصنوعی نہ تھا صحیح تھا اور ظاہر ہے کہ خواہش جماع خواہش دنیوی ہے۔ ہاں ضرورتِ عباد بھی ہو اور پھر ضرورت دینی ہو اس کے بیان کی ضرورت ہے اس لئے معروض ہے کہ خواہش جماع مراجعت وطن کے لئے متقاضی تھی تاکہ اپنی ازواج سے جا کر ہم آغوش ہوں اور فرضیت جہاد اور فضائل معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجہاد اور نیز فضائل صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مانع تھے اور ظاہر ہے کہ یہ سب اُمور خصوصاً فرضیت جہاد ایسے نہیں کہ موجب ضرورت واحتیاج نہ ہوں۔

رہی ضرورتِ معبودی۔ ہر چند یہ لفظ بظاہر مُوہم گستاخی ہے مگر بایں نظر کہ مبادی مقصود اس کے حق میں ضروری ہوتے ہیں اور اس لئے بالتبع مقصود ہو جاتے ہیں یہاں بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ عبادت جملہ بنی آدم بشہادت "**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ** (سورۃ الذّٰریٰت، آیت ۵۶)" خدا کے یہاں سے مطلوب ہے۔ اور جہاد اس کے لئے ضروری ہے مگر ظاہر ہے کہ جہاد اگر ہوسکتا ہے تو بعد اجتماع مجاہدین ہوسکتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی اَمر موجب تفرق ایسے دنوں میں پیش آیا کہ اسلام کی تو نیو (بنیاد) رکھی جاتی ہو اور اہل اسلام جن سے اُمید جہاد ہو گنے چنے ہوئے

ہوں۔ اگر وہ چلے جائیں تو پھر جہاد کی کوئی صورت نہیں۔ ایسے دنوں میں موجبات تفرق کا انسداد ضروری ہو جائے گا ہاں اگر اسلام شائع ہو جائے اہل اسلام بکثرت ہوں۔ ایک گروہ چلا جائے تو دوسرا آ سکتا ہے۔ ایسے دِنوں میں انسداد موجبات تفرق اتنا ضروری نہیں یعنی پہلی صورت میں تو اجازت بعض محرمات اگر ضرورت ہو تو قرین قیاس ہے پر دوسری صورت میں ضروری نہیں ہوتی جو اجازت ہو۔

اباحتِ متعہ کی وقتی ضرورت اور وجوہ

القصہ وقت ضرورت اباحت محرمات ممکن ہے مگر ضرورت متعہ سواء ابتداء زمانہ اسلام کبھی نہیں ہوئی اور ان شاء اللہ نہ ہوگی۔ جو حضرات شیعہ کو اس پاکبازی کے لئے دستاویز ہو جائے۔ ہاں یہ مسلم۔ وقت اباحت متعہ ضرورت متعہ شدید تھی۔ مجاہدین گھر چلے جائیں تو جہاد کون کرے اور کیوں کر ہو اور نہ جائیں تو کیا کریں خصی ہو جانے کی اجازت نہ ملی زنا پر یہ تشدد کہ سنگسار ہوں یا سو تازیانہ کھائیں اور نکاح کریں تو کہاں سے کریں مہر کی مقدور نہیں اگر ہوتی تو ایک ایک چادر پر متعہ کرنے کی نوبت کاہے کو آتی پھر نان نفقہ کی ایسی صورت نہیں کہ زوجہ اوّل وثانی کو برابر نبھائیں اور ہر اس مقام کی عورتوں سے یہ توقع نہیں کہ اپنے مولد و اقرباء کو چھوڑ کر دُور دراز چلی جائیں۔ اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورت مخمصہ سے یہ ضرورت شدید تھی کیونکہ اوّل تو وہ ضرورت اور سو طرح سے مرتفع ہو سکتی ہے۔ محنت، مزدوری، قرض، سوال، کسی طرح قدر قوت میسر نہ آ سکے تو گھاس پھونس کھا کر تو اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں یہاں رفع ضرورت کی بجز اجازت متعہ یا مراجعت وطن اور کوئی صورت نہ تھی سو جیسے بوجہ جہاد قتل و قتال اُمور ممنوعہ کی اجازت ملی تھی اس وقت بوجہ معلوم متعہ کی بھی اجازت ضروری ہوگئی۔

الغرض ضرورت مذکورہ غزوات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے شک قابل لحاظ تھی۔ اس زمانہ قلت اہل اسلام و کثرت اعداء میں اگر اس اُمر قبیح کو بوجہ ضرورت بالعرض بھی حسن نہ سمجھتے تو ترقی دین پر سو طرح کے کھٹکے تھے۔

جس وقت قتل و قتال کو بوجہ حسن بالغیر جائز کر دیا تو فسادِ متعہ پر ایسے وقت ضرورت میں کیا لحاظ کیا جائے ایسے وقت ضرورت میں اباحت متعہ اس سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے کہ حالت مخمصہ میں اباحت اکل میتۃ ۔

بالفرض متعہ جائز ہوتا تو اہل سنت کے لئے جائز ہوتا

اس تقریر سے اہل فہم کو خوب واضح ہوگیا ہوگا ۔ کہ اگر بالفرض والتقدیر متعہ جائز بھی ہوتا تو اہل سنت کے لئے جائز ہوتا جہاد میں جانفشانیاں اور جانبازیاں تو اہل سنت کریں یہ پاکبازیاں بھی ہوتیں تو انہیں کے لئے ہوتیں ۔ مگر تماشا ہے کہ جانیں کون گنوائیں اور مزے کون اُڑائیں ۔ حق یہ ہے کہ دقیقہ سنجی اور انصاف پرستی اور صدق فی الروایۃ اہل سنت ہی کے لئے ہے ۔ بہر حال اباحت متعہ بوجہ ضرورت تھی اور وہ ضرورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں تھی اور پھر وہ بھی وقت سفر تھی وقت حضر نہ تھی اور وقت سفر بھی انہی لوگوں کے لئے تھی جن کی بیبیاں ان کے ساتھ نہ تھیں چنانچہ روایات صحاحِ اہلِ سنت اس بات پر شاہد ہیں صحیح مسلم میں ہے:

" عَنْ قَیْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ یَقُوْلُ کُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم لَیْسَ لَنَا نِسَآءٌ فَقُلْنَا اَلا نَسْتَخْصِیُ فَنهَا نَا عَنْ ذٰلِکَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَنْکِحَ الْمَرْاَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰی اَجَلٍ " (انتھی مقام الحاجۃ ص ۴۵۰، ج ۱، مسلم)

" صحیح مسلم میں حضرت قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سُنا فرماتے تھے ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ غزوہ میں تھے ہمارے ساتھ بیویاں نہ تھیں تو ہم نے پوچھا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ نے اس سے روکا پھر ہم کو اجازت مل گئی کہ ہم کسی عورت کے ساتھ مدتِ مقررہ تک نکاح کر لیں " ۔

اور نیز صحیح مسلم میں ہے:

"قَالَ اِبْنُ شِهَابٍ اَخْبَرَنِیْ خَالِدُ بْنُ الْمُهَاجِرِبْنَ سَیْفِ اللّٰهِ اِنَّهٗ بَیْنَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ رَجُلٍ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَاهُ فِی الْمُتْعَةِ فَاَمَرَهٗ بِهَا فَقَالَ لَهٗ

اِبْنُ اَبِیْ عُمْرَةَ الْاَنْصَارِیُّ مَهْلًا قَالَ مَا هِیَ وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتُ فِیْ عَهْدِ اِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ قَالَ اِبْنُ اَبِیْ عُمْرَةَ اَنَّهَا کَانَتْ رُخْصَةً فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ لِمَنِ اضْطُرَّ اِلَیْهَا کَالْمَیْتَةِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِیْرِ ثُمَّ اَحْکَمَ اللّٰهُ الدِّیْنَ وَنَهٰی عَنْهَا "۔ (انتہٰی مقام الحاجۃ ۔ مسلم ص ۴۵۲، ج ۱)

ترجمہ: "ابن شہاب کہتے ہیں مجھے خالد بن مہاجر بن سیف اللہ نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھے تھے تو ایک شخص نے متعہ کے بارے میں آ کر مسئلہ پوچھا تو اس آدمی نے اسے اجازت دی ابن ابی عمرۃ انصاری کہنے لگے چھوڑو وہ کہنے لگے ایسا کیوں امام المتقین کے زمانہ میں ہم نے کیا تھا تو ابن ابی عمرۃ نے کہا یہ اسلام کے دور آغاز میں رخصت تھی اس شخص کیلئے جو مجبور ہو جیسے کوئی آدمی مردار خون اور خنزیر کھانے پر مجبور ہو پھر اللہ نے دین کو پختہ کر دیا اور ہمیں متعہ سے (خدا نے) روک دیا"۔

اجازت متعہ ایسی ہی تھی جیسے حالت اضطراری میں مردار کھانے کی اجازت ہے

ان دونوں روایتوں سے صاف روشن ہے کہ ابتداء اسلام میں وقت سفرِ جہاد بوجہ ضرورتِ شدیدہ متعہ جائز تھا علی العموم جائز نہ تھا اور پھر وہ جواز بھی ایسا ہی تھا جیسے میتہ اور خنزیر کا حالت مخمصہ میں کھانا جائز ہے یعنی رخصت تھا عزیمت نہ تھا جو اُمیدِ ثواب رکھئے اور ایک متعہ پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا امیدوار رہے اور دوسرے متعہ پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے رتبہ کی توقع باندھئے اور تیسرے متعہ پر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے مقام کا انتظار کیجئے اور چوتھے متعہ میں منصب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو رکھائیے۔

بالجملہ زمانۂ نبوت میں بھی متعہ عزیمت نہ تھا بلکہ رخصت تھا اور وہ بھی سفر میں نہ حضر میں اور سفر میں بھی تھا تو فقط سفر جہاد ہی میں اور وہ بھی ان لوگوں کے لئے جن کی عورتیں نہ تھیں اور ان میں سے بھی انہی کے لئے جن کو ایسی ضرورت ہو جیسے حالت مخمصہ میں پیٹ بھر لینے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام مضامین دونوں روایتوں کے الفاظ سے مثل آفتاب روشن ہیں۔

اکل میتہ حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے اور متعہ کو بوجہ ارتفاع علت ہمیشہ کے لئے منسوخ کردیا گیا ہے

مگر چونکہ حالت مخمصہ کا احتمال آئندہ بھی تھا پر بعد فتح مکہ احتمال ضرورت متعہ کسی طرح نہ تھا کیونکہ بعد فتح مکہ معظمہ تمام ملک عرب مسلمان ہوگیا تمام اقوام فوج فوج داخل زمرۂ اسلام ہونے لگیں، اللہ کی مدد نے چاروں طرف سے ظہور کیا۔ چنانچہ سورۃ مبارکہ:

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ(۱) وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا(۲) "(سورۃ النصر)

ترجمہ: "جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں دین میں فوج فوج"۔

اس مضمون پر شاہد ہے اور مشاہدہ فتوح شام ومصر وعراق وفارس وغیرہ اس کے مصداق ہیں۔ اس لئے اکل میتہ میں تو بشرط حالت مخمصہ رخصت بحال خود باقی رہی اور متعہ کو قیامت تک منسوخ کردیا۔

چنانچہ وہ روایتیں جو اس حُرمت اَبدی پر دلالت کرتی ہیں پیش کش ناظرانِ اوراق ہیں منجملہ اور روایتوں کے ایک روایت تو مرقوم بھی ہوچکی یعنی دوسری روایت جس میں یہ لفظ ہیں: " ثُمَّ اَحْكَمَ اللّٰهُ الدِّيْنَ وَنَهٰى عَنْهَا" اس روایت سے صاف روشن ہے کہ متعہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اوّل ہی جائز تھا پھر دین کو محکم اور مضبوط کردیا یعنی متعہ سے انجام کار ہمیشہ کے لئے منع فرمادیا سوا اس کے اور روایت لیجئے صحیح مسلم میں موجود ہے:

"حَدَّثَنِیْ الرَّبِيْعُ بْنُ سَبْرَ الْجُهَنِیُّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ".

اس کے بعد پھر یہ روایت ہے:

"حَدَّثَنِیْ الرَّبِيْعُ بْنُ سَبْرَ الْجُهَنِیُّ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ

اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَقَالَ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدْ کُنْتُ اَذِنْتُ لَکُمْ فِی الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَآءِ وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَمَنْ کَانَ عِنْدَہٗ مِنْھُنَّ شَیْءٌ فَلْیُخَلِّ سَبِیْلَہٗ وَلَا تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا" (مسلم، ص ۴۵۱، ج ۱)

ترجمہ: "ربیع بن سبرۃ جہنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ فتح مکہ کے دن نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اللہ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا پس جس کے پاس ایسی چیز (عورت) ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے مہر دیا ہو وہ بھی ان سے واپس نہ لینا"۔

ان دونوں روایتوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نہی بھی غزوۂ مکہ ہی میں واقع ہوا ہے یعنی اوّل تو غزوۂ فتح میں بعد نہی خیبر اجازت ہوئی اور پھر بعد تین روز کے ہمیشہ کے لئے یہ اِرشاد فرمایا چنانچہ ماہرانِ کتب احادیث پر مخفی نہ رہے گا۔

الغرض بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ دو بار متعہ کی اجازت ہوئی اور دو بار نہی ہوئی مگر دوسری دفعہ کی نہی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تھی مگر چونکہ وہ بات رقم کر چکا ہوں جس سے بعد فتح مکہ حُرمت اَبدی کا مناسب ہونا معلوم ہو جائے تو یہ تناسب آپ ہی معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ اِرشاد اس وقت کیوں ہوا۔ پس و پیش فتح مکہ یہ ارشاد کیوں نہ فرمایا ہاں اب تیسری روایت کا نمبر ہے۔ سو وہ تیسری روایت خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ کُتب احادیث میں مروی ہے:

" عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ یعنی اِبْنُ الْحَنَفِیَّۃِ اَنَّہٗ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ یَقُوْلُ لِاِبْنِ عَبَّاسٍ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَنْ مُتْعَۃِ النِّسَآءِ یَوْمَ خَیْبَرَ وَعَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِیَّۃِ". (مسلم ص ۴۵۲، ج ۱۔ بخاری ص ۷۶۷، ج ۲)

ترجمہ: "محمد بن حنفیہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سُن کر راوی ہیں کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع فرمایا"۔

یہ روایات مذکورہ اہل سنت کیلئے تو دربارہ رخصت ہونے متعہ کے سرمایہ تسکین و یقین ہوں گی اور اس لئے وہ الزامِ شیعہ جس کے دفع کیلئے یہ اَوراق مرقوم ہوئے ہیں خود بخود ان کے نزدیک ساقط ہو جائے گا اور پھر اس باب میں ان شاء اللہ شیعوں کو مجال دم زدن نہ رہے گی۔ اور شیعوں کیلئے یہ روایات منجملہ وارشاد و تلقین ہوں گی۔

روایات مذکورہ شیعہ کے لئے بھی ہدایت و اِرشاد کا باعث ہیں

وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کسی مذہب ومشرب کا کوئی کلیہ یا قاعدہ یا ان کے دین کی کسی بات کی کوئی اصل دل نشین اور ذہن نشین ہو جاتی ہے اور پھر اس کے مناسب ہی اور احکام اس مذہب میں نظر پڑتے ہیں۔ تو اہل مذہب کو تو اس کی حقیقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور مخالفانِ مذہب مذکور کو بشرط طلب حق رشد وہدایت کا سامان ہو جاتا ہے۔ اگر کلام اللہ میں اور اس کے احکام اور اخبار میں یہ تناسب نہ ہوتا تو سب میں پہلا اعتراض یہی ہوتا کہ نعوذ باللہ دروغ گورا حافظہ نہ باشد اور جب یہ اعتراض نہیں تو جیسا اہل اسلام کو سامان مزید تسکین ویقین ہوگا اہل باطل کے حق میں بشرط تدبر یہ تلقین وتنبیہ پنہانی باعث تنبیہ وہوش ہوگی خاص کر روایات اخیرہ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہی شیعوں کے مر مٹنے کو کافی ہے۔

سُنیوں کو یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ غزوۂ فتح بعد فتح خیبر ہے۔ اور غزوہ فتح مکہ میں بشہادت بعض روایات مذکورہ پھر اجازت ہوگئی تھی۔ اس صورت میں نہی غزوہ فتح سے اگر قطع نظر کی جائے تو اجازت غزوہ فتح ناسخ نہی خیبر ہوگی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بوجہ بے خبری ہو مگر شیعوں کو اس عذر کی گنجائش نہیں ان کے نزدیک اماموں سے غلطی کا احتمال نہیں اور پھر وہ بھی دین کی باتوں میں خاص کر اس وقت جب کہ نسخ کا بھی احتمال نہ رہا ہو یعنی بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا آنا موقوف ہوگیا نسخ کی کوئی صورت نہ رہی دین پائیدار ہوگیا۔

اس صورت میں وہ متعہ کا رخصت ہونا اور عزیمت نہ ہونا جو بدلائل واضحہ ان شاء اللہ ہر خاص و عام پر واضح ہو جائے گا۔ اس تناسب کے ساتھ مل کر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے شیعوں کے حق میں بالضرور موجب تنبیہ ہوگا اوران شاء اللہ اب اس خوابِ غفلت سے جس میں مدت سے بے ہوش ہیں ہوشیار ہو کر حرمت متعہ کو علی رؤس الاشہاد تسلیم کریں گے اور یہ بھی نہ ہوگا تو اس سے خالی ہی نہیں کہ یہ روایتیں دافع الزام اباحت ہو جائیں یعنی حضرات شیعہ جو بدستاویز روایات اباحت۔ اہل سنت پر الزام لگاتے تھے وہ الزام روایات سے مندفع ہو جائے۔

حاصل کلام

اس صورت میں حاصل تقریر یہ ہوگا کہ ایک زمانہ میں متعہ کا ایسی طرح حلال ہو جانا جیسے میتہ کبھی حلال ہو جاتا ہے۔ مُسَلَّمْ ! لیکن اوّل تو وہ اجازت وقت ضرورت بوجہ ضرورت تھی۔ کوئی اَمر تعبدی نہ تھا جو ہمیشہ کیلئے رہتا اور ایسا ثواب بے پایاں اس پر متفرع ہوتا کہ ایمان سے لے کر اعمال تک کسی عبادت اور طاعت اور زُہد و تقویٰ کا وہ ثواب نہیں کیونکہ نہ ایمان کا یہ رُتبہ کہ بہ ترتیب معلوم چوتھی دفعہ میں ثانی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائے اور ہر قطرۂ غسل سے فرشتہ پیدا ہونہ کسی عبادت میں یہ اثر نہ زہد سے یہ اُمید نہ تقویٰ سے یہ توقع یہ پاکیزگی تو اسی (متعہ کی) پاکبازی میں ہے۔

اور اگر فرض کیجئے حضرات شیعہ میر فتح اللہ شیرازی کی تفسیر کو معتبر نہ جانیں اور اس وجہ سے اُن کی روایات کو نہ مانیں تب بھی شیعوں کے نزدیک متعہ کے منجملہ حسنات ہونے میں تو کچھ تامل ہی نہیں۔ بہر حال بوجہ ضرورت، وقت ضرورت متعہ کیلئے اجازت دے دینا خود اس بات کو مقتضی ہے کہ بعد ضرورت یہ حکم نہ رہے گا اور ایسا حکم منجملہ حسنات نہیں ہو سکتا دوسرے حُرمتِ اَبدی اور حدیثوں سے ثابت۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ وہ اباحت ثابت من الاحادیث جو شیعہ کے نزدیک اس حُرمت کو ناسخ تھی جو آیت "اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ الخ" سے ثابت ہوتی تھی احادیث ہی سے پھر منسوخ ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کی حیثیت

باقی رہا حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا بعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم متعہ کی اباحت پر فتویٰ دینا اہل سنت کے حق میں کچھ مضر نہیں کیونکہ اوّل تو اہل سنت کے مجتہد سے خطا بھی ہو جاتی ہے، دوسرے ان کا یہ فتویٰ قبل اطلاع نہی تھا بعد اطلاع انہوں نے بھی رجوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا حدیث نہی سے مطلع نہ ہونا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خیال فرمایئے۔ ﴿حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت پیچھے گذر چکی ہے علاوہ ازیں ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مذکور ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''متعہ شروع اسلام میں تھا آدمی کسی شہر میں جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی تو جتنی دیر اس نے قیام کرنا ہوتا اتنی دیر کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے لئے کھانا بھی تیار کرتی یہاں تک کہ جب آیت ''اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ'' نازل ہوئی '' قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ فَکُلُّ فَرْجٍ سِوَاھُمَا حَرَام'' (ترمذی ص ۱۸۱، ج ۱، باب نکاح المتعہ﴾

باقی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ''مسلم ص ۴۵۰، ج ۱'' میں مروی ہے: ''

قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰہِ یَقُوْلُ کُنَّا نَغْزُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَنَا نِسَآءٌ فَقُلْنَا اَلا نَسْتَخْصِیْ فَنَھَانَا عَنْ ذٰلِکَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَنْکِحَ الْمَرْاَۃَ بِالثَّوْبِ اِلٰی اَجَلٍ ثُمَّ قَرَءَ عَبْدُ اللّٰہِ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ. حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ''وَلَا تَعْتَدُوْا'' سے ان لوگوں کا ردّ فرما رہے ہیں جو بعد حرمت متعہ کے بھی حلت متعہ کے قائل ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جیسے طیبات کو حرام کرنا

درست نہیں ایسے ہی حدود سے تجاوز بھی درست نہیں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ضرورت غزوات میں اور سخت مجبوری کے وقت جب کہ عورتیں پاس نہ تھیں اجازت فرمائی اور بعد میں "اِنَّھَا حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" فرما کر قیامت تک کے لئے حرام ہونے کا اعلان کر دیا اب جو شخص متعہ کی اجازت دے اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا" وَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ. کما اشار الیہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ". حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں "فی روایۃ ابی معاویۃ عن اسماعیل بن ابی خالد ففعلنا ثم ترک ذٰلک و فی روایۃ لابن عیینہ عن اسماعیل ثم جاء تحریمھا بعد و فی روایۃ معمر عن اسماعیل ثم نسخ. (فتح الباری ص ۲۰، ۸۰۷، ج ۱۱" (۱۲۔ محمد اشرف)

اور اگر بالفرض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رجوع کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ احادیث نسخ ان کو نہ پہنچی تھیں اور اجماع ان کے بعد منعقد ہوا بہر حال انجام کار سب نے رجوع کیا اور حرمت متعہ پر اجماع منعقد ہو گیا۔

حُرمت متعہ پر اُمت کا اجماع ہے

چنانچہ کُتب اہل سنت میں موجود ہے (علامہ) نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم باب نکاح المتعہ میں بحوالہ قاضی عیاض رقم فرماتے ہیں:

" قَالَ الْقَاضِیْ واتَّفَقَ الْعُلَمَآءُ عَلٰی اَنَّ ھٰذِہِ الْمُتْعَۃَ کَانَتْ نِکَاحاً اِلٰی اَجَلٍ لَا مِیْرَاثَ فِیْھَا وَفِرَاقُھَا یَحْصِلُ بِانْقِضَاءِ الْاَجَلِ مِنْ غَیْرِ طَلَاقٍ وَوَقَعَ الْاِجْمَاعُ بَعْدُ عَلٰی تَحْرِیْمِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْعُلَمَآءِ الا الروافض وکان ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول باباحتھا و روی عنہ انہ رجع عنہ انتھٰی (نووی علی مسلم ص ۴۵۰، ج ۱)

ترجمہ" قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ متعہ وقتی

نکاح (بمعہ گواہ) تھا اس میں میراث نہ تھی اور بلا طلاق مدت مقررہ کے ختم ہونے پر جدائی ہو جاتی تھی اس کے بعد اس کی حُرمت پر تمام علماء کا اتفاق ہوا بجز روافض کے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ اباحت کے قائل تھے پھر آپ سے مروی ہے کہ آپ نے جواز سے رجوع کر لیا"۔

اور شروح باب مذکور میں بحوالہ قاضی رحمۃ اللہ علیہ ہی یہ بھی مرقوم ہے:

قَالَ الْمَازَرِيُّ ثَبَتَ اَنَّ نِكَاحَ الْمُتْعَةِ كَانَ جَائِزًا فِيْ اَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ ثَبَتَ بِالْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْمَذْكُوْرَةِ هُنَا اَنَّهُ نُسِخَ وَانْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى تَحْرِيْمِهِ وَلَمْ يُخَالِفْ فِيْهِ اِلَّا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُبْتَدِعَةِ .انتهٰى مقام الحاجة. (نووی علی مسلم ص ۴۵۰، ج۱)

ترجمہ: "مازری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ نکاح متعہ اسلام کے ابتدائی دور میں جائز تھا پھر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی حُرمت پر اجماع واقع ہو گیا اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا بجز اہل بدعت کے ایک گروہ کے"۔

خلاصہ مرام یہ ہے کہ نہ کلام اللہ میں متعہ کا نشان ہے نہ اس کی خوبی یا اباحت کا کہیں بیان ہے کوئی آیت اس کے استحباب یا اباحت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ کلام اللہ سے اگر نکلتی ہے حُرمت نکلتی ہے۔ ہاں احادیث سے ایک زمانے میں تھوڑے دنوں کیلئے مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مگر جیسا تھوڑے دنوں کیلئے اباحت کا ثبوت احادیث سے نکلتا ہے ایسا ہی بعد اباحت چند روزہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کا حرام ہو جانا نکلتا ہے۔

چونکہ جمیع مالہ و ماعلیہ بحث متعہ سے بحمد اللہ فراغت حاصل ہوئی تو اب لازم یوں ہے کہ خدا کا شکر ادا کیجئے اور بنام خدا ختم کیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیدالمرسلین خاتم النبیّین و آلہ وصحبہ وازواجہ و ذریّتہ اجمعین۔

سوال چہارم

بحث فدک ووراثت انبیاء علیہم السلام

بیٹیوں کا وارث ہونا قرآن میں سورۃ نسآء رکوع دوم آئتی "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (سورۃ النسآء آیت ۱۱)" میں منصوص ہے فرماتے ہیں "وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ" جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اولاد میں ایک ہی بیٹی ہو تو اس کا آدھا حصہ ہے اس صورت میں حضرت سیدۃ النسآء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آدھے ترکہ کی مالک تھیں پھر کیا سبب ہوا کہ خلیفہ اَوّل نے ان کو بالکل جواب دیا یہ بھی ظلم نہیں تو اور ظلم کس کا نام ہے؟

اور اگر یہ کہیے کہ حدیث میں آیا ہے "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَآءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ" یعنی انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی تو یہ معنی ہوئے کہ حکم قرآنی حدیث سے منسوخ ہو گیا تو اَوّل تو حدیث واحد سے یعنی ایسی احادیث سے جن کو محدثین احاد کہا کرتے ہیں قرآن کا منسوخ ٹھہرانا سنیوں کے نزدیک بھی جائز نہیں دوسرے یہ حدیث اور آیات قرآنی کے معارض ہے جن میں سے ایک تو "وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ" ہے۔ دوسری "وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ" اَوّل کا مطلب تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور دوسری دعاء حضرت زکریا علیہ السلام ہے اور مطلب اس کا یہ ہے۔

کہ اے اللہ دے مجھ کو ایسا جانشین جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔

اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خلاف قاعدہ خداوندی دعا متصور نہیں اور اگر بالفرض انبیاء کرام سے کوئی دُعا خلاف قاعدہ مقررہ صادر بھی ہو تو مثل دُعا حضرت نوح علیہ السلام یعنی۔

"رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ" (سورۃ ھود آیت ۴۵)

ترجمہ: ''اے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے''۔

قابل عتاب ہے چنانچہ جملہ

''فَلَا تَسْئَلْنِ مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ'' (سورۃ ہود، آیت ۴۶)

ترجمہ: ''سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں''۔

سے ظاہر ہے۔ مثل دُعا مذکور حضرت زکریا علیہ السلام قابلِ اجابت نہیں تھی سو یہ اجابت دُعائے مذکور جس پر جملہ ''یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا (سورۃ مریم، آیت ۷)'' شاہد ہے۔ بایں لطف و عنایت جو لفظ ''نُبَشِّرُ'' سے ظاہر ہے در صورت صحت وصدق خبر لا نورث ہرگز متصور نہیں کیونکہ اگر انبیاء کا کوئی وارث نہ ہوا کرتا تو حضرت زکریا علیہ السلام کو اس قاعدہ کی اطلاع بھی ضرور ہوگی پھر ایسی دُعا کیوں کرتے بہر حال حضرت زکریا اور حضرت داؤد علیہم السلام کو اس قاعدہ کی اطلاع بھی ضرور ہوگی پھر ایسی دُعا کیوں کرتے بہر حال حضرت زکریا اور حضرت داؤد علیہما السلام دونوں بالیقین نبی ہیں اور ان کے مال میں وراثت کا جاری ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اس صورت میں حدیث مذکور مخالف کلام اللہ ہوئی ہے۔ سو کلام اللہ کو غلط نہیں کہہ سکتے ہو نہ حدیث مذکور ہی غلط ہوگی۔

جواب: میراث کی بناء تین شرطوں پر ہے

بعد حمد وصلوٰۃ راقم حروف عرض پرداز ہے کہ میراث کی بناء تین باتوں پر ہے۔

شرطِ اوّل۔ مورث کی رُوح کا اس کے جسم سے علاقہ حیات باقی نہ رہے

ایک تو یہ کہ جس کے مال میں کسی کو استحقاق میراث ہو اس کی رُوح کو اس کے جسم سے علاقہ حیات باقی نہ رہے اگر علاقہ مذکور باقی ہے تو اس کا مال اسی کی ملک رہتا

ہے اور اس کی ازواج اس کے نکاح میں، اقرباء کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہوگا کسی اور کو اس کی ازواج سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ جب تک دم میں دم ہے آدمی اپنے مال کا مالک ہے اس کی زوجہ کا نکاح منقطع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر علاقہ مذکور منقطع ہو جائے تو اَموال سے بھی علاقہ ملک منقطع ہو جاتا ہے اور اَزواج سے بھی علاقہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کہ رُوح کو بذات خود تو اَموال واَزواج کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ جیسے سوار کو گھاس دانہ کی ضرورت بوجہ اسپ سواری ہوتی ہے رُوح کو کھانے پینے اور اَموال واَزواج کی حاجت بوجہ بدن ہے۔ جب بدن سے علاقہ ہی نہ رہا تو مال واَزواج رُوح کے کس مصرف کے ہیں۔

شرطِ دوم۔ مورث کا یُوصِیْکُمُ اللّٰہ کے خطاب میں شمول

دوسری بات جس پر بناء میراث ہے یہ ہے کہ خطاب "یُوصِیْکُمُ اللّٰہ" میں مورث داخل ہو۔ یہ نہ ہو کہ جیسے حج، زکوٰۃ کا خطاب مثلاً اغنیاء کے لئے ہے فقراء خارج ہیں خطاب مذکور سے مورث خارج ہو۔

شرطِ سوم۔ مورث کا ترکہ اس کی ملکیت ہو

تیسری بات یہ ہے کہ متروکہ مورث اسی کا مملوک ہو کسی کی امانت یا مال وقف نہ ہو۔

صورت مسئولہ میں تینوں شرائط مفقود ہیں

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے سنئے کہ اس جھگڑے میں تینوں باتوں کا پتہ نہیں اور ظاہر ہے کہ ثبوت دعویٰ میراث کے لئے اَوّل حضرات شیعہ کو ان تین باتوں کا اثبات ضروری ہے اس کے بعد اگر سنیوں سے جواب مانگیں تو بجائے خود ہے۔ اور قبل اثبات مذکور سنیوں کی طرف سے "لَا نُسَلِّمُ" کافی ہے ان تینوں سے اگر مقدمہ واحد ہی ثابت نہ ہوگا تو پھر سنیوں کے سامنے منہ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہاں ذہن سلیم ہو تو ان تینوں باتوں کی اضداد کلام اللہ ہی سے ثابت ہیں اور احادیث کثیرہ اس کی مؤید۔ خیر یہ بات تو بہت طویل ہے قابلِ گذارش یہ ہے۔

حدیث لانورث اخبار کے قبیل سے ہے اور اخبار ناسخ و منسوخ نہیں ہوتیں

کہ حدیث میں نفی اَمر اَوّل کی طرف اِشارہ ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث کا جاری نہ ہونا اگر حدیث مذکور سے ثابت ہے تو بایں معنی ثابت ہے کہ عدم موروثیت کی خبر دیتی ہے یہ نہیں کہ ان کے لئے جدا اَمر و اِرشاد ہے کہ حدیث کو ناسخ، قرآن کو منسوخ کہیں۔ بالجملہ اَمر و نہی ناسخ اَمر و نہی ہوا کرتے ہیں اخبار ناسخ اوامر و نواہی نہیں ہوتیں۔

ہاں اگر کوئی ایسی خبر ہو جس سے وقوعِ اَمر و نہی معلوم ہو جیسا "کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" یا "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" تو وہ خبر تو پھر بھی ناسخ اَمر و نہی ہوتی البتہ وہ اَمر و نہی جو بذریعہ خبر مذکور معلوم ہوتے ہیں بشرط مخالف اَمر و نہی دیگر ناسخ ہوا کرتے ہیں سو یہاں نہ کسی اَمر کی خبر ہے نہ کسی نہی کا بیان۔

بناءِ میراث کی شرط اَوّل کا فقدان۔ حدیث لانورث کی رُو سے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے

بلکہ مطلب اصلی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام وقت موت بھی بدستور بقید حیات رہتے ہیں چنانچہ بہدایتِ عقل صائب جملہ لانورث سے یہ بات عیاں ہے اور ہم بھی ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ اس لئے کہ ان کے مال میں میراث نہیں چلتی۔ سو سُنّی نہ سہی علماء شیعہ ہی فرمائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے اور اس صورت میں کس طرح نسخِ قرآن لازم آتا ہے زندہ کے مال میں نہ تو شیعوں کے نزدیک میراث ہوتی ہے نہ سُنیوں کے نزدیک جب تک جان کو تن سے علاقہ باقی ہے تو کیسا ہی کوئی ضعیف و نحیف بدتر از مردگان کیوں نہ ہو اپنے مال کا مالک اپنی زوجہ کا خاوند رہتا ہے نہ اس کے مال میں وارثوں کو گنجائش تصرف ہے نہ اس کی ازواج کے ساتھ کسی کو نکاح کی اجازت جب ہمارا تمہارا باوجودیکہ ہماری حیات بدتر از موت ہے کہ حالت نزع میں اپنے مال کے مالک اور اپنی زوجہ کے خاوند رہتے ہیں انبیاء علیہم السلام اگر بقید حیات اپنے مال کے مالک اور اپنی ازواج کے خاوند رہیں تو کیا بے جا ہے۔

دواہم سوال

ہاں یہ بات قابل تحقیق ہے کہ جملہ لانورثُ بقاء حیات پر کیوں کر دلالت کرتا ہے۔ اور دوبارہ بقاء حیاتِ انبیاء وقت موت بھی احادیث احاد سے کام چل سکتا ہے یا نہیں؟

جواب سوال اَوّل۔ موروثیت کی نفی کا سبب حیات ہے

سو جواب اُمر اُوّل تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا نورث فرمایا ہے لا یرثنا اَحَدٌ نہیں فرمایا غرض نفی وارثیت ورثہ کی نہیں اپنی موروثیت کی نفی فرماتے ہیں۔ اگر نفی وارثیت فرماتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ معاذ اللہ قتل یا کفر وغیرہ اسباب حرمان کے باعث وراثت سے محروم رہ جائیں پر مانع موروثیت مورث بجز حیات اور کوئی اَمر ہی نہیں۔ اس لئے کہ موجب تعلق وراثت فقط انقطاع تعلق فیما بین رُوح وجسم ہے کسی اور شرط یا سبب کی ضرورت ہی نہیں جو اس کے نہ ہونے کا احتمال ہو۔

اس صورت میں بجز اس کے اور کسی بات کی گنجائش ہی نہیں کہ حیات مانع میراث قائم ہو اور یہ فرق نفی وارثیت اور موروثیت میراث میں ایسا ہے جیسا اَبصار میں نہ دیکھنے اور نہ دِکھلائی دینے کا فرق موجود ہے یعنی اندھا اگر کسی شکل وصورت کو نہیں دیکھتا تو وہاں اَندھے کا قصور ہے اس شکل کا قصور نہیں اور اگر ہوا یا رُوح وغیرہ اشیاء غیر مبصرہ کو کوئی آنکھوں والا نہیں دیکھتا تو وہاں آنکھوں والے کا اس بات میں کچھ قصور نہیں بلکہ ہوا اور رُوح کا قصور ہے یعنی ہوا اور رُوح دیکھنے کے قابل نہیں سو پہلی صورت میں اَندھے کے بصیر ہونے کی نفی کرنی چاہئے اور دوسری صورت میں ہوا اور رُوح کے مرئی ہونے کی نفی مناسب ہے۔

بہر حال بدلالت نفی موروثیت حقیقت شناسائی معانی سنج تو اس طرف گئے کہ انبیاء میں موروثیت ہی نہیں یعنی انقطاع تعلق رُوح وجسم کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر پرستان کم فہم نفی موروثیت کو نفی وارثیت پر محمول کر کے لڑنے کو تیار ہیں کہ بیٹی کا وارث ہونا قرآن میں منصوص ہے حدیث واحد سے منسوخ یا مخصوص نہیں ہو سکتا ہے۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

کوئی پوچھے اس حدیث کو نفی وارثیت سے کیا علاقہ جو اعتراض نسخ لے دوڑے۔

جواب سوال دوم۔ موت وحیات کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے

اور اَمر ثانی کا جواب یہ ہے کہ موت وحیات کے باب میں تو ہر عادل کی گواہی مقبول ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دربارہ حیات مقبول نہ ہوگی حضرات شیعہ ہی فرمائیں یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔

ایک اور سوال۔ موت وحیات کا اجتماع ممکن ہے؟

ہاں یوں کہئے کلام اللہ میں یوں بھی ارشاد ہے: "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" (ہر جی کو چکھنی ہے موت۔ آلِ عمران، آیت ۱۸۴) جس سے بے تخصیص انبیاء علیہم السلام کیلئے موت کا آنا ثابت ہے بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ (تجھے بھی مرنا ہے) پھر اس بناء پر فرماتے ہیں:

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ" (سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۴۴)

ترجمہ: "اور محمد تو ایک رسول ہے، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں"۔

اور ظاہر ہے کہ موت وحیات باہم متضاد ہیں اور اضداد باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ نور وظلمت اور حرارت اور برودت ایک محل واحد میں جو جمع نہیں ہوتے تو بوجہ تضاد ہی باہم مجتمع نہیں ہوتے۔

دلیل نقلی

سو اس کا جواب اوّل تو نقلی لیجئے اگر "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کلام اللہ میں ہے تو "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" (سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۶۹)

ترجمہ: "اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے"۔ بھی کلام اللہ ہی کی آیت ہے اِنجیل یا توراۃ کا

درس نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بشہادت "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" (آلِ عمران، آیت ۱۸۴) شہداء کی موت کا اقرار لازم ہے ورنہ بایں ہمہ کلیت جملہ "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" اگر شہداء منجملہ اموات ہوں گے تو اس قضیہ کا کلیہ ہونا دربارہ موت انبیاء کرام علیہم السلام کیونکر مفید ہوسکتا ہے۔ سو جیسا شہداء میں موت وحیات کا اجتماع ممکن ہے ایسا ہی انبیاء علیہم السلام میں بھی سہی۔

ایک خدشہ

اس تقریر کوسن کر شاید علماء شیعہ آیت "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا" کی تفسیر میں درپے تغیر ہو کر یہ فرمائیں کہ "قُتِلُوْا" صیغہ ماضی ہے۔ اس لئے "الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبل نزولِ آیت "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا" خدا کی راہ میں مارے گئے علی العموم تمام شہداء مراد نہیں اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ایک بار مر گئے ہوں اور پھر بعد مرگ ان کو زندہ کر اُٹھایا ہو اور اس لئے یہ ارشاد ہوا کہ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ" مگر اس کا جواب اوّل تو اپنے مفسروں سے پوچھیں۔

جواب خدشہ

حضرت من! باتفاق مفسرین فریقین آیت مذکورہ تمام شہداء کو عام ہے۔ سابقین ہوں یا لاحقین اور کیوں نہ ہو۔ اگر یوں نہ کہئے تو آیت "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" میں بھی یہی کہنا پڑے گا۔ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیعان مابعد کو بزعم خود بھی اپنے آپ کو اس قسم کی بشارات سے محروم و بے نصیب کہنا پڑے گا۔ بالجملہ اس قسم کی آیات میں زمانہ کا ماضی ہونا باعتبار وقت جزاء و تفریعات ہوتا ہے باعتبار وقت تکلم نہیں ہوتا۔ سو جیسے آیت "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" میں جزا "فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ" سے مثلاً تقدم ملحوظ ہوگا اس آیت میں عدم حسبان اور رزق اور فرحت وغیرہ امور مندرجہ آیت:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (۱۶۹) فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"
(سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۹، ۱۷۰)

ترجمہ: "اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مُردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو اَبھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم"۔

سے تقدم اعتبار کیا جائے گا ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے یہی تفسیر دانی ہوگی تو حضرت امام الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقا کی حیات سے شیعوں کو انکار ہی کرنا پڑے گا بہر حال جملہ "اَلَّذِيْنَ قُتِلُوْا" کی تعمیم ضرور ہے۔

شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے بعد دوبارہ حیات کی دو قسمیں، مسلسل اور منقطع

پھر اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں کہ مقتولان فی سبیل اللہ کی حیات اوّل ہی بدستور ہو اور اس لئے "بَلْ اَحْيَآءٌ" فرمایا ہو یا حیات اوّل منقطع ہوگئی ہو پر حیات ثانی کے اعتبار سے ان کو احیاء فرمایا ہو۔ صورتِ اوّل میں تو ظاہر ہے کہ بعد قتل موت و حیات کا اجتماع لازم آئے گا۔

منقطع کی پھر دو قسمیں متصل اور منفصل

پر صورت ثانی کی پھر دو صورتیں۔ ایک تو یہ کہ حیات اوّل کے ختم ہوتے ہی دوسری حیات شروع ہوگئی ہو یعنی حیاتِ اوّل کا انتہا اور حیاتِ ثانی کا ابتداء اسی طرح متصل اور چسپاں ہو جیسے رات اور دِن۔ ظہر اور عصر مثلاً۔ دوسرے یہ کہ حیات اوّل کے اختتام کے بعد ایک زمانہ تک موت ہی رہتی ہو اور پھر حیات ثانی آتی ہو ان دونوں میں سے پہلی صورت میں اگر موت انتہاء حیات اور حدِ حیات اور طرفِ حیات ہے تو جیسے خط وسطح مفروض علی السطح المتصل اور سطح مفروض علی الجسم المتصل یا آن مفروض فی الزمان المتصل

اتصال سطح اور اتصال جسم اور اتصال زمان میں قادح نہیں ایسے موت مفروض بین الحیوتین کو خیال فرمایئے کیونکہ اس صورت میں تعدد حیوۃ باعتبار فرض موت ہے اور موت ایک انتہا غیر منقسم کا نام۔ سو جیسے تعدد سطح جو وقت فرض خط مستدیر مثلاً لازم ہے اتصال سطح داخل وخارج مستدیر میں قادح نہیں۔ ایسے ہی موت بھی اتصال حیات سابق ولاحق میں قادح نہ ہوگی اور اگر موت کیفیت مستمرہ کا نام ہے تو پھر وہی صورت ہے۔ یہاں بھی موت وحیات باہم مجتمع ہوں گی۔ ہاں صورت ثانی میں البتہ اجتماع موت وحیات نہ ہوگا بلکہ حیات اوّل تک تو موت بھی ہے نہیں اور حیات ثانی کے وقت موت زائل ہوگئی اور یہی احتمال شیعوں کو مفید بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ دونوں حیاتوں کے مابین جو زمانہ موت ہوگا۔ تو اس موت کے معروض وہی "اَلَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" ہیں۔ جن کی شان میں "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ" فرماتے ہیں۔ القصہ خود آیت "لَا تَحْسَبَنَّ" ہی احتمال مذکور کی مکذب ہے۔

دلیل عقلی

اور دلیل عقلی موت وحیات کے اجتماع کے ممکن ہونے پر مطلوب ہے تو سنئے کہ اجتماع اضداد کے محال ہونے کے لئے ضرور ہے کہ جہت وزمان بھی واحد ہو ورنہ مختلف زمانوں میں جیسے پانی کا گرم سرد ہونا اور زمین کا مضئ ومظلم ہونا ممکن کیا مشہور ہے ایسے باعتبار جہات مختلفہ بھی حرارت برودت اور نور وظلمت کا اجتماع موجود ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ادویہ باردہ بالطبع اور آب جو بالطبع بارد ہے بوسیلۂ آتش گرم ہو جاتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس ادویہ حارہ بالطبع مثل مرچ وگوگل شدت سرما میں بارد ہو جاتی ہیں اور طبیعت وہی کی وہی رہتی ہے تاثیرات جوں کی توں رہتی ہے اگر اجتماع مفہومات مذکورہ ہر طرح محال ہی ہوتا تو یہ اجتماع کیوں کر ہو سکتا اس لئے بناچاری اتحاد جہت کا شرائط تضاد میں سے کہنا ضرور ہے سو جیسے یہاں حرارت ذاتی اور برودت طبعی زائل نہیں ہوتی بلکہ برودت عارضہ اور حرارت غریبہ کے تلے دب جاتی ہے اور زیر پردہ اضداد مستور ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اگر حیات ذاتی زیر پردہ موت مستور ہو جائے تو کیا عجب ہے۔ کیونکہ

موت بشہادت آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ أمر وجودی ہے عدمی محض نہیں جو یوں کہا جائے کہ ساتر ہونے کیلئے وجودی ہونا ضروری ہے اور موت اَمر عدمی ہے اس کے ساتر ہونے اور حیات کے مستور ہونے کے کیا معنی؟

اور اگر یوں کہئے کہ موت تو اَمر عدمی ہی ہے پر یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے یعنی عدم الحیات لازم آیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات منجملہ اوصاف وعوارض ہے، اقسام موصوفات اور جواہر میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اوصاف وجودی دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا اوصاف ذاتیہ ہوں گے یعنی ذات موصوف کے حق میں خانہ زاد ہوں کسی اور کا فیض نہ ہوں جیسے فرض کرو حرارت آتش، اس قسم کے اوصاف تو اہل علم وعقل جانتے ہیں کہ موصوف سے جدا ہی نہیں ہوتے اور اگر اوصاف وجودی اوصاف ذاتیہ نہ ہوں گے تو اوصاف عرضیہ بمعنی بالعرض ہوں گے یعنی کسی اور کا فیض ہوں گے جیسے فرض کرو حرارت آب گرم کہ آب گرم میں فیض آتش ہے آب کے حق میں وصف خانہ زاد نہیں اس قسم کے اوصاف البتہ زوال پذیر ہوتے ہیں اور موصوفات سے ان کا عدم متصور ہوتا ہے لیکن اس قسم کے اوصاف اگر ایک جا سے معدوم ہو جاتے ہیں تو جہاں کا فیض ہے وہاں سے معدوم نہیں ہوتے۔ الغرض ہر وصف عرضی بمعنی بالعرض کیلئے ایک موصوف بالذات ضرور ہے سو جس کسی کی ایسی حیات ہوگی اس کی حیات معدوم نہیں ہوسکتی اگر ہوگی تو مستور ہی ہوگی۔ اور وہ چیز جو آیت مذکورہ میں لفظ موت سے مراد ہوگی اسکے حق میں ساتر ہی ہوگی مزیل نہ ہوگی۔

عالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی ہے اور اوروں کی حیات آپ کے فیض سے عرضی ہے

سو ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات عالم اسباب میں خانہ زاد ہو اور اوروں کی حیات عالم امکان میں اسی طرح اس کا فیض ہو جیسے چاند میں آفتاب کا فیض تو اس صورت میں آپ کی حیات وقت موت زائل نہ ہوگی تو مستور ہوگی یعنی جیسے وقت کسوف یعنی گہن کے وقت نور آفتاب چاند کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے۔ اور چاند کا نور وقت خسوف یعنی چاند گہن میں بایں وجہ کہ زمین اس کے اور آفتاب کے بیچ

میں حائل ہوگئی ہے۔ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت موت آپ کی حیات تو زیر پردہ موت مشارٌ الیہ فی الآتیہ مستور ہو جائے اوروں کی حیات بالکل زائل ہو جائے۔

بالجملہ موت اور حیات بوجہ اختلاف جہات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر مجتمع ہو جائیں کون سا محال لازم آئے گا۔ حیات۔ ذاتی اور اصلی ہوگی اور موت عرضی۔

اس صورت میں حدیث " لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا " جو حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہے جیسے آیت " يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ " کی مخالف نہ تھی ایسے آیت "اِنَّکَ مَيِّتٌ "اور" كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کی بھی مخالف نہ ہوگی۔

آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ سے وراثت علمی اور خلافت مراد ہے

رہا تعارض حدیث مذکور اور آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور آیت:

"فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِيًّا(۵) يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ"
(سورۃ مریم، آیت ۵، ۶)

ترجمہ: "سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اُٹھانے والا جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی"۔

یہ تعارض ظاہراً شیعوں کو بوجہ قلت مزاولت کلام اللہ تعارض حقیقی معلوم ہوتا ہے اگر کلام اللہ کی تلاوت کبھی نصیب ہوتی اور ان کے ایسے کہاں نصیب تو یہ دھوکہ نہ پڑتا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں بھی مثل آیت:

"فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ" (الاعراف، آیت ۱۶۹) اور آیت " ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا"(سورۃ فاطر، آیت ۳۲)

ترجمہ: "پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے"۔ (پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے)۔

وراثت علمی مراد ہے یا وراثت خلافت وولی عہدی۔ وراثت مالی مراد نہیں چنانچہ آیت "وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ" سے پہلے متصل ہی یہ ارشاد:

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا. وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ "(سورۃ النمل، آیت ۱۵)

ترجمہ: "اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر"۔

اور بعد جملہ "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ" متصل ہی یہ ارشاد

" وَقَالَ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ "(سورۃ النمل، آیت ۱۶)

ترجمہ: "اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اُڑتے جانوروں کی"۔

اس ارادہ کے لئے قرینہ بھی ہے ورنہ وراثت مالی مراد ہو تو پھر وہی قصہ ہو جائے جیسے گنوار کہا کرتے ہیں "بیاہ میں بیچ کا لیکھا" ﴿مشہور کہاوت ہے یعنی ایک کام میں دوسرا بے محل کام کرنا۔۱۲۔ محمد اشرف﴾ سو اگر کسی گنوار کی کلام ہوتی تو احتمال بھی تھا خدا کے کلام میں ایسی بے ربطی انہیں کے نزدیک متصور ہے جن کے نزدیک خدائے تعالیٰ کو کلام گفتگو کا سلیقہ نہ ہو اور کلام اللہ معجز نہ ہو۔

بایں ہمہ حدیث کلینی جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس بات پر شاہد ہے کہ آیت "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ" میں وراثت علمی مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں وہ حدیث یہ ہے "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَوَرِثْنَا نَحْنُ سُلَیْمَانَ" (حدیث کلینی کی یہ روایت بالمعنی ہے اصل عبارت یہ ہے۔ اِنَّ دَاوٗدَ وَرِثَ عِلْمَ الْاَنْبِیَآءِ وَ اِنَّ سُلَیْمَانَ وَرِثَ دَاوٗدَ وَ اِنَّ مُحَمَّدًا صلی اللّٰہ علیہ وسلم وَرِثَ سُلَیْمَانَ وَاِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا صلی اللّٰہ علیہ وسلم. بے شک حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے علم کے وارث بنے اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سلیمان علیہ السلام کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بنے۔ (اُصول کافی ص ۲۲۵، ج ۱۔ طبع تہران۔۱۲۔ محمد اشرف) حاصل کلام یہ ہے۔ کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے تھے اور ہم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ وراثت مالی کے لئے ان رشتوں اور قرابتوں میں سے کسی رشتہ دار اور قرابت کا ہونا ضرور ہے جن پر وراثت موقوف ہے۔ سو حضرات شیعہ ہی فرمائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند تھے

ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون تھے جو ان کے مال کے وارث ہوئے اور پھر وارث بھی ہوئے تو کیا فدک وغیرہ متروکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ترکہ میں سے آپ کو ملا تھا۔

آیت "یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْب" سے بھی وراثت علمی مراد ہے

اب آیت "فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْب" (سورۂ مریم، آیت ۵، ۶) کا حال بھی سنئے۔ اس آیت میں میراث مالی مراد ہو تو یہ معنی ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال حضرت زکریا علیہ السلام کے زمانے تک غیر مقسوم رکھا ہوا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کا انتظار تھا سو اس عرصہ دراز تک جو کچھ اُوپر دو ہزار برس ہوتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال ویسے رکھا رہا ہو کسی عاقل کے فہم میں تو نہیں آسکتا۔ ہاں کہیں سے جنون مالیخولیا بھی مل جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ بایں ہمہ اس صورت میں فقط جملہ "یَرِثُنِیْ" کافی تھا۔ جملہ ثانیہ "وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْب" کی کیا ضرورت تھی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وراثت بے وساطت حضرت زکریا علیہ السلام متصور نہیں اور اگر کسی اور کے واسطے سے متصور بھی ہے تو ان کا نام لینا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر پھر بھی بے محل ہے یہ تو اس صورت میں ہے کہ لفظ آل آیہ مشار الیہا میں حسب محاورہ عرب زائد ہو اور اگر لفظ آل زائد نہیں تو یوں کہو کہ تمام بنی اسرائیل سے جو اس وقت تک لاکھوں ہوں گے حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کو وہ قرابت تھی جس کے وسیلہ سے ان سب کے وارث ہو سکتے تھے اور پھر ان سب کا انتقال بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کے رُوبرو ہونا چاہئے جو "یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْب" صحیح ہو۔

علاوہ بریں وہ خوف جو جملہ "خِفْتُ الْمَوَالِیَ" سے ثابت ہوا اگر بایں نظر تھا کہ آپ کے کنبے کے لوگ آپ کو مُسرف نظر آتے تھے ان سے بے جا خرچ کرنے کا کھٹکا تھا تو اس دعائے نیک وارث کی حاجت نہ تھی اپنے آپ خدا کی راہ میں خرچ کر جاتے اور اگر چھوڑ ہی جاتے تو کیا تھا بعد موت تکلیف شرع باقی ہی نہیں رہتی جو کچھ خوف حساب آخرت ہو۔ دوسرے، دوسروں کا کیا انہیں پر پڑتا جو کرتا وہی بھرتا "وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ

اُخری (الانعام،آیت ۱۶۴)'' کلام اللہ میں موجود ہے دُعائے مذکور میں یہ اعتماد کہ:

"رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ○ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ" (سورۃ مریم، آیات ۴، ۵)

ترجمہ: ''اے میرے رب بوڑھی ہوگئی ہیں میری ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں ڈرتا ہوں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے''۔

کاہے کے لئے کیا گیا۔ ہاں اگر وراثتِ علمی مراد ہو تو دونوں آیتوں کا سیاق سباق بھی درست ہو جائے اور کوئی خرابی بھی پیش نہ آئے۔

حاصل اس صورت میں یہ ہوگا کہ جو منصب انصاف وارشاد پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل تھا ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا اور جو منصب ہدایت زکریا علیہ السلام رکھتے تھے بعد اس منصب کے کسی ولی عہد پسندیدہ کے خواستگار ہیں۔ چنانچہ لفظ ولی کو یَرِثُنِی کے ساتھ ذکر کرنا عاقلوں کے نزدیک اس جانب مشیر ہے کہ ولی عہد چاہتے ہیں۔ مثل اہل دنیا فقط فرزند ہی کے آرزومند نہیں۔ کیسا ہی ہو بلکہ بیٹا ہو یا کوئی اور جو ہو ولی عہد ہو پر ایسا نہ ہو کہ اُمت کے لوگوں کو خراب کردے۔ ایسے ولی عہد تو ان کے اقرباء میں بھی بہت تھے چنانچہ جملہ "اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ" سے ظاہر ہے بلکہ ولی عہد بھی ہو تو پسندیدہ خدا ہو اس لئے جملہ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا بڑھایا۔ اور جب یہ بات ٹھہری تو اب حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ ولی عہد اور خلیفہ کی وراثت کون سی قسم ہوتی ہے۔ وراثت مالی ہوتی ہے۔ یا مثل خلفاء، انبیاء علماء وفقراء فقط وراثت ارشاد وتلقین وانصاف وحفظ جان ومال رعایا۔ مگر ہاں شیعوں کے نزدیک شاید ولی عہد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے نواب واُمراء لکھنو وایران۔ یعنی جس کسی کا مال ہاتھ آیا بے دریغ لیا، خواہشات نفسانی میں صرف کیا۔

بہر حال لفظ ولی اور لفظ مولیٰ خود شاہد ہیں کہ وراثت مالی نہیں وراثت علمی اور وراثت ارشاد مراد ہے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد ذکر بشہادت تولد یوں فرمایا:

"یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا" (سورۃ مریم آیت ۱۲)

''اے یحییٰ اُٹھالے کتاب زور سے اور دیا ہم نے ان کو حکم کرنا لڑکا پن میں''۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے قرب زمانہ وفات کی طرف دُعا" قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا (سورۃ مریم، آیت ۴)''میں اشارہ کر چکے تھے اور غرض یہ تھی کہ ولی عہد مذکور کی جلدی ہی ضرورت ہے تا کہ اس منصب کو سنبھالے سو خداوند کریم نے ان کی خاطر لڑکپن ہی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کمال علمی اور عملی عنایت فرما کر اُمتیانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تا کہ معلوم ہو جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد " یَرِثُنِی " سے کیا تھی۔ الغرض خدا وند کریم تو حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ مطلب سمجھے جو اس خاکسار نے عرض کیا۔

حضرات شیعہ اگر کچھ اور سمجھیں تو سمجھا کریں مگر ہاں حضرات شیعہ کا بھی قصور ہیں خدا کو جب بدا واقع ہو تو اگر کسی بندہ کی مراد بھی نہ سمجھے تو کیا بے جا ہے۔ علاوہ بریں وراثت ایک معنی اضافی ہے جس کے لئے دو حاشیوں یعنی مضاف اور مضاف الیہ کی ضرورت ہے سو ایک طرف تو یہی وارث ہے دوسری طرف کبھی مورث کو رکھتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا وارث ہے اور کبھی مال مُورَث کو مثلاً رکھتے ہیں۔ اور یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ مال مثلاً اس کو اس سے میراث میں ملا۔

قرآن مجید میں وراثت کا استعمال قائم مقام میں بہ کثرت آیا ہے

بہرحال معنی میراث اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص فلاں مال میں فلاں شخص کا قائم مقام ہوا اور اس پر متسلط ہوا۔ چنانچہ خداوند کریم جابجا مادۂ میراث کو اپنے کلام پاک میں انہیں معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

" اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا'' (سورۃ مریم، آیت ۴۰)

ترجمہ: ''ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر)

''وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ'' (سورۃ القصص، آیت ۵۸)

ترجمہ: ''اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے''۔

''ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا'' (سورۂ فاطر، آیت ۳۲)

ترجمہ: ''پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چُن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے''۔

"فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ" (سورۃ الاعراف، آیت ۱۶۹)

ترجمہ: ''پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جووارث بنے کتاب کے''۔

"وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا" (سورۃ الزخرف، آیت ۷۲)

ترجمہ: ''اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے''۔

وغیرھا آیات کو دیکھ لیجئے۔ حسب مراد شیعہ میراث مالی تو بطور معلوم تو ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ ظاہر ہے خاص کر دو اوّل کے جملوں میں خداوند پاک کو نہ کسی سے قرابت نسبی حاصل ہے نہ میراث مالی بطور معلوم بن پڑے ہاں معنی قائم مقام اور متسلط ہونے کے لیجئے تو البتہ تمام آیات میں برابر چل پڑے۔

کتب شیعہ میں مادّہ وراثت کا میراث علمی میں استعمال

بلکہ شیعوں کو یاد نہیں ان کی احادیث میں بھی یہی مادّہ وراثت میراث علمی میں مستعمل ہے کلینی کی ایک حدیث میں جس کو پورا پورا اِن شاء اللہ تعالیٰ آگے نقل کروں گا یہ لفظ بھی ہیں:

"اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَماً وَّلَا دِيْنَارًا وَ اِنَّمَا اُوْرِثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ الخ" (اُصول کافی ص ۳۳، ج ۱، طبع تہران)

ترجمہ: ''بے شک انبیاء کرام کسی کو درہم کا وارث نہیں بناتے اور نہ دینار کا وہ تو صرف احادیث (وعلم) کا وارث بنا کر جاتے ہیں''۔

کو دیکھئے میراث مالی پر دلالت کرتا ہے یا میراث علمی پر بھی اس لطف سے دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کی نسبت میراث مالی کی سراسر نفی کر دی جس کے بعد انصاف سے دیکھئے تو شیعوں کو مجال دم زدن باقی ہے۔ اور رسنیوں کو اور کسی جواب کی ضرورت۔ مگر اس پر بھی شیعہ نہ مانیں تو پھر ان کو موافق مثل مشہور ''گوہ کی دارو موت'' خوارج ہی کے حوالہ۔

وراثت علمی اور وراثت مالی میں کوئی تلازم نہیں کہ ایک دوسرے پر ضرور دلالت کریں

بالجملہ میراث ایک معنی اضافی ہے اور حاصل اس کا قائم مقام اور متسلط ہو جاتا ہے۔ سو اوّل تو قائم مقام ہونا الخ ایسا مضمون ہے کہ اَموال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں جو لفظ وَرِثَ اور یَرِثُ کو دیکھ کر دھوکہ کھایئے۔ دوسرے اضافت اور نسبت اور ہے اور اطراف اضافت و نسبت اور۔ جو ایک کے لئے لفظ موضوع ہو وہ دوسرے پر دلالت نہ کرے گا اور بطور التزام اگر دلالت کرے گا۔ بقدر لزوم والتزام دلالت کرے گا جیسا مضمون غسل مفہوم آب پر بالالتزام دلالت کرتا ہے مگر ظاہر ہے کہ دلالت التزامی وہیں متصور ہے۔ جہاں لزوم ہو جیسے غسل کیلئے آب لازم ہے اور جہاں نہ ہو جیسے قائم مقام ہونے کیلئے مال لازم نہیں وہاں دلالت مطابقی تو کیا دلالت التزامی بھی متصور نہیں بالجملہ اضافت مطلقہ، مطلق مضاف یا مضاف الیہ قابل انتساب و اضافت کی خواستگار ہے خصوصیت مال کہاں سے نکال لی۔ ہاں یوں کہئے کہ بوجہ کثرت وقوع میراث مالی لفظ میراث کا استعمال میراث مالی میں بکثرت ہوتا ہے اس لئے عوام اسی کو میراث سمجھنے لگے۔ مگر علماء شیعہ کو دیکھئے کہ یہ بھی عوام ہی کے مقلد ہو گئے۔ اس تقریر کو سُن کر اہل فہم کو یہ یقین ہو گیا ہو گا کہ میراث وراثت مالی اور وراثت علمی وغیرہ سے عام ہے اس لئے مدعیان میراث مالی کا کام نہیں چل سکتا نہ آیت "وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ" ان کو مفید ہے نہ آیت "فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاO يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ" (سورۃ مریم، آیت ۵،۶) ان کی مؤید اور نہ حدیث بخاری جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت ثانیہ میں طالب میراث ہونا موجود ہے۔ ان (شیعہ) کے کارآمد ہے۔ اس لئے کہ اس وقت اگرچہ حدیث لَا نُوْرَثُ کے بھول جانے کا احتمال بہت مستبعد ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا جھگڑا طشت اَز بام ہو چکا تھا مگر بقرینہ سیاق و سباق بعد ثبوت عموم مذکور میراث تولیت تھی جس

کا ثبوت بہ نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے ان شاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔
جب اس بحث سے بحمد اللہ فراغت پائی تو خلاصہ تقریر گذشتہ کی طرف اشارہ کر کے آگے چلتا ہوں۔

حاصل بحث۔ آیت **يُوْصِيْكُمُ اللّٰه** میں وراثت کا مدار موت ہے اور حدیث **لَا نُوْرَثُ** میں حیات کا اثبات ہے اور اس کی عقلی مثال

مخدوم من! یہ بات تو روشن ہو گئی کہ حدیث "**لَا نُوْرَثُ**" نہ آیت "**يُوْصِيْكُمُ اللّٰه**" کی ناسخ نہ آیت "**وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ**" اور آیت **يَرِثُنِيْ** کے معارض۔ ناسخ نہ ہونے کی تو وجہ یہ ہے کہ آیت "**يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ**" بقرینہ آیت سابقہ:
"**اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا**" (سورۃ نساء، آیت ۱۰)
ترجمہ: "جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں۔"
اور نیز باجماع جملہ فرقہا اہل اسلام اس تقسیم پر دلالت کرتی ہے جو بعد انقطاع علاقہ فیما بین رُوح و جسم ہونی چاہئے اور حدیث **لَا نُوْرَثُ** عدم انقطاع علاقہ پر دلالت کرتی ہے۔ اس صورت میں یہ قصہ ایسا ہو گیا، جیسا کوئی طبیب حاذق کسی مریض سکتہ کو یوں کہے کہ یہ شخص مرا نہیں اس کو مردہ سمجھ کر اس کے مال کو میراث میں تقسیم مت کرو۔ سو جیسا قول طبیب مذکور ناسخ آیت **يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ** اور رافع حکم مذکور نہیں ایسے ہی قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ناسخ حکم مذکور نہیں۔ بلکہ مثل قول طبیب مذکور عدم تحقق شرط میراث مالی یعنی عدم انقطاع علاقہ حیات کی خبر دیتا ہے۔ اور آیت **وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ** اور آیت "**يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ**" سے معارض نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تو بوجوہ مذکورہ میراث علم و اِرشاد و خلافت مراد ہے۔ اور حدیث **لَا نُوْرَثُ** میں بقرینہ جملہ **مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ** میراث مالی مراد ہے اگر دونوں جا ایک ہی قسم کی میراث مراد ہوتی تو بے شک تعارض ہوتا۔
جب خلاصہ تقریر جواب معلوم ہو گیا۔ تو آگے سنئے اہل سنت و جماعت کو بہ

مقابلہ طعن فدک جو حضرات شیعہ کرتے ہیں۔ صحیح حدیث "لَا نُوْرَثُ" کے لئے ایک احتمال ممکن بہ نسبت بقائے حیات کافی ہے بلکہ حدیث "لَا نُوْرَثُ" ہوتی یا نہ ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے فدک نہ دینے کیلئے احتمال بقائے حیات بطور معروض مدافعتِ طعن شیعہ کیلئے بہت تھا اثبات حیات کی ضرورت نہ تھی۔

کیونکہ وجہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتی ہے مدعا علیہ کو بعد امکان احتمال مخالف دعویٰ مدعی فقط لَا نُسَلِّمُ کافی ہوتا سو دعویٰ میراث میں شیعہ مدعی ہیں اور سُنی مُدعا علیہ۔ دلیل لائیں تو شیعہ لائیں۔ سُنیوں سے بقائے حیات کی دلیل طلب نہ فرمائیں مگر بایں ہمہ خاطر حضرات شیعہ عزیز ہے ان کی تسکین کے لئے کسی قدر اثبات حیات سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ افضل الصلوات والتسلیمات بھی سہی اس لئے معروض ہے۔

مسئلہ حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

کہ صورت اجتماع موت وحیات کی سمجھا دینے کے بعد ہم اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ علاقہ فیما بین رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وجسم مبارک عروض موت سے منقطع نہیں ہوا۔ دلیل بکار ہے تو اِنّی لیجئے دوسری لمّی۔

دلیل اِنّی

اوّل کی تقریر تو یہ ہے کہ سورۂ نساء کی آیت ۲۲ میں " وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ " فرما کر "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ الخ" (النساء، آیت ۲۳) فرمایا اور تمام محرمات کو بیان فرما کر اِرشاد فرمایا "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ " سے گرفتارانِ ہواو ہوس کی تسکین فرمائی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے محرمات مندرجہ آیات سابقہ اور سب تمہارے لئے حلال ہیں اس کے بعد سورۃ احزاب میں یہ ارشاد ہوا:

"مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا." (قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت میں " اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ

عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اَزواج مطہرات سے نکاح کرنے کو بہت بڑا گناہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور اسی وجہ سے آپ کی وراثت نہیں اور نہ ہی آپ کی اَزواج سے نکاح درست ہے۔

(تفسیر مظہری ص ۴۰۸، ج ۸۔ ۱۲۔ محمد اشرف) (سورۃ احزاب، آیت ۵۳)

ترجمہ: "اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی)

اور ظاہر ہے کہ یہ حکم حرمت بھی مثل حکم حلت مشارٌ الیہ تمام اُمت کی نسبت ہے۔ کسی ایک دو کی تخصیص نہیں۔ اور ظاہر ہے اور فریقین کے نزدیک مسلم، کہ نسخ و تخصیص کا اسی وقت قائل ہونا چاہئے کہ تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو یہاں اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی اور علاقہ مذکور عروض موت سے زائل نہیں ہوا اور اس وجہ سے اَزواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نکاح منقطع نہیں ہوا تو ہرگز کوئی صورت تعارض کی نہ رہے گی جو نسخ یا تخصیص کے قائل ہونے کی ضرورت پڑے بلکہ اَزواج مطہرات رضی اللہ عنہنّ اس صورت میں منجملہ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ ہو جائیں گی۔

سوا حیات کے موجبات تحریم میں سے کوئی وجہ ایسی نہیں کہ تمام اُمت کے حق میں عام ہو

ہاں اگر کوئی وجہ تحریم موجبات تحریم میں سے ایسی عام ہو سکتی کہ تمام اُمت کے حق میں موجب حُرمت ہو جاتی تو البتہ ممکن تھا کہ باوجود انقطاع علاقہ فیما بین رُوح پر فتوح و جسم منور حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم اور باوجود زوال حیات جسمانی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام اُمت کے حق میں حرام ہو جاتیں مگر موجبات حرمت مندرجہ آیات مشارٌ الیہ میں کوئی ایسی وجہ نہیں جو اس کے بھروسہ کسی عورت کو تمام جہاں کے حق میں حرام کہہ سکیں کیونکہ نہ کوئی عورت سارے جہاں کے باپوں کی منکوحہ ہو سکے نہ سارے جہان کی والدہ نہ سارے جہاں کی دُختر علیٰ

ہذا القیاس۔ البتہ کسی کی منکوحہ تا بقائے نکاح سارے جہاں کے حق میں حرام ہوتی ہے۔ یا متوفّی عنہا زوجہا تا بقائے عدت۔ اور ظاہر ہے کہ محصنات کی یہی دو قسمیں ہیں مگر بحکم:

''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا'' (سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۴)

ترجمہ: ''اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں، اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن''۔

سارے جہان کے اموات کی ازواج کی عدت کل دس دن چار مہینے ہیں اور حاملہ ہو تو بحکم ''وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ'' (سورۃ الطلاق، آیت ۴)۔ عدت مذکورہ تا وضع حمل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حمل کی مدت نو مہینے ہیں زیادہ ہو تو دو برس اور اس سے زیادہ ہو سکے تو چار پانچ برس کہہ لو قیامت کا حساب کتاب تو ہوتا ہی نہیں۔

بایں ہمہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں دم وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق مورخین فریقین کوئی اُم المؤمنین حاملہ تھی بھی نہیں۔ اس صورت میں پھر وہی گذارش ہے کہ نسخ و تخصیص تو جب ہی جائز ہے کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں بوجہ امکان اجماع موت وحیات انطباق ممکن۔ یعنی جب یوں کہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی بدستور عالم دنیا (روضہ مبارک) میں زندہ ہیں آپ کا علاقہ حیات روحانی جو جسم اطہر سے منقطع ہوا ہی نہیں جو عدت مذکورہ کی نوبت آئے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ کے بعد مِنْكُمْ بھی بڑھایا۔ علیٰ ہذا القیاس اِنَّكَ مَيِّتٌ جدا فرمایا اور اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ جدا فرمایا اور دونوں کو مثل جملہ لاحقہ '' ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (سورۃ الزمر، آیت ۳۱)'' (ترجمہ: پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے) ایک خطاب میں اکٹھا نہ کر دیا تا کہ وقائع شناساں معانی سنج کو اس جانب تنبیہ رہے کہ موت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قسم کی ہے اور موت اُمت اور قسم کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی موت میں استتار حیات زیر پردہ موت یا زیر پردہ موجب موت ہوتا ہے اور اُمت کی موت کے وقت زوال حیات کل یا بعض ہو جاتا ہے۔ مثال درکار ہے تو وہی کسوف وخسوف (کی) ہے یا چراغ کا کسی ہنڈیا میں بوسیلہ سرپوش بند ہو کر مکان میں اندھیرا ہو جانا یا گل ہو کر چاندنی کا زائل ہو جانا ہے سو جیسے کسوف میں استتار نور اور خسوف میں زوال نور ہوتا ہے اور نور چراغ پہلی صورت میں مستور اور دوسری صورت میں زائل ہو جاتا ہے اور اندھیرا ہو جانے کیلئے خسوف وکسوف اور چراغ کا بند ہو جانا اور گل ہو جانا دونوں برابر ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب استتار حیات ہوا اور اُمت کی جانب زوال حیات اس لئے اخبار وقوع موت کے وقت "اِنَّکَ مَیِّتٌ" جدا کہا اور "اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ" جدا کہا۔

اور بیان احکام متفرعہ علی الموت کے ہر ایک وقت کا حکم جدا بتلا دیا یعنی نکاح متوفی عنہا زوجہا میں تو یوں تفریق فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح نہ کرنے پائے۔ چنانچہ ارشاد " وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا." سے ظاہر ہے اور ازواج اُمت کے حق میں یہ ارشاد کر دیا: "وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الخ"۔

آیت توفی میں مِنْکُمْ کا خطاب اُمت کو ہے اور عدت موجب حُرمت ہے اور ازواج مطہرات میں اُمہات ہونا موجب حُرمت ہے

چونکہ ان لا تنکحوا کی مخاطب اُمت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ یہاں بھی منکم کے مخاطب وہی ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خارج ہوں گے ورنہ اضافہ مِنْکُمْ لغو بیکار تھا اتنا کام تو فقط وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ سے بھی چل سکتا تھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آیت "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ" میں " مِنْ اَزْوَاجِکُمْ" نہ بڑھایا کیونکہ اس حکم میں مطلقات اور متوفی عنہن ازواجھن دونوں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی متصور ہے۔

بایں ہمہ مطلقات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدخولہ بہا جو اُمت پر حرام رہیں تو بوجہ بقاء

عدت حرام نہیں بلکہ وجہ اس کی جملہ "و ازواجه اُمّهاتُهُمْ" سے ماخوذ ہے۔ یعنی اَزواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا اُمہات المؤمنین ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوالمؤمنین ہونے کو مقتضی ہے اور اس وجہ سے منجملہ "مَا نَكَحَ آبَاءُ كُمْ" ہیں اور بحکم لَاتَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَاءُ كُمْ سب پر حرام ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت بہ نسبت مؤمنین خود اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ بدستور زندہ ہیں۔ چنانچہ ان شاء اللہ یہ بات عنقریب روشن ہونے والی ہے۔ مگر اس صورت میں یہ قصہ ایسا ہوگا کہ کوئی متوفی عنہا زوجہا بعد انقضاء عدت بوجہ نسبت یا رضاع وغیرہ اسباب کے کسی پر حرام رہے سو جیسے وہ حُرمت بوجہ عدت نہیں اور اس وجہ سے منجملہ وَالْمُحْصَنَاتُ نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھئے۔ غرض عدت مطلقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاملہ ہوتی وہی وضع حمل تھی آپ کی اَزواج کی کوئی جدا عدت نہ تھی۔ اس لئے "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ" کے بعد "مِنْ اَزْوَاجِكُنَّ" نہ فرمایا۔ اور عدت وفات چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں متصور ہی نہ تھی تو وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ کے بعد مِنكُمْ بھی بڑھایا۔

عدت کی اصل وجہ نِسَآءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ کی آیت سے ماخوذ ہے

رہی متصور نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وفات وموت اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت دونوں کو عارض ہوتی ہے مگر عدت کی علت فقط موت اور وفات ہی نہیں بلکہ علت عدت وہ اَمر ہے جو "نِسَآءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" سے ماخوذ ہے جس کے باعث منکوحات غیر کا نکاح ناجائز۔

ایک وقت میں ایک عورت کیلئے متعدد خاوندوں کے نہ ہونے کی وجہ

رہا مردوں کی طرح عورتوں کو ایک وقت میں متعدد نکاحوں کی اجازت نہ ملی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بارشاد "نِسَآءُ كُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ" اس جانب اشارہ فرمایا کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے فقط شہوت رانی اور لذت جماع مقصود نہیں بلکہ شہوت اس پیداوار کے حق میں ایسی ہے جیسے کھیتی کا سامان غلہ کے لئے یا کھانے کی خواہش بدن ما یتحلل کے لئے موافق شعر مشہور۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

جیسے اصل بدن ما یتحلل ہے اور بھوک اور کھانے کا مزہ اس کے حصول کا سامان، یا کھیتی میں اصل مقصود پیداوار ہوتی ہے اور کھیتی کا سامان اس کے حصول کی تدبیر۔ ایسے ہی اصل مقصود عورتوں سے اولاد ہے اور شہوت اور لذت جماع اس کے حصول کی تدبیر اور اگر لذت جماع اور شہوت رانی ہی مقصود ہوتی تو زنا بھی تراضی طرفین ہرگز ممنوع نہ ہوتا۔ بالجملہ نکاح سے مقصود اصلی اولاد ہے کیونکہ عورتیں اگر کھیت ہیں تو اسی پیداوار کی کھیت۔ اس صورت میں اگر عورتوں کو زمانہ واحد میں متعدد نکاحوں کی اجازت ہو تو اس کے سارے خاوند اولاد میں اسی طرح شریک ہوں گے جیسے ایک زمین کی پیداوار میں تمام زراعت کے تمام شریک مگر غلہ کی تقسیم میں تو کوئی دقت نہ تھی اس کی اجازت رہی۔ اولاد کی تقسیم کی کوئی صورت نہیں اگر ایک ہی بچہ ہوا تب تو ظاہر کہ کاٹ سکیں نہ چھانٹ سکیں نہ وقت واحد میں ایک بچہ دونوں کے پاس رہ سکے۔ اور اگر نوبت بہ نوبت ہر ایک کے پاس رہا کرے تو یہ بھی بن نہیں پڑتا اس لئے کہ غلام و زوج وغیرہ اشیاء جن میں نوبت جاری ہوتی ہے بذاتِ خود مقصود نہیں ہوتے غلام سے خدمت اور خاوند سے قضاء حاجت یا اولاد مقصود ہوتی ہے اس لئے ان سے دِلی محبت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام کی بیع و شراء اور خاوند سے خلع جائز رہا۔ اگر بذات خود مقصود ہوتے تو جدائی کسی کو گوارا نہ ہوتی اور خدا کی طرف سے جدائی کی اجازت نہ ملتی۔ اور اولاد خود بذات خود مقصود ہوتی ہے ان کی محبت بے واسطہ ہے اس لئے حقوق والدین اور اپنے نسب کا انکار ممنوع بلکہ کبیرہ گناہ ٹھہرا اور بِرّ والدین منجملہ حسنات اور باقیات صالحات۔ اور جب اولاد مقصود بالذات ٹھہری چنانچہ جملہ "نِسَآءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ" ہی خود اس جانب مشیر ہے تو اب تقسیم بطور نوبت میں حصول مقصود بوجہ اتم معلوم۔ ایک اگر کامیاب ہوگا تو دوسرا ابتلاء درد فراق رہے گا اور اگر اولاد کثیر ہوئی اور اَزواج پر صحیح تقسیم بھی ہو سکی تب بھی یہ نہیں کہ مثل غلہ آدھا مثلاً یہ لے جائے آدھا وہ۔ کیونکہ غلہ سے قضاء حاجت مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں اور اس اَمر میں یہ ڈھیر ہو یا وہ سب برابر ہیں اور اولاد سب کی سب بذاتِ خود مقصود سب سے برابر

محبت ہے درصورت تقسیم اگر ایک کے وصال سے مسرور ہوگا تو دوسرے کا فراق ستائے گا۔اس لئے درصورت جواز تعدد نکاح تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہ تھی۔

متعدد خاوندوں کی صورت میں خرابیاں

اور یہ بات کہ جب تک حمل رہ کر بچہ پیدا ہو۔ایک ہی شخص متصرف رہے دووجہ سے ممکن نہ تھا۔

ایک تو یہ کہ استحقاق دونوں کا برابر، باوجودِ ملک بضعہ ایک کو اجازت ہو دوسرے کو نہ ہو خلاف انصاف ہے۔ہاں انتفاع بقدر معتد بہ اعنی جماع وقت واحد میں دونوں سے متصور نہیں۔سو اگر تہائی اور تناوب ہو اعنی نوبت بہ نوبت منتفع ہونے کی اجازت ہوتی تو بضرورت عدم امکان اجتماع فی الجماع مثل نوبت زنان شب دوشب کی نوبت مقرر ہوتی۔

اتنا زمان طویل جو ایک کے حق میں عیش طویل دوسرے کے حق میں حسرت دراز ہو ہرگز قابل تقرر نوبت نہ تھا۔

دوسرے حمل کے رہنے کے لئے کوئی زمانہ ایسا مقرر نہیں کہ خواہی نخواہی اس موسم میں یا اس قدر مدت میں علوق نطفہ ہو ہی جایا کرے پھر وضع حمل کے لئے کوئی مدت ایسی معین نہیں جو اس سے کم وبیش متصور نہ ہو اس لئے نوبت کی تساوی اور عدل فی النوبت کی کوئی صورت نہ نکلی جو مثل غلام وزوج کہ نوبت بہ نوبت سب آقاؤں اور تمام بی بیوں کے پاس رہ سکتا ہے۔ایک عورت سب خاوندوں کے پاس برابر رہ سکتی اور کوئی فساد اس وجہ سے پیش نہ آتا اگر تھی تو یہی ایک صورت تھی کہ نوبت بہ نوبت طہر واحد میں متعدد خاوند زن واحد سے منتفع ہوا کرتے۔مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں درصورت تولد اولاد یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ کس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور اگر کسی قرینہ سے معلوم بھی ہو جائے تو اتنی بات معلوم ہوگی کہ اوّل کس کا نطفہ رحم زن میں ٹھہرا۔یہ بات کیونکر معلوم ہو کہ دوسروں کا نطفہ بعد میں شامل نہیں ہوا۔بایں ہمہ دوسروں کا منہ اتنی بات سے بند نہیں کر سکتے۔ہر خاوند کو اس وقت میں دعویٰ کی گنجائش ہوگی اور ایک نزاع عظیم برپا ہوگا۔بالجملہ وجہ عدم جواز تعدد نکاح عورت کے وقت واحد میں یہ ہے۔

عدت وفات چار ماہ اور دس دِن مقرر کرنے کی حکمت

مگر یہ بات بعد وفات زوج جب تک باقی ہے کہ بالیقین حاملہ ہوتو وضع حمل ہو جائے اور شبہ حمل ہوتو وہ شبہ مٹ جائے مگر شبہ حمل کے مٹ جانے کی عمدہ صورت اگر ہے تو یہ ہے کہ کچھ اُوپر تین چلوں تک انتظار کیا جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ بشہادت احادیث صحیحہ ایک چلہ تک نطفہ اپنی ہیئت اصلی پر رہتا ہے یعنی نطفہ رہتا ہے گو کسی قدر کیفیت اصلی بدل جاتی ہو اور ایک چلہ تک علقہ (خون بستہ) رہتا ہے اور ایک چلہ تک مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) رہتا ہے بعد تینوں چلے پورے ہوجانے کے نفخ رُوح کی نوبت آتی ہے۔ سو بجرد نفخ رُوح اتنی طاقت کہاں کہ حرکات ظاہر ہوں البتہ دس روز میں اتنی طاقت متصور ہے اور پھر جوں جوں دِن زیادہ ہوتے جائیں گے طاقت بڑھتی جائے گی۔ چنانچہ نفخ رُوح سے جوانی تک روز بروز زور افزوں رہتا ہے۔ بالجملہ شروع حرکات بعد نفخ روح کسی قدر دیر کے بعد متصور ہے سو خداوند علیم کو معلوم ہو گا کہ دس دن میں یہ بات ہوتی ہے اب دیکھئے کہ چار مہینوں کے تو وہی تین چلے ہوئے دس دن اور اُوپر بڑھا کر عدت مقرر کی تا کہ بوسیلہ مشاہدہ حرکات جو رحم میں بچہ کرتا ہے کسی کو یہ احتمال باقی نہ رہے کہ حمل نہیں مرضِ رجاء ہے (رجاء حمل کاذب کو کہتے ہیں ۔۱۲۔ سواتی) اور ظاہر ہے کہ سوا اس کے اور کسی طرح یہ یقین نہیں ہوسکتا کہ حمل نہیں۔ خون آنے کی علامت عدم حمل رکھئے تو خون ایام حمل میں بھی آجاتا ہے حیض کہو یا استحاضہ یا نفاس سو بعد مرور ایام عدت اعنی چار ماہ دس دن کے بعد اگر حمل نہ نکلا تو اختیار ہے ورنہ موافق اشارہ ''وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ'' (سورۃ الطلاق، آیت ۴) دربارہ نکاح وضع کا اور انتظار کرنا پڑے گا۔

عدت وفات ظہور حمل کے لئے ہے اور بصورت حمل وضع حمل تک ہے لہٰذا سورۃ بقرہ اور سورۃ طلاق کے حکم میں تعارض نہیں

اس صورت میں آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ اور آیت '' وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ'' میں کچھ

تعارض نہ رہے گا کیونکہ یَتَرَبَّصْنَ کا مفعول اس صورت میں ظہورالحمل مثلاً ہوگا اور ادھر کوئی ایسا مضمون نہیں جس سے اجازت نکاح بجرد مرورایام عدت معلوم ہو باقی جملہ لاحقہ۔

" فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْف" (سورۃ بقرہ، آیت ۲۳۴)

ترجمہ: "پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق"۔

سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ اس لئے کہ لفظ بِالْمَعْرُوْفِ میں موجود ہے پھر باوجود آیت " وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" حاملہ متوفی عنہا زوجہا کے حق میں بجرد مرور دس دن چار ماہ کے نکاح کو کون معروف کہہ دے گا۔ علاوہ بریں مطلقات کی عدت میں اوّل تو یہ ارشاد فرمایا۔

" وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (بعدازاں ارشاد کیا۔) وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" (سورۃ بقرہ، آیت ۲۲۸)

ترجمہ: "اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر"۔

جب یہاں یہ ارشاد ہے حالانکہ وجہ انتظار "ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ " یہاں اُمید رضاء زوج ہے۔ اندیشہ اختلاط نطفہ نہیں تو جہاں وجہ انتظار عدت، خود اندیشہ اختلاط نطفہ ہے وہاں حاملہ سے مجامعت کیونکہ منجملہ معروفات ہوسکتی ہے۔

مطلقہ میں تین حیض تک انتظار کی وجہ خاوند کی رضا اور اس کا رجوع ہے

تفصیل اس اجمال کی سُننی ہے تو سنئے ارباب وجدان صحیح اور اصحاب طبائع سلیمہ کو معلوم ہوگا کہ اصل نکاح تراضی طرفین اور اصل طلاق تخالف طرفین ہوتا ہے۔ مگر تراضی تو

مقتضیات طبعی میں سے ہے کیونکہ زن ومرد علاوہ اتحادِ نوعی کے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ احتیاج مباشرت و جماع تو ظاہر کیا اظہر ہے۔ اس کے سوا عورت نان ونفقہ میں مرد کی محتاج۔ کمانا اصل میں مردوں ہی کا کام ہے اور مرد کھانے پکانے انتظام اُمور خانہ داری وغیرہ میں عورت کا محتاج ہے اس صورت میں شکر رنجی باہمی اکثر اَمر عارضی ہوا کرتی ہے جس کے زوال کی توقع اور اُمید بے جا نہیں بجا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت اس تراضی کو جو اَصل موجبِ نکاح تھی زائل نہیں کہہ سکتے بلکہ اگر ہوتا ہے تو گمان غالب اس کے استتار کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہوتا ہے کہ تنفر کی کوئی وجہ قوی ہو جس کے زوال کی کوئی صورت نہ ہو اس لئے کسی قدر انتظار ضرور ہوا۔ سو انتظار کے لئے عمدہ زمانہ وہ ہے جس میں مکرر موجبات رغبت کا ظہور ہو یعنی تین حیض یا تین طہر مقرر ہوئے۔ تا کہ تین طہر کی نوبت آئے اور عورت پاک صاف ہو کر نہا دھو کر پوشاک و زیور سے آراستہ ہو کر مکرر سہ کرر خاوند کو لُبھائے اس حال میں اگر اس کی ناخوشی اُوپر اُوپر کی تھی تب تو ظاہر ہے کہ خاوند اس دلربائی پر پھر دل دے بیٹھے گا اور اگر اب بھی وہی کشیدگی رہی تو معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد مرورِ عدت رجعت کا اختیار نہیں اگر ہو تو نکاح جدید ہو اور طلاق مغلظہ میں باوجود قطع اُمید رجعت، جو عدت وہی تین قروء رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام اصلیہ موانع خارجیہ سے زائل نہیں ہو جاتے اگر یہ نہ ہوتا تو دائم الحبس بھی مثل مردہ سمجھا جاتا۔ اس کا نکاح ٹوٹ جاتا اس کا مال میراث میں بٹ جاتا اور جب احکام اصلیہ عوارض خارجیہ سے زائل نہیں ہوتے تو یہاں بھی کسی طلاق کا مرتبہ اُولیٰ یا ثانیہ، ثالثہ میں واقع ہو جانا ایک حالت عرضی ہے۔ تیسرا ہونا طلاق کی ذاتیات یا اوصاف ذاتیہ میں سے نہیں۔ بہر حال مطلقات میں علّت تقرر عدت، انتظار رضاء زوج ہے۔ جب وہاں یہ حکم ہے کہ "وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَاخَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِن (سورۃ بقرہ، ۲۲۸)" تو متوفّٰی عنہا زوجہا کے لئے تو وجہ تقرر عدت معلومہ خود یہی اندیشہ اختلاط نطفہ غیر ہے یہاں کیونکر وہ حکم نہ ہوگا۔ مگر طلاق میں چونکہ وجہ عدت کچھ اور تھی تو وہاں "لَا يَحِلُّ لَهُنَّ" کی تصریح ضرور تھی اور یہاں علت تقرر عدت خود وہی اندیشہ تھا جس کی مدافعت کے لئے "لَا يَحِلُّ لَهُنَّ"

فرمایا اس لئے مصرح کہنے کی حاجت نہ ہوئی۔ الحاصل آیت "مَاکَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَلَاۤ اَنۡ تَنۡکِحُوۡۤا اَزۡوَاجَہٗ مِنۡ م بَعۡدِہٖۤ اَبَدًا" (سورۃ احزاب، آیت ۵۳) اور آیت "وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ" کو ملایئے تو بعد لحاظ کر اس اَمر کے کہ سوا محصنات وہ منکوحات ہوں یا متوفّٰی عنہا زوجہا اور عورتیں سارے جہاں پر حرام نہیں ہو سکتیں۔

حاصل کلام

اہل علم کو اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اَوّل زندہ ہیں اور آپ کا علاقہ حیات جو فیما بین رُوح پر فتوح اور جسم اطہر تھا ہنوز اسی طرح قائم ہے۔ جس طرح تھا۔ اور اگر کسی نے بوجہ اُم المؤمنین ہونے کے بلحاظ آیت " وَلَا تَنۡکِحُوۡا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمۡ" ان کو حرام کہا بھی تو ان کا اُم المؤمنین ہونا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو المؤمنین ہونے کو مستلزم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو المؤمنین ہونا ان کے زندہ ہونے کو مقتضی ہے چنانچہ دلیل لمی سے (جو بہ نسبت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موعود ہے یہ اَمر آشکارا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ دلیل یہ ہے۔

دلیل لمی سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت

خداوند کریم نے سورۂ اَحزاب میں فرمایا ہے۔

"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ" (سورۃ احزاب، آیت ٦)

ترجمہ: ''نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں''۔

﴿ دلیل لِمّی :۔ علت واقعیہ کو لفظوں میں علت بنانا۔ دلیل اِنّی واقعہ میں معلول کو لفظوں میں علت بنانا۔۱۲۔ محمد اشرف ﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مؤمنین کے لئے ان کی جانوں سے اقرب اور محبوب ہونا

اَولٰی کی تفسیر اقرب ہے اور حاصل مطلب یہ ہے کہ نبی مؤمنوں کی جانوں سے

بھی زیادہ مؤمنوں سے نزدیک ہے مگر سب جانتے ہیں کہ نبوت وولایت واولویت بمعنی اقربیت ہو یا بمعنی احبیت و اَولویت بالتصرف اصل میں اوصاف رُوحانی ہیں۔ اوصاف جسمانی نہیں۔ نبوت وولایت و اَولویت بالتصرف اور اَولویت بمعنی اقربیت کا حال تو خود ظاہر ہے ہاں احبیت میں شاید کسی کو شبہ ہو۔ سواس کے مٹانے کی یہ تدبیر ہے کہ محبوبیت جمالی تو اَلبتہ اَحوال واوصاف جسمانی میں سے ہے مگر محبوبیت فی اللہ بالیقین ہر خاص وعام کے نزدیک اوصاف واَحوال روحانی میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت جمالی تو البتہ اَحوال واوصاف جسمانی میں سے ہے مگر محبوبیت فی اللہ بالیقین ہر خاص وعام کے نزدیک اوصاف واحوال روحانی میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ محبوبیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حب فی اللہ کے سبب ہے کسی جمال و کمال جسمانی کے باعث نہیں۔

رُوح پرفتوح صلی اللہ علیہ وسلم اَرواح مؤمنین کی نسبت ذات اور منشاء انتزاع ہے اور ارواح مؤمنین اوصاف ذاتیہ اور انتزاعیات ہیں

ہاں یہ بات باقی رہی کہ یہاں اولویت کے کیا معنی ہیں سو ہمارے نزدیک اولیٰ بمعنی اقرب ہے اور یہ اقربیت اس بات کو مقتضی ہے کہ رُوح پرفتوح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم منشاء انتزاع ہو اور اَرواح مؤمنین انتزاعیات۔ رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت بمعنی مصدر وجود اَرواح مؤمنین معلول بمعنی صادر۔ بہرحال علت کہو یا منشاء انتزاع معلول کہو یا اَمر انتزاعی، مطلب ایک ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اقربیت اور اَبعدیت کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس طرف کو حرکت کی جائے تو جو اقرب ہو وہ پہلے آئے جو ابعد ہو وہ بعد میں آئے سو اَیسی اقربیت کہ اپنے سے بھی زیادہ قریب ہو وہیں متصور ہے جہاں اقرب بہ نسبت اقرب منہ کے علت اور منشاء انتزاع ہو کیونکہ اُمور متباینہ میں تو یہ قرب متصور ہی نہیں۔ رہے اوصاف عرضیہ بمعنی بالعرض مقابل بالذات وہ بھی فی الحقیقت موصوف سے یہ قرب نہیں رکھتے ورنہ اس قرب پر جدائی دُشوار تھی۔

حالانکہ اوصاف مذکورہ کا منفک ہوسکنا خود ان کے بالعرض ہونے سے ظاہر ہے ہاں اوصاف ذاتیہ بمعنی مقتضائے ذات۔ معلول ذات ہوتے ہیں اور ذات ان کی نسبت علت اور منشاء انتزاع، اور لوازم ذات مذکورہ انتزاعیات۔

خیر ان کے انتزاعیات اور ذات کے منشاء انتزاع ہونے کو تو کوئی مانے یا نہ مانے پر اوصاف ذاتیہ کا معلول اور ذات کا علت بمعنی مصدر وجود ہونا ایسا نہیں جو کوئی عاقل اس کا انکار کرے سو ہمیں اتنی بات کافی ہے۔ اس لئے کہ معلول کا وجود ایسی علت کے وجود پر خارج میں تو سب کے نزدیک موقوف ہوتا ہے پر وجود ذہنی کا حال بھی یہی ہے اس لئے کہ عقل مخبر ہے مُنشی نہیں موجودات خارجیہ کی خبر دینے کے لئے عقل کو بنایا ہے نئی باتوں کی ایجاد اس کا کام نہیں۔

ذہن میں حاصل شدہ مضمون کی خبر میں بھی محکی عنہ یعنی علت پائی جاتی ہے

سو جاننے والے جانتے ہیں کہ اسی مرتبہ حاصل اخبار کا نام وجود ذہنی ہے اور کیفیت اخبار حصول اشیاء بانفسھا یا باشباھھا پر موقوف ہے۔ سو اگر تنہا معلول یا اس کی شبح ذہن میں ہو۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ معلول اپنے وجود خارجی میں علت کا محتاج نہیں۔ در صورتیکہ وقت علم سے بذات خود ذہن میں آئی۔ اور جب تو یہ بات ظاہر کیا اظہر ہے۔

نور شمس سے علم۔ مبداء علم اور عالم کی مثال

اگرچہ کم فہموں اور ان لوگوں کو جنہوں نے مثل متشابہات دینی مسئلہ حصول الاشیاء بانفسہا کو تسلیم کر رکھا ہے اس بات میں تین پانچ کرنے کی گنجائش ہو۔ مگر اہل اذہان صافیہ پر یہ بات روشن ہے کہ جیسے اشیائے منورہ بنور الشمس بذات خود نور میں حاصل ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اشیاء معلومہ بذاتِ خود نور علم میں آجاتی ہیں اور وہ نور علم ذوات علماء کے ساتھ اسی طرح قائم ہے جیسے نور شمس خود شمس کے ساتھ۔ جیسے مبداء تنور اشیاء منورہ بالنور، وہ نور شمس ہے ایسے ہی مبداء علم یعنی مبداء انکشاف وہ نور علم قائم بالعالم ہے اگرچہ بحکم لامشاحۃ فی الاصطلاح صور حاصلہ یا کیفیت انکشافیہ یا اضافت فیما بین کو مبداء انکشاف کہنے کی گنجائش ہے۔

القصہ درصورت حصول اشیاء بالذات، تو تنہا معلول کا ذہن میں آنا محال ہے اگر آئے گا تو علت کے ساتھ آئے گا اور درصورت حصول اشیاء باشباحہا کے یہ معنی ہوں گے کہ وقت حصول اشیاء بانفسہا مطابق ظاہر اشیاء، باطن مبداء انکشاف میں ایک صورت کا پیدا ہونا اسی طرح ضرور ہے جیسے وقت حصول اشیاء منورہ فی النور، باطن نور میں مطابق ظاہر صورت اشیاء ایک صورت کا حاصل ہونا یا مطابق صورت اشیاء حاصلہ فی الماء یعنی آب۔ باطن آب میں اس صورت کا پیدا ہو جانا۔ بالجملہ صورت اصلیہ اور صورت شبح میں وہ نسبت ہے جو قالب اور مقلوب کی صورت باطنہ اور ظاہرہ میں نسبت ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ذہن میں حاصل شدہ صورت ہی سے علم حاصل ہوتا ہے

الحاصل ذہن میں بالذات اور بالشبح دونوں طرح صورت ہی ہوتی ہے ذی صورت نہیں ہوتا۔ علم بالکنہ اگر ہوتا ہے تو صورت کا ہوتا ہے ذی صورت کا علم بالوجہ ہوتا ہے۔ سو یہ وجہ کون ہے صورت ہے مگر سوا اس طریق کے حصول شبح کی اور کوئی صورت نہیں معنی انعکاس بھی حقیقت میں یہی ہیں یعنی شبح عکس اصل ہوتا ہے چنانچہ ملاحظہ مثال قالب و مقلوب سے ظاہر ہے۔

بصورت تقابل عکس (پرتو) کی صورت کے وقت اصلی شئی یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے

اور اگر بالفرض انعکاس صورت اور حصول شبح کے لئے تقابل صورت اور محاذات ذی شبح کافی ہے تب بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں گیا وقت تقابل معلول علت سے جدا نہ ہوگا سوا ان میں اگر یہ قرب ہوگا کہ معلول کی نسبت علت خود معلول سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ ممکن نہیں کہ شبح معلول اور عکس معلول تو ذہن میں حاصل ہو اور شبح علت اور عکس علت ذہن میں حاصل نہ ہو۔ ورنہ یہ قرب مبدل بہ بعد ہو جائے گا کیونکہ ایک کے شبح کا ذہن میں آنا اور دوسرے کے شبح کا ذہن میں نہ آنا سوا اس کے متصور نہیں کہ

ایک کو تقابل میسر آئے دوسرے کو میسر نہ آئے اور یہ بات اس قسم کی اقربیت میں ممکن نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ بالجملہ اوصاف ذاتیہ اپنے موصوف سے اور ان کی شبح اور ان کا عکس موصوف کے عکس اور شبح سے جدا نہیں ہو سکتے۔

حصول معلول فی الذہن حصول علت پر موقوف ہے اور ان کے مابین کوئی واسطہ نہیں

جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اس بات کا تسلیم کرنا آپ سر پڑا۔ کہ حصول فی الذہن حصول علت پر موقوف ہے۔ حصول اشیاء بانفسہا میں تو اس بات کے کہنے کی حاجت ہی نہیں اور باشباحہا کی صورت میں اس لئے کہ ذی شبح، شبح کے تابع ہے۔ اگر وہاں تقدم یا توقف ہے تو یہاں بھی اس کا ہونا ضرور ہے ورنہ تقدم اور توقف اصل غلط ہو جائے گا۔ چنانچہ واضح ہو چکا اس صورت میں اس کا اقرار ضروری ٹھہرا کہ تعقل معلول تعقل علت پر موقوف ہے۔ اس سے اضافی اور انتزاعی ہونا معلول اور لازم ذات کا بھی واضح ہو گیا۔ اس صورت میں اگر خود معلول اور لازم ذات ہی اپنے ادراک کی طرف متوجہ ہو تو قبل تصور علت وملزوم اپنا تصور ممکن نہیں۔ سو اس حرکت علمی میں معلول کو اوّل علت پیش آئے گی اس کے بعد اپنی ذات اور ظاہر ہے کہ سوائے حرکت علمی اور کسی حرکت کی فیما بین معلول وعلت گنجائش نہیں اگر ممکن ہے تو یہی حرکت علمی اور انتقال فکری ممکن ہے اور اس صورت میں وہ اقربیت مذکورہ مشار الیہا موجود ہے۔

رُوحِ محمدی کا اَرواحِ مؤمنین کے لئے علت ہونا اس کا متقاضی ہے کہ آپ کی رُوحانیت اور حیات اصلی اور اُمت کی عارضی ہے

اس لئے خواہ مخواہ اس صورت میں اس بات کا اقرار لازم ہوگا۔ کہ رُوح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت، ہو اور اَرواح اُمت محمدیہ مثلاً معلول بمعنی مذکور۔ اور ظاہر ہے کہ جو بات معلول میں بہ حیثیت معلولیت ہوتی ہے وہ علت ہی سے مستعار ہوتی ہے۔ چنانچہ معلول ہونا اور توقف وجود خود اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ توقف وجود تمام اوصاف وجودیہ کے توقف کا خواستگار ہے۔ اس صورت میں حیات اور روحانیت اَرواحِ اُمت عرضی اور مستعار ہوگی مگر جیسے کمالات معلول مستعار اور عرضی ہوتے ہیں

کمالاتِ علت، اصلی اور خانہ زاد ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو وہ علت بھی نہیں۔

جہاں یہ اوصاف مشترکہ بین العلۃ والمعلول وجود ہوں یا غیر وجود۔ ذاتی اور خانہ زاد ہوں گی۔ وہی علت ہوگی۔ اور اقربیت مذکورہ ایسی ہی علت کے لئے ہوسکتی ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ مگر کسی وصف کے ذاتی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وصف بالعرض نہ ہو چنانچہ سیاق سے ظاہر ہے یہ نہیں کہ مخلوق بھی نہ ہو۔

تقریرِ مذکورہ بالا کا آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ پر انطباق

مگر جب اقربیت بمعنی مذکور۔ مساوی علیّت نکلی تو اور سنئے ملاحظہ جملہ معروضہ قرآنی۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ" اقربیت مذکورہ آپ کو حاصل تھی اس لئے علیّت بھی ہونی چاہئے۔ مگر یہ بھی تو وصف حیات کا آپ میں ذاتی ہونا بھی ضرور ہے۔ لیکن اوصاف ذاتیہ کا انفکاک خود ظاہر ہے کہ محال ہے ورنہ اوصاف ذاتیہ اور اوصاف عرضیہ میں کیا فرق رہ جائے اس صورت میں حیات رُوحانی حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جاودانی ہوگی۔ جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اور سنیئے کہ درصورتیکہ اَرواحِ اُمت، رُوح پُرفتوح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ٹھہریں اور اس سے پیدا ہوئیں چنانچہ علیت و معلولیت سے ظاہر ہے۔ تو ابوت رُوحانی اور بنوت رُوحانی کا تسلیم کرنا ضرور ٹھہرا یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد اس جملہ کے "وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ" فرمایا کیونکہ آپ کی اُبوّت کو اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا اُمہات المؤمنین ہونا لازم ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں جو فی مابین جملتین جملہ و ھُوَ اَبٌ لَّھُمْ اور زائد ہے اور بھی اس بات کا مؤید ہے کہ اولویت مذکورہ کا مقتضی ابوت روحانی اور ابوت روحانی مذکورہ اَزواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے اُمہات المؤمنین ہونے کا خواستگار ہے۔

آیت مذکورہ میں تصرف اور احبیّت کے معنی علت اور اقربیت میں لازماً پائے جاتے ہیں

مگر ہاں شاید کسی کو یہ شبہ دامن گیر ہو کہ بعض مفسروں نے اولیٰ کو اس آیت میں

بمعنی اقرب لیا ہے تو بعض نے بمعنی احب لیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض نے بمعنی اولیٰ بالتصرف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علیت اور اُمت کی معلولیت یقینی نہ رہی۔ مگر اوّل تو التصاق سیاق و سباق چنانچہ معروض ہو چکا معنی معروض کا مؤید ہے۔ ادھر اس امت کا خیر امت ہونا چنانچہ کلام اللہ میں فرمایا ہے "کُنتُم خَیرَ اُمَّةٍ الخ" اس پر شاہد۔ اس لئے کہ جب علت مصدر معلول ٹھہری تو اگر ایک علت دوسری سے افضل ہوگی تو اس کا معلول بھی اس کے معلول سے افضل ہوگا۔ چنانچہ تفاوت دھوپ اور چاندنی جو تفاوت فیما بین الشمس والقمر پر متفرع ہے اس کی نظیر ہوسکتا ہے بایں ہمہ معنیین آخرین کا رجوع تو معنی معروض کی طرف ضرور ہے اور ان کا توقف بمعنی اول پر لازم۔ اور الٹا کیجئے تو بن نہیں پڑتا وجہ اس کی یہ ہے کہ احب اور اولیٰ بالتصرف ہونے کے لئے کوئی علت ضرور چاہئے نہ محبت بے موجباتِ محبت اور محبوبیت بے موجباتِ محبوبیت ہو سکے نہ اولویت بالتصرف بے موجباتِ اولویت بالتصرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس قدر احبیّت اعنی محبوبیّت کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو قرابت بقدر اقربیت مذکورہ میں موجود اور قرابت کا موجبات محبت میں سے ہونا بدیہی ہے قابل انکار نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس مُعیر کا مستعیر سے مستعار میں اولیٰ بالتصرف ہونا ضروری ہے اور علت کا معیر اور معلول کا مستعیر ہونا خود اس مضمون سے آشکارا ہو چکا۔ جس میں وجود اور کمالات وجودِ معلول کا مستعار ہونا ذکر کیا گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرب مذکور کیلئے احبیّت اور اولویت بالتصرف علت نہیں ہوسکتی البتہ معاملہ بالعکس ہے چنانچہ مثل آفتاب نیم روز روشن ہوگیا۔ بلکہ اقربیت مذکورہ کیلئے برائے نام علیت کو علت کہہ لو ورنہ اس کی کوئی علت ہی نہیں۔ کیونکہ علیت اور اقربیت میں اگر فرق ہے تو اعتباری فرق ہے اور علیت کیلئے کوئی علت ہو ہی نہیں سکتی ورنہ علت اولیٰ کی جانب احتیاج نکلے گی۔

نفی میراث کے بارے میں حیات جسمانی کے اثبات کی ضرورت

جب یہ مضامین بھی ذہن نشین ہوگئے تو اور سُنئے کہ حیات روحانی نبوی صلی اللہ

علیہ وسلم کا دائم قائم بلکہ لازم ذات رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو اس تقریر سے معلوم ہوگیا پر درباروئفی میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حیات روحانی سے کام نہیں چلتا یہاں تو حیات جسمانی کی ضرورت ہے اس لئے کہ اگر اَموال و ازواج لواحق وتوابع اور متعلقات بدن میں سے ہیں۔ ان چیزوں کی اگر ضرورت ہے تو جسم ہی کو ضرورت ہے رُوح کو بالذات کچھ حاجت نہیں چنانچہ اُوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس لئے اثباتِ دوام حیات جسمانی کی ضرورت ہے۔

آپ کا وجود باجود بواسطہ جسم اطہر مصدر حیات ہے جس سے رُوحانیت کے آثار علم وعمل صادر ہوتے ہیں

مگر چونکہ یہ بات ایک تمہید پر موقوف ہے اس لئے معروض ہے کہ اوصاف کو اپنے موصوفات سے کبھی تو علاقہ صدور ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت بآتش و تعلق نور با آفتاب۔ ظاہر ہے کہ یہاں وصف حرارت و نور خارج سے آ کر آتش و آفتاب پر واقع نہیں ہوا بلکہ انہی میں سے یہ اوصاف صادر ہوئے ہیں اس قسم کے تعلق کو تو ہم تعلق فعلی وفاعلی کہتے ہیں۔ اور کبھی اوصاف کو اپنے موصوفات سے علاقہ وقوع ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت بآب گرم اور تعلق نور بزمین۔ مثلاً ظاہر ہے کہ یہاں اوصاف مذکورہ آب و زمین سے صادر نہیں ہوئے بلکہ آتش و آفتاب سے صادر ہو کر آب و زمین پر واقع ہوئے ہیں۔ اس قسم کے تعلق کو ہم تعلق انفعالی اور تعلق مفعولی کہتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ تعلق رُوح و جسم کی حقیقت کو دیکھا تو جسم کو مظہر افعالِ رُوح پایا یعنی غرض اصلی اس علاقہ بندی سے یہ ہے کہ رُوح سے افعال جوارح صادر ہوں جیسے نور اور جسم آفتاب میں باہم تلازم رکھنے سے غرض یہ ہے کہ اس سے اوروں کی طرف نور صادر ہوا کرے۔ الغرض جیسے نور لوازم ذاتِ آفتاب میں سے نہیں۔ اگر ہے تو لوازم وجود میں سے ہے اور غرض اس تلازم سے صدور نور ہے۔ ایسے ہی جسمانی لوازم ذات جسم اطہر حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم میں سے نہیں لوازم وجود جسم مبارک میں سے ہے۔

اور غرض اس تلازم میں سے صدور آثار رُوحانیت ہے اور وہ ظاہر کہ بجز

ایصال علم و عمل اور کچھ نہیں مگر چونکہ بے اعانت مظہر یعنی جسم یہ افعال نہ ہو سکتے تھے تو اس اسکیل کی ضرورت پڑی۔

جسم انسانی سے افعال کا ظہور دراصل فاعلیت حیات کے سبب سے ہے

الحاصل اس صورت میں جسم انسانی بمنزلہ جسم آفتاب وکواکب و آئینہ مقابل آفتاب ہوگا۔ یعنی جیسے وہاں ایصال وافاضہ واصد انوار الی الغیر مدنظر ہوتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ایصال منافع علمی و عملی مطلوب۔ اور اگر بوسیلۂ جسم کوئی انفعال بھی پیش آ جائے تو وہ ایسا ہے جیسے بوسیلہ مرایا مناظر متلونہ۔ الوان مختلفہ نور پر عارض ہوں اور وہ ان سے منفعل ہو سو جیسے یہ انفعال اتفاقی ہے۔ یہاں بھی اتفاقی سمجھئے۔ اغراض اصلیہ میں سے نہیں کہہ سکتے چنانچہ اعمال کا دار دنیا میں مطلوب ہونا اس پر خود شاہد ہے اور بعد خروج از دارِ مذکور تکلیف شارع کا ساقط ہو جانا اس کے لئے عمدہ دلیل ہے۔

ادھر حاصل جسم و تعلقِ مذکور سوا اس کے اور کچھ نظر بھی نہیں آتا جو اعضاء مظاہرہ قوت عملیہ ہیں مثل دست و پا ان کا نتیجہ تو بجز عمل اور کچھ ہے ہی نہیں اور جن اعضاء کو مظہر قوت علمیہ بنایا مثل چشم و گوش وغیرہ حواس خمسہ اُن کا قصہ سنئے کہ اوّل علم کا فعل متعدی ہونا اس کے فعل ہونے پر دال ہے وقوع علی الغیر فعل ہی کی شان ہے انفعال میں یہ بات کہاں اور اگر یہ ہو تو یوں کہو کہ مفعول اور منفعل فاعل ہیں۔ مفعول و منفعل نہیں۔ دوسرے علم بغرض عمل مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں۔ اگر علم منافع ہے تو فعل طلب صادر ہونا چاہئے۔ اور علم مضرت ہے تو فعل ہرب صادر ہونا چاہئے بہرحال علم سے مقصود اصلی اعمال ہیں۔

رُوح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں حائل کے وجود سے آثار حیات سمٹ جاتے ہیں مٹتے نہیں

اس لئے علاقہ فیما بین رُوح و جسم علاقہ فعلی ہے علاقہ انفعالی نہیں۔ اس صورت میں اگر کوئی چیز مانع وصول فعل فاعل اور مفعول میں حائل ہو تو فعل بمعنی مبداء فعل مثل نور آفتاب مثلاً فاعل کی طرف سمٹ جائے گا۔ اور اگر سمٹے گا نہیں تو زائل بھی نہ ہوگا ہاں

مفصول سے زائل اور منفک ہو جائے گا۔ مثلاً آفتاب اور زمین یا آفتاب اور آئینہ میں اگر کوئی جسم کثیف حائل ہو جائے تو وہ نور جو آفتاب سے لے کر زمین اور آئینہ تک متصل تھا۔ سمٹ کر زمین اور آئینہ سے جدا ہو جائے گا۔ اور آفتاب کی طرف چل دے گا نہ دونوں میں آدھوں آدھ منقسم ہوگا نہ تنہا زمین اور آئینہ کی طرف رہے گا اور اگر فرض کرو نور آفتاب بوسیلہ آئینہ یا کسی کوکب کے واسطے سے پہنچا ہو تو درصورت حیلولت جسم کثیف وہ نور جو آئینہ یا کواکب سے اس چیز کی طرف آتا تھا اس چیز سے جدا ہو کر آئینہ اور کوکب کی طرف چل دے گا۔ القصہ جس طرف علاقہ فاعلیت اور فعلیت ہو ہاں اگر علاقہ فعلی اگر علاقہ انفعال پر متفرع ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ علاقہ انفعالی منقطع ہو اور اس وجہ سے وہ علاقہ فعلی منقطع ہو جائے مثلاً نور کو قمر کے ساتھ اوّل علاقہ انفعالی ہے یعنی نور آفتاب اس پر واقع ہوتا ہے۔ دوسرا علاقہ فعلی ہے جو علاقہ اوّل پر متفرع ہے یعنی وہ واقع علی القمر سے صادر ہو کر اور اشیاء پر واقع ہوتا ہے۔ سو یہ علاقہ ثانی اگرچہ بوجہ حیلولیت اجسام کثیفہ ممکن الانقطاع نہیں پر بوجہ زوال علاقہ اوّل وانفکاک علاقہ ثانی منقطع ہو جاتا ہے چنانچہ واقفان حقیقت خسوف خوب جانتے ہیں مگر جہاں عالم اسباب میں علاقہ ثانی منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ واقفان حقیقت خوب جانتے ہیں مگر جہاں عالم اسباب میں علاقہ ثانی علاقہ اوّل پر متفرع ہی نہ ہو جیسے علاقہ نور بالشمس تو وہاں حیلولت اضداد متصور ہی نہیں جو اسی طرح انقطاع کا اندیشہ ہو۔ مگر یہ بھی تو علاقہ رُوح و جسم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بوجہ حیلولت موت حیات کے ممکن الانقطاع نہیں کیونکہ جیسے شمس اور اس کے نور میں حیلولت اجسام کی گنجائش ہی نہیں تو یوں کہئے کہ نور شمس اس میں اور اس کے نور کے بیچ میں آ گیا۔ ایسے ہی غشاء موت جو ضد روح ہے جسم نبوی اور رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ میں آ سکتا ہے۔ ہاں جیسے غشاء نور آفتاب وغیرہ موجبات ظلمت نور آفتاب کو اُوپر سے دبا لیتے ہیں ایسے ہی غشاء موت یعنی ما بہ الموت جو اصل موت ہے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُوپر سے دبا سکتی ہے۔ سو اسی کو استتار کہتے ہیں اور وجہ اس کی وہی ہے جیسے نور آفتاب عالم اسباب میں مبداء

اوّل نورانیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ نور کا علاقہ فعلی جو اس کے ساتھ ہے کسی علاقہ انفعالی پر متفرع نہیں ایسے ہی رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عالم اسباب میں مبداء اوّل حیات ہے اور اسی لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کی رُوح کا علاقہ جو آپ کے جسم کے ساتھ خاص ہے عالم اسباب میں علاقہ انفعالی پر ہو ہاں عالم اسباب سے قطع نظر کیجئے تو خدا کے اعتبار سے سب منفعل ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۲۔ (یہ حاشیہ طباعت اوّل میں موجود تھا) ہوگا۔ وہ علاقہ بوجہ حیلولت ضد و موجبات تضاد منفک نہ ہوگا البتہ جس جانب علاقہ انفعال اور مفعولیت ہوگا وہ علاقہ بوجہ حیلولیت مشارٌ الیہ زائل اور منفک ہو جائے گا۔

رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بدن میں تعلق انفعال ممکن نہیں

اس صورت میں علاقہ فیما بین رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر بوجہ حیلولت موت یا موجبات موت قابل انفکاک نہیں بلکہ موجب استتار ہے چنانچہ اوّل اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں اور حیلولت ابر و غبار کی مثال کے ملاحظہ سے واضح ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر انفعال کو بھی اغراض اصلیہ تعلق رُوح و بدن میں سے کہئے تو جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ تکمیل رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بوسیلۂ جسم کسی اور کامل سے تو ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اوروں کی اَرواح کی تکمیل بوسیلہ اجسام رُوح با کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔

جو عوارض خارجیہ بواسطہ حیات کے لاحق نہیں ہوتے وہ اغراض اصلیہ میں سے نہیں

اور سوا اس کے اور انفعالات جو مثلاً وقت خورد و نوش و مشاہدہ مرغوب و غیر مرغوب و استماع اخبار مختلفہ وغیرہ اسباب پیش آتے ہیں اغراض اصلیہ اوّلیہ میں سے نہیں اتفاقیات و لوازم و آثار اوقات میں سے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان اُمور میں سے تمام بنی آدم تک یکساں نہیں۔

اگر انفعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہو تو بھی حائل کے وجود سے فاعل منفعل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین قائم رہتا ہے

اور یہ بھی نہ سہی۔ ہم کہتے ہیں کہ انفعال منجملہ مقاصد اصلیہ اور اغراض اوّلیہ ہے مگر ہر انفعال کیلئے ایک فاعل کی ضرورت ہے جس کی طرف سے فعل صادر ہو اور منفعل پر واقع ہو سو وہ فاعل اسی صورت میں کوئی غیر ہی ہوگا۔ جیسے زید کیلئے عمرو مثلاً تو اس صورت میں اس فاعل اور اس منفعل میں کوئی چیز حائل ہوئی تو فاعل کو منفعل تک آنے نہ دے گی۔ پر کوئی صاحب فرمائیں اس سے علاقہ فیما بین رُوح وجسم کو کیا نقصان۔

لازم وجود (حیات) کا ملزوم (وجود خارجی) منفعل ہوتا ہے

ہاں یہ صحیح ہے کہ لازم وجود کا ملزوم اصل میں منفعل ہی ہوتا ہے ورنہ منفعل نہ کہئے اور بجمیع الوجوہ اور من جمیع الحیثیات مصدر ہی کہئے تو پھر لزوم فیما بین لزومِ ذات ہوگا۔ اور لازم مذکور لازم ذات مگر یہ تو ظاہر ہے کہ ہر انفعال کیلئے ایک فعل اور ایک فاعل کی ضرورت ہے۔

حائل کی ایک مثال

سو وہ اگر سوا خالق کائنات کوئی اور ہے جیسے قمر و کواکب و آئینہ و زمین وغیرہ کے لئے آفتاب۔ تو اگر کوئی اور ہم جنس قمر و کواکب و آئینہ و زمین بیچ میں حائل ہو جائے گا تو وہ نور قمر و کواکب و آئینہ زمین وغیرہ سے زائل ہو کر اس ہم جنس میں آجائے گا۔

حائل کی صورت میں تبدل وتغیر منفعل میں پایا جائے گا نہ کہ فاعل میں

الغرض منفعل کی جانب تبدل متصور ہے اور یہ جو دُور بینوں وغیرہ میں کئی کئی آئینے آگے پیچھے ہوتے ہیں اور بشرط تقابل آفتاب نور آفتاب سب میں سے نکلا چلا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے حق میں حاجب نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر نور ادھر سے ادھر کو نکلا چلا جاتا ہے اس نور سے آئینہ ہائے مذکورہ منفعل نہیں ہوتے اگر انفعال ہوتا تو وہ نور یہیں رُک جاتا آگے نہ جانے پاتا اور جس قدر نور آئینہ کے ساتھ لگا رہ جاتا وہ نور بشرط حیلولت ہم جنسِ دیگر ضرور زائل ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔

کائنات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی منشاء فیض ہے اس صورت میں حائل کا وجود ممتنع ہے

اور اگر فاعل مذکور سواء خالق کائنات اور کوئی نہیں بلکہ خود خداوند عالم ہی منشاء فیض ہے تو وہاں بجز تعلق ارادہ اور کسی سامان کی ضرورت نہیں چنانچہ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ" (لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے) اور

"اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (سورۃ النحل، آیت ۴۰)

ترجمہ: "ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جا تو وہ ہو جائے"۔

اور لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وغیرہ احادیث اس پر شاہد ہیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ خداوندی کا روکنے والا سوائے ارادہ خداوندی اور کوئی چیز نہیں جو یہ احتمال ہو کہ کوئی چیز کائنات اور عالم اسباب میں ہوگی چنانچہ آیات مشار الیہا اور حدیث مذکور اس پر شاہد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب بجز سلب خداوندی اور کسی چیز سے زائل نہیں ہوسکتا کیونکہ نور آفتاب سوائے خزانہ خداوندی عالم اسباب کے خزائن سے مستعار نہیں۔ یعنی مثل نور قمر و کواکب و آئینہ قلعی دار زمین وغیرہ فیض آفتاب ہے نور آفتاب اسی طرح کسی اور جسم سے مستعار نہیں۔

نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات منبع ہدایت ہے

مگر جب یہ بات ٹھہری تو پھر دوام حیات جسمانی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضرور پڑا اس لئے کہ جیسے نور آئینہ آفتاب کی یہ صورت ہوئی کہ مابہ النور آئینہ اعنی نور اور آفتاب میں خداوند کریم نے علاقہ رکھا ایسے ہی مابہ الحیات والروحانیت اعنی روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جسم اطہر میں خود خداوند کریم نے علاقہ بندی کی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جیسے منشاء و منبع نور آئینہ و قمر و کواکب نور آفتاب ہے ایسے ہی منشاء و منبع روحانیت یعنی حیات جسم اطہر کسی اور کی رُوح ہے چنانچہ اوّل تو اس مضمون کے اثبات

کے لئے کسی امتی کو سُنّی ہو یا شیعہ یا کوئی اور استدلال اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ سے بشرط فہم وانصاف وترک تقلید زید وعمرو یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وقت ارسال جو وہی وقت حیات جسمانی تھا اوران کی طرف افاضہ اور فیض ہے۔

اوران کی طرف سے اس طرف کو افاضہ اور فیض نہیں چنانچہ مقتضائے حصرِ اِلَّا ہر کسی کے نزدیک یہی ہے۔ بایں ہمہ ارواح اُمت کی رُوحانی کا مستعار ہونا آیت " اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ " کے وسیلہ سے ثابت ہو چکا اور ارواح انبیاء علیہم السلام میں فیض نبوی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا جملہ خاتم النبیّین سے بشرط اہل انصاف وفہم ظاہر و باہر۔ ہاں کوئی حجتی لا اُمتی نئی بات سُن کر بے وجہ گردن ہلائے تو ہلائے۔ مگر ان سے کیا کام ہے۔ اہل فہم وانصاف سے سروکار ہے سو ان کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ موافق حدیث اِنَّ لِكُلِّ اٰيَةٍ ظَهۡرًا وَّبَطۡنًا (ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے) خاتمیت زمانہ کے لئے جواز تسم ظہر ہے یعنی معنی ظاہری ہے۔ کوئی بطن یعنی معنی باطنی بھی چاہئے۔ سو باعتبار باطن خاتمیت نبوت یہ ہے کہ آپ پر سلسلہ فیض نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی جیسے مثلاً نور قمر وکواکب فیض آفتاب ہے اور نور آفتاب عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں ایسے ہی نبوت انبیاء سابق علیہم السلام تو فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پر نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں جیسے آفتاب پر سلسلہ نور ختم ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے خاتم نیّرات کہئے تو بجا ہے۔ ایسے ہی رُوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت اختتام پاتا ہے اور اس وجہ سے آپ کو خاتم النبیّین کہنا زیبا ہے۔ یہ تقریر خاتم بکسر التاء کی صورت میں تو جو قرأت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے محتاج تفصیل نہیں پر خاتم بفتح التاء کی صورت میں جیسے قرأۃ حفص رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ البتہ بظاہر کم فہموں کو چسپاں معلوم نہ ہوتی ہوگی۔ اس لئے اتنا اور معروض کہ جیسے خاتم بفتح التاء بمعنی مُہر کا اثر مختوم علیہ میں ہوتا ہے اور حروف مُہر مختوم علیہ میں منتقش اور منعکس ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی منبع فیض کا اثر مستفیض میں منتقش اور منعکس ہوتا ہے۔

خاتم النبیین کے معنی منشا اور فیض نبوت کے ہیں اور خاتمیت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے

اب اہل فہم کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ جب خاتم النبیین کے یہ معنی ہوئے تو آپ کی فضیلت اور سیادت اور تأخر زمانی سب بجائے خود ہوئی۔ افضلیت اور سیادت کا حال تو بے کہے ظاہر ہے۔ رہی خاتمیت زمانی۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ مہمان کو اگر متعدد کھانے کھلاتے ہیں اور مختلف قسم کی نعمتیں اس کے سامنے لے جاتے ہیں تو عمدہ افضل سب کے بعد دیتے دلاتے ہیں۔ سوایسے ہی مہمانانِ دار دنیا کے لئے دین اور کتبِ دین اور مردمانِ دین پرور نعمت خداداد ہیں جن میں سے سب سے افضل اور عمدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ قرآن اور یہ دین وایمان تھا اس لئے سب کے بعد آپ کا ظہور مناسب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ یہی مفاد خاتمیت زمانی ہے۔

خاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت کی طرح تمام انبیاء کی اَرواح بھی آپ کی رُوحِ پاک سے مستفید ہیں

مگر جیسے اس تقریر سے آپ کی افضلیت اور سیادت اور خاتمیت زمانی ثابت ہوئی۔ ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی رُوح پرفتوح اور آپ کی حیات فیضِ انبیاء سابقین علیہم السلام نہیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ جسم تو آب سے پیدا ہو اور حرارتِ آب۔ آتش سے حاصل ہو۔ بلکہ اگر جسمانیت آتش فیضِ آب ہو تو حرارت بھی آب ہی کا فیض ہوگا۔ یہ برعکس کہ حرارت فیض آتش ہو ممکن نہیں۔ ایسے ہی یہ کیونکر ہو کہ رُوح محمدی تو اَرواح انبیاء سابقین علیہم السلام سے پیدا ہوئی ہو اور نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

بالجملہ اَرواح انبیاء سابقین علیہم السلام رُوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہیں پر رُوحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی رُوح سے مستفید نہیں آپ کے سارے کمالات

بالقوہ منجملہ لوازم ذات اور طبائع ذاتیہ ہیں۔ ہاں مرتبہ بالفعل البتہ شرائط فعلیت پر موقوف ہے اس میں قوت وفعلیت نبوت وولایت ہو یا کسی اور کمال کی قوت وفعلیت ہو۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ نفسِ رُوحانیت انبیاء سابقین علیہم السلام آپ کی رُوح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض نہ ہو بلکہ علاقہ بندی ارواح واجساد انبیاء سابق علیہم السلام خاص خداوند خلاق کی طرف منسوب ہو یعنی ارواح انبیاء سابقین بے واسطہ فیضِ خداوندی ہوں اور اَرواح اُمتیاں بواسطہ اَرواح انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئی ہوں۔ اس میں یہ اُمت اور حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور اُمت اور اس کے نبی ہوں۔

نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام میں مادّہ روحانیت موجود تھا

بلکہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ ہر افاضہ اور فیض یعنی عروض میں وصف عارض کے سوا مفیض اور مستفیض پہلے سے ہونے چاہئیں تو یہ بات بروئے عقل واجب التسلیم ہوگی کہ قبل افاضہ نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام میں مادّہ روحانیت چاہئے کیونکہ مستفیض کا قابل فیض ہونا ضرور ہے اور ظاہر ہے کہ وصف نبوت کے لئے سوا اَرواح ونفوس کوئی قابل نہیں۔

رہی نفسِ روحانیت اور حیات سو اس کے قبول کے لئے پہلے سے رُوحانیت اور حیات کی ضرورت نہیں اجسام نامیہ اور جامدہ بھی اس کے لئے قابل ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ حیات جسمانی بنی آدم وغیر بنی آدم وحنین جذع (ستون کا فراق نبوی میں رونا) وغیرہ معجزات وکرامات۔ اور آیت وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ اس باب میں تسکین کے لئے کافی ہے۔ غرض فیض رُوحانیت اُمت کے لئے کچھ ضرورت نہیں کہ پہلے سے حیات حاصل ہو جو یہ شبہ پیش آئے کہ اسی طرح اُمت کے لئے روحانیت سابقہ چاہئے اور چونکہ وہ حیات اور روحانیت بلا واسطہ فیضِ خداوند عالم ہے تو اس کے اور جسم کے بیچ کا علاقہ قابل انفکاک وانقطاع نہیں۔

الغرض حیات جسمانی انبیاء کرام علیہم السلام کو دوام لازم ہوا اور منجملہ لوازم وجود کہنا پڑا

تصرف پر قادر نہ ہونا نکاح اور مِلک کے منافی نہیں

اس صورت میں متعلقات جسم اعنی ازواج واموال سے علاقہ منقطع نہ ہوگا۔ مال مملوک اور ازواج منکوحات سمجھی جائیں گی اور یہ عدم قدرت تصرف مثل عدم قدرت تصرف محبوس ومکرہ ومجبور، مِلک اور نکاح میں رخنہ انداز نہ ہوگی۔ غرض ہماری ازواج واموال کی طرح بوجہ عروض موت مِلک اور نکاح سے خارج نہ سمجھے جائیں گے۔

حیات شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں فرق

اور شہداء اگرچہ موافق ارشاد خداوندی ہمارے نزدیک منجملہ احیاء ہیں پر ان کی حیات جسمانی بوجہ تعلق جسم دنیا نہیں بلکہ اجسام جثہ سے ان کی ارواح کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ احادیث میں مصرح ہے اور لفظ قرآن اعنی عِنْدَ رَبِّهِمْ اس کی طرف مشیر اس لئے متعلقاتِ جسم دنیا سے ان کو کیا سروکار جو مانع میراثِ اموال ونکاحِ ازواج ہو اور اگر حیاتِ شہداء سے مراد حیات روحانی ہے اور ان کی موت فقط یہی ہے کہ رُوح کو جو علاقہ جسم سے تھا اس کو توڑ ڈالا پر وہ کیفیت امساک جو بشہادت آیت:

" اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى"

(سورۃ الزمر، آیت ۴۲)

ترجمہ: "اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک"۔

حقیقت موت ہی ان کی ارواح پر عارض نہیں ہوتی تو اس صورت میں اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا جو حاجتِ جواب ہو۔ مگر تقریر اوّل تحقیقی بات ہے اور اجسام انبیاء علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا اس پر شاہد، اور شہداء سے بقائے اجسام کا وعدہ نہ ہونا یعنی زمین پر ان کے اجسام کا حرام نہ ہونا اور اس کے مؤید ہے۔

باقی بعض شہداء اور صلحاء کے اجسام کا بعد قرون دراز سالم نکل آنا اس کے مخالف

نہیں۔ اوّل تو کیا معلوم کہ بعد میں ان کے اجسام سالم رہیں یا نہ رہیں۔ دوسرے نہ کھانے کیلئے اسباب کثیر ہیں۔ فقط حُرمت ہی نہیں۔ حرم کے جانور اصل میں حلال۔ حرم کے سبب حرام ہیں۔ شہد کیلئے مکھیاں محافظ ہیں۔ بوڑھوں سے چنے کے دانے نہیں چبتے۔ غرض نہ کھانے کی بیس صورتیں ہیں۔ پر جو بات مستلزم حیات ہو یہاں بجز حرمت اجساد اور کچھ نہیں اس لئے کہ ماوراء جن وانس زمین وآسمان وغیرہ کا محکوم ومخاطب و مامور خداوندی مثل آیت:

"وَقِيلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَ كِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ" (سورۃ هود، آیت ۴۴)

ترجمہ: "اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا"۔

سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محکوم ومخاطب ہونے کے لئے ادراک وشعور کی ضرورت ہے تو اس باب میں تسکین کیلئے "وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" وغیرہ آیات و احادیث ومعجزات وکرامات وحکایات کافی ہیں۔ اور جب زمین وآسمان بھی مامور ومخاطب ہوئے پھر حرمت وحلت سے معانی حقیقت ہی مراد لینے چاہئیں مجاز کی کیا ضرورت۔

حدیث اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ الخ میں حُرمت کی اقسام

مگر حُرمت حقیقی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ احترام حرام مدنظر ہو جیسے حُرمت لحم بنی آدم میں احترام بنی آدم ملحوظ ہے دوسرے یہ کہ احترام محرم علیہم مقصود ہو جیسے حرمت خنزیر وکلب ونجاسات میں ہوتا ہے۔ یعنی غرض اصلی یہ ہے کہ بنی آدم جیسے عالی مراتب کو ان اشیاء کا کھانا مناسب نہیں۔ سو حُرمت اجساد انبیاء علیہم السلام میں احترام زمین تو مقصود ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اجساد انبیاء کو ہمارے اجساد سے (معاذ اللہ) زیادہ ناپاک اور ناقص کہنا پڑے گا۔

الغرض ہمارے اجساد کا زمین پر حرام نہ ہونا اور اجسام انبیاء کرام علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا اس صورت (احترام محرم علیہم) میں خواہ مخواہ اس بات کو مقتضی ہے کہ عوام الناس کے اجسام پاک وطیب ہوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام ناپاک اور خبیث ہوں۔ سو ایسی بات بجز کفار اور کسی کے منہ سے صادر نہیں ہو سکتی۔

انبیاء علیہم السلام میں حُرمت کی پہلی قسم احترام اجساد انبیاء علیہم السلام ملحوظ ہے

اس لئے اس کا قائل ہونا ضرور پڑا کہ احترام اجسام انبیاء علیہم السلام ملحوظ ہے۔ مگر ظاہر کہ احترام اجسام۔

زمین کی نسبت جب ہی متصور ہی ہے کہ وہ زندہ ہوں ورنہ اجسام حیوانات میں درصورت موت نمو بھی متصور نہیں جو یوں کہا جائے کہ زندہ نہیں تو کیا ہوا نامی تو ہیں۔ زمین سے پھر بھی افضل ہیں اس لئے کہ وہ منجملہ جمادات ہے۔ غرض اجسام حیوانات میں نمو اور حیات دونوں متلازم ہیں۔ ہوں جب دونوں ساتھ ہوں۔ نہ ہوں جب دونوں ساتھ نہ ہوں۔ سو اگر بہ نسبت اجسام انبیاء علیہم السلام موت کا قائل ہو جائے اعنی حیات جسمانی کی نفی کیجئے تو پھر احترام اجساد بھی متصور نہیں ورنہ حالت جمادیت کی رُو سے تو ہمارے ان کے اجسام سب برابر ہیں۔ اور تعلق سابق کا لحاظ کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہو کہ بول و براز میں حالت سابقہ یعنی حال وقت مطعومیت کا لحاظ کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کے اجساد کی سلامتی کو کسی دوا کی طرف منسوب کرنا بے دلیل ہے

اور اگر فرض کیجئے حرمت سے حدیث مشارٌ الیہ میں حرمت حقیقی مراد نہیں بلکہ اجسام کے بالطبع محفوظ رہنے یا زمین کی بالطبع نگہبانی کی طرف مجازاً اشارہ ہے تب محفوظیت بالطبع یا زمین کا ان کو طبعاً نہ کھانا بھی حیات جسمانی ہی پر دلالت کرے گا۔ اس لئے کہ سوا اجسام احیاء سب حیوانات کے اجسام بعد موت بالطبع محل فساد اور قابل انقلاب ہیئت ارضی ہوتے ہیں۔ بعد موت اگر محفوظ رہتے تو کسی اور دوا و حافظ قوی مثل روغن و شہد وسرکہ وغیرہ کے سبب محفوظ رہتے ہیں بالطبع محفوظ نہیں رہتے۔ اور کسی دوا حافظ قوی کی طرف سلامت اجسام انبیاء کرام علیہم السلام کو منسوب کرنا قبل اقامت دلیل، اوّل تو مدعیانِ میراث کو مفید نہیں۔ دوسرے تجوز بحرمت اس صورت میں زیبا نہیں کیونکہ اس صورت میں روغن وغیرہ کا حافظ رہنا ایسا ہو گا جیسے کوئی جابر کسی حلال چیز کو کسی کو نہ کھانے دے۔

احتمال ناشی عن غیر دلیل مفید ہو تو پھر ضروریاتِ دین سے اعتماد اُٹھ جائے گا

بایں ہمہ احتمال ناشی عن غیر دلیل بھی مناظرہ میں مفید ہوا کرے تو اعجاز اور دعویٰ نبوت اور کتب آسمانی میں بھی ایسے احتمال تو موجود ہیں کیونکہ یہ سب اُمور بدلائل انیہ ثابت ہوتے ہیں اور دلیل اِنّی میں ظاہر ہے کہ احتمال عمومِ لازم بہ نسبت ملزوم ہوتا ہے۔ بایں ہمہ شواہد (شواہد کا خارجی دلائل سے معارضہ اور نقض۔ شواہد میں استدلال کیلئے مضر نہیں البتہ نقضِ شاہد ہی ثابت نہ ہو سکے تو پھر خصم کو مفید ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی) کا منقوض ہو سکنا استدلال میں مضر نہیں بلکہ نفس شاہد اگرچہ منقوض ہو سکے مفید ہوتا ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق روح مع الجسد اور اس کے آثار

القصہ حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام کا بعد موت بھی اقرار ضروری ہے اور غرض حیات جسمانی بھی یہی ہے کہ بوجہ تعلق رُوح، جسم پر رُوحانیت اور حیات ایسی طرح عارض ہو جائے جیسے تعلق نور سے زمین پر نورانیت عارض ہو جاتی ہے یا تعلق آتش سے آب وغیرہ پر حرارت عارض ہو جاتی ہے۔ سو اس صورت میں جیسے زمین کو منور آب وغیرہ کو حار کہتے ہیں ایسے ہی وقت تعلق معلوم جسم کو حی اور زندہ کہیں گے اور چونکہ اَموال و اَزواج ضروریات اجسام احیاء یعنی ان اجسام کی ضروریات میں سے ہیں جن پر بوجہ تعلق رُوح روحانیت عارض ہو جاتی ہے۔ تو اگر وہ تعلق ٹوٹ جائے اور اس وجہ سے حیات عارضہ اسی طرح زائل ہو جائے جیسے بعد زوال تعلق نور زمین سے نورانیت زائل ہو جاتی ہے تو رُوح کو اَزواج و اَموال بلکہ خود ان اجسام کو ازواج و اَموال کی کچھ ضرورت نہ رہے گی۔ اور اگر وہ تعلق نہ ٹوٹے تو پھر حیات جسمانی جوں کی توں رہے گی اور اَزواج بدستور سابق نکاح میں اور اَموال بدستور سابق مِلک میں رہیں گے اور اس سبب سے نہ اَموال میں میراث جاری ہو سکے گی نہ اَزواج سے کوئی نکاح کا مجاز ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا

ہاں جیسے کوئی صاحب مال اگر سفر کو جاتا ہے یا چلہ میں بیٹھ جاتا ہے تو اپنے متصلوں اور معتمد علیہم کو جمع خرچ کا وکیل کر جاتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے خلیفہ اوّل کو بایں وجہ کہ خلیفہ اموال و ازواج مسلمین کا محافظ اور محل ہوتا ہے بوقت ارادہ چلہ نشینی روضہ مبارک یہ ارشاد فرمایا

"نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَآءِ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ"

ترجمہ "ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے جو چھوڑ جائیں صدقہ ہوتا ہے"۔

اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرتفع ہوگیا ہوگا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرات اہل بیت کو کیوں نہ بتایا غرض ہم لوگ بھی اپنی اراضی کا جمع خرچ اپنے محصلوں اور وکیلوں ہی کو بتلایا کرتے ہیں۔ زنان پردہ نشین عفت گزیں کو یہ تکلیف نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو ایسی تکلیف بے ہودہ کاہے کو دیتے۔ بایں ہمہ کتب فریقین سے اس مضمون پر اہل بیت کا شاہد ہونا ثابت ہے۔

بشہادت کتب فریقین ترکہ نبوی کے میراث نہ ہونے پر اہل بیت متفق ہیں

اہل سنت کی کتابوں کو پوچھئے تو حضرت امیر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے:

"هَلْ تَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ" (بخاری ص ۴۳۶ ج ۱، صفحہ ۹۹۶ ج ۲)

ترجمہ: "کیا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے"۔

کے جواب میں یہ کہنا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ بخاری میں موجود ہے اور شیعوں کی کتابوں کو پوچھئے تو حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد:

"اَنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَذَاكَ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَ اِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ، فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِّنْهَا وَفَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَافِرًا" (اصول کافی ص ۳۲ ج ۱، طبع تہران)

ترجمہ: "علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء نے کسی کو وارث نہیں بنایا (اور ایک نسخہ میں ہے کہ) درہم و دینار کا وارث کسی کو نہیں بنایا۔ ہاں احادیث کا وارث بنایا

جس نے ان احادیث (وعلوم) میں سے کچھ حاصل کرلیا اس نے بہت کچھ پالیا۔)

بروایت ابوالبختری کافی میں موجود ہے۔۔ سوحصرِ اِنَّمَا سے دیکھئے کیا نکلتا ہے۔ انصاف ہو تو حدیث کافی حدیث بخاری یعنی لَا نُوْرَثُ سے زیادہ ہے کم تو کیا ہوگی۔ اب شیعہ ہی فرمائیں کہ امام جعفر صادق کون ہیں اور کیسے ہیں اگر ان کی بات بھی قابلِ تسلیم نہ ہو تو پھر بجز یزید واتباع یزید اور کس پر نظر ہوگی۔

اب اور گذارش سنئے کہ ائمہ سابق خاص کر حضرت امیر اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے زیادہ تھے کم نہ تھے۔ اگر حدیث مسطور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کو ائمہ سابق کی روایت سے پہنچی تب تو ان کی شہادت، مضمون مذکور پر ظاہر ہے ورنہ بطریق وحی یا بذریعہ الہام اگر حدیث مذکور کا مضمون ان کو معلوم ہوا تھا تو ائمہ سابق کو بطور مذکور اس کی اطلاع پہلے ہونی چاہئے ۔ اور یہ بھی نہ سہی تو ناظران وصیت نامہ خداوندی (ملاحظہ کریں) جو مختوم بخواتیم الذہب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور کلینی میں مفصل مرقوم ہے شیعوں کو یاد ہی ہوگا کچھ کلام اللہ تو نہیں جو یاد ہی نہ ہو۔

اس میں حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت میں یہ ارشاد ہے وَانْشُرْ عُلُوْمَ اَھْلِ بَیْتِکَ اس سے متبادر یہی ہے کہ علوم جعفری علوم جدیدہ نہیں علوم سابقہ ہیں۔ خاص کر وہ علوم جو متعلق بوقائع سابقہ ہوں جیسے یہی حدیث ہے اس لئے کہ لفظ انما حصر پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ تصحیح حصر مشارٌ الیہ بعد لحاظ اس اَمر کے کہ اور انبیاء علیہم السلام تو کیا خود سرور انبیاء علیہ السلام بہت کچھ چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لے گئے ہیں۔ جبھی متصور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے موجبات ارث میں سے ہرگز کوئی اَمر ظاہر نہ ہوا ہو جو ان کی طرف فاعلیت ایراث منسوب ہو سکے اور یوں کہہ سکیں اَوْرَثُوْا دِرْھَمًا یا اَوْرَثُوْا مَالًا ۔ مگر موجب ارث مورث کی جانب اگر ہے تو وہی انفکاک علاقہ روح وجسم ہے اس لئے مقتضی اِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِھِمْ یہی ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اَرواح طیبہ کو اجسام

مطہرہ سے علاقہ معلوم بدستور حاصل ہے۔

بہر حال کُتبِ فریقین حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر شاہد ہیں اور حدیث لَا نُوْرَثُ کا مضمون کتب معتبرہ شیعہ میں موجود ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

وارث ہونے کیلئے صرف تعلق رُوح کافی نہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد موت کسی کے وارث نہیں ہوئے

ہاں اس صورت میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علاقہ مذکور منقطع نہیں ہوا اور اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوسکتی تو اس وجہ سے لازم یوں تھا کہ آپ کے اقرباء کے ترکہ میں سے آپ کا حصہ نکالا جاتا کیونکہ آپ زندہ ہیں اور زندہ اَموات کا وارث ہوا کرتا ہے مگر جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ جیسے مورث کے لئے انقطاع علاقہ معلوم کافی ہے اسی طرح وارث ہونے کے لئے وجود علاقہ معلوم کافی نہیں ورنہ جو بچہ بعد مورث قبل وضع حمل مر جائے وارث قرار دیا جایا کرے گا۔ بشہادت احادیث صحیحہ تین چلّوں کے بعد رُوح ڈالی جاتی ہے اور بالیقین یہ بات معلوم ہے کہ اگر بچہ پیٹ میں مر جائے تو ساعت دو ساعت تک تو خیر، پر اس سے زیادہ اگر بچہ شکم مادر میں رہے تو پھر اس کی زندگی معلوم۔ چہ جائیکہ کئی مہینے بعد مرگ بچہ شکم مادر میں رہے اور والدہ بحال خود باقی رہے۔ غرض یہ احتمال نہیں ہوسکتا جو ایام قرب وضع حمل میں یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ شاید بچہ کئی مہینے سے مردہ شکم میں موجود ہو پھر کیونکر اس کے لئے ترکہ والد میں سے مثلاً حصہ تجویز کریں۔ غیروں کی حق تلفی کا اندیشہ ہے۔ زندگانی متحمل پر میراث جو ایک اَمر یقینی ہے متفرع نہیں ہوسکتی بالجملہ اگر بعد تین چلّوں کے کسی عورت کا خاوند مر جائے اور بعد ۹ ماہ بچہ مرا ہوا اس عورت کے پیدا ہو تو بالیقین یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ اپنے والد کے بعد مرا ہے۔ اگر وارث ہونے کے لئے فقط علاقہ مذکور کافی ہوسکتا ہے تو لاریب ایسے اطفال اپنے والد وغیرہ کے وارث ہوا کرتے

یعنی ان کے لئے موافق استحقاق حصہ نکالا جایا کرتا اور پھر موافق قواعد میراث جس کسی کو پہنچتا اس کو حوالہ کیا جایا کرتا۔ لیکن جب علاقہ مذکور کافی نہیں تو پھر بجز اس کے اور احتمال نہیں کہ وقت تعلق میراث مال میراث پر وارث کا قبض و تصرف ممکن ہو اگر چہ بوجہ نقصان طاقت یا کمی عقل وغیرہ اسباب قبض وتصرف مال میراث پر قبض وتصرف نہ کر سکے بالجملہ مال میراث بہ نسبت وارث محل قبض و موقع تصرف میں ہو مگر یہ بات جیسے بچہ شکم میں مفقود ہے ایسے ہی مدفون بلکہ معروض موت میں یہ بات مفقود ہے بلکہ غور سے دیکھئے تو اس شخص میں جس کی حیات زیر پردہ موت مستور ہو اور پھر اس پر مدفون بھی ہو چکا ہو۔ بمدارج زیادہ قبض وتصرف ممتنع ہے کیونکہ بچہ شکم کے باہر آنے کی اُمید ہے اور مدفون میں اس اُمید کی گنجائش نہیں بچہ شکم اگر چہ ضعیف و ناتواں ہے اور بے عقل و نادان ہے پر اسباب قبض یعنی یہی عقل و طاقت جس قدر ہے بطور خود ہے کسی عارض کے تلے دبی ہوئی نہیں کسی پردہ کے پیچھے مستور نہیں اور مدفون میت میں اگر حیات بھی ہے تو موت کے تلے دبی ہوئی ہے۔ بہرحال علت مِلک قبض وتصرف ہے اپنا ہو یا کسی اپنے ولی یا وکیل کا ہو۔ جہاں دونوں نہ ہو سکیں وہاں تصور حدوث ملک ایک خیال خام ہے اپنا قبضہ تو ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں یعنی بچہ شکم ہو یا میّت و مدفون ممکن ہی نہیں۔
رہا وکیل کا قبضہ یا ولی کا قبضہ، وہ قبضہ اصلی کا ظل و فرع ہوتا ہے وہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

ایک سوال:۔ کیا موت کے بعد زوالِ قبض سے مِلک باقی رہتا ہے؟

رہی یہ بات کہ اگر حدوث ملک بے حصول قبض ممکن نہیں تو بقائے مِلک بھی بعد زوال قبض ممکن نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مِلک ہنوز باقی ہے۔

جواب: اپنی زندگی میں لَا نُوْرَثُ فرمانا بغرض توکیل تھا لہٰذا قبضہ بذریعہ وکیل باقی رہا

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "لَا نُوْرَثُ" فقط بغرض توکیل تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت توکیل صحیح تھی اور بقاء توکیل و وکالت کے لئے فقط بقاء

شعور وقوی قابضہ کافی ہے۔ ہاں حدوث توکیل کے لئے بالبداہت مؤکل کا مقام توکیل میں ہونا ضرور ہے اور ولی کا مقام تولیت میں ہونا لازم۔ سو ضروریات حصہ توکیل وتولیت و وکالت و ولایت قبل وضعِ حمل بچہ میں مفقود ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبل وفات سب موجود۔ ہاں بعد وفات یہاں بھی وہ سب اُمور مفقود ہو گئے۔ اس لئے وصیت وتوکیل "لَا نُوْرَثُ" تو صحیح رہی اور وراثت مابعد کے لئے کوئی صورت نہ نکلی۔

جواب ۲: مالک اصلی اللہ تعالیٰ ہیں ہماری مِلک احتیاج کی وجہ سے ہے

علاوہ بریں یہ گذارش ہے کہ مالک اصلی تو جناب خداوندِ کریم وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور مِلک مخلوقات فقط اس کے مِلک کا پرتو ہے بلحاظ حاجت بنی آدم ان کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی ان کو حاجت مند دیکھ کر اجازت تصرف عنایت فرمائی اور بقدر قبضہ جس کا مِلک کے لئے علت ہونا اوراق میں سے ہی واضح ہو جائے گا ملک عرضی عنایت فرمائی۔ لیکن جب حاجت کا لحاظ کیا جائے تو پھر وہی اشیاء قابل سمجھی جائیں گی۔ جن میں منافع بھی ہوں اور جو اشیاء خالی از منفعت ہوں یا اُلٹی ان میں مضرتیں ہوں جیسے میتہ اور دم اور خنزیر اشیاء قابل حدودثِ ملک وغیرہ تو وہ مِلک نہ ہوں گی۔

مِلک جدید کے لئے حاجت مندی ضروری ہے لیکن بقائے ملک بغیر احتیاج کے بھی ہوسکتا ہے

لیکن جیسے درصورتِ حاجت بوجہ عدم منافع محتاج الیہا مِلک حادث نہیں ہوسکتی ایسے ہی بوجہ عدم احتیاج یا زوال حاجت، تعلق ملک قابل تسلیم نہ ہوگا کیونکہ وہاں اگر شرط قابلیت نہیں تو یہاں وجہ فاعلیت کچھ نہیں۔ ہاں یہ مسلّم کہ علت ملک فقط وہ قبض تام ہے جس کی طرف ان اوراق میں اشارہ ملے گا۔ اور احتیاج موجب تحرک وتعلق قبض مذکور ہے اس لئے یہ ہوسکتا ہے کہ مِلک باقی ہو اور احتیاج باقی نہ ہو۔ کیونکہ اسبابِ تعلقِ قوی فاعلیت مثل نور چراغ وغیرہ کا ہونا حدوث تعلق کے لئے ضرور ہے بقاء تعلق کے لئے ضرور نہیں۔ اگر کسی مکان میں چراغ نہ ہو تو اس کے دَر و دِیوار کے ساتھ تعلق نور کے لئے چراغ کا لانا مثلاً

ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ بقاءِ نور کے لئے حرکت مذکورہ ضرور نہیں بلکہ اُلٹی وہ حرکت اس وقت سبب زوال تعلق ہے چنانچہ ظاہر ہے بالجملہ احتیاج موجب حدوث ملک یعنی سبب تعلق جدید ملک مالک ہے خود سبب ملک نہیں ورنہ خداوند کریم مالک نہ ہوتا۔ اس صورت میں ملک سابق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی اور جدید پیدا نہ ہوگی۔

اب ناظران اَوراق کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ وہ مقدمات ثلاثہ جن پر دعوائے میراث راست ہوسکتا ہے ان میں سے ایک تو انقطاع علاقہ فیما بین رُوح وجسم مورث تھا اس کا حال تو معلوم ہوگیا۔ غرض اس کا اثبات تو شیعہ کیا کریں گے جواب دلائلِ بقاءِ علاقہ مذکور کا فکر فرماویں۔

بنا میراث کی دوسری شرط کا فقدان

رہے دو مقدمہ باقیہ۔ ایک تو ان میں عموم خطاب **يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ** ہے جس کا اثبات شیعوں کے ذمہ ضروری ہے مگر شیعہ تو اس کو کیا ثابت کریں گے ہاں ہم سے دلائل وشواہد خصوص سنئے ہم گلا پکارے کہتے ہیں:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ کی طرح يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ کا خطاب بھی صرف اُمتیوں کو ہے

کہ یہ خطاب فقط اُمتیوں ہی کے لئے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام نہیں اگر مجتہدان شیعہ کو غیرت مذہب ہو تو ہماری گذارش کا جواب معقول سوچ کر لائیں ورنہ فکر عاقبت فرمائیں اور سُنّی بن جائیں۔ وجہ خصوص کا شاید کسی کو انتظار ہو اس لئے معروض ہے۔ شروع سورہ نساء میں اوّل یہ ندا ہے:

"يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ" (سورۃ النسآء، آیت ۱)

ترجمہ: "اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے"

اس کے بعد اس ندا کے ذیل میں بہت سے خطاب ہیں اور ان میں سے ایک تو

یہی خطاب ”یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ“ ہے اوراس سے پہلے خطاب:

”فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ“ (سورۃ نسآء، آیت ۳)

ترجمہ: ”تو نکاح کرلو جواورعورتیں تم کوخوش آویں دو دو تین تین چار چار“۔

سواگرخطاب ”یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ“ عام ہوگا تو خطاب فانکحوا پہلے عام ہوگا۔اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہی چار اَزواج کی تحدید ہوگی۔اس صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو فدک نہ دینا اتنا محل اعتراض نہ ہوگا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چار سے زیادہ (بیویوں) کا جمع رکھنا موردِ اعتراض ہوسکتا ہے۔

کیونکہ اَوّل معتقدان خلیفہ اَوّل ان کی معصومیت کے قائل نہیں اگر معتقد ہیں تو ان کی ولایت کے معتقد ہیں اور ولایت کے لئے ان کے نزدیک معصوم ہونا ضرور نہیں اگر ضرور ہے تو نبوت و رسالت کے لئے ضرور ہے بایں ہمہ فہم تو ہو کلام اللہ اس پر شاہد ہے۔اولیاء کی تعریف میں تو یہ ارشاد ہے ”اِنْ اَوْلِیَآءُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ“ اور رُسل کی تعریف میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

” فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ “ (سورۃ الجن، آیات، ۲۶، ۲۷)

ترجمہ: ”سونہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کرلیا کسی رسول کو“۔

غرض حاصل ولایت اتقا ہے اور حاصل رسالت ارتضاء کیونکہ من رسول بیان و تفسیر من ارتضٰی ہے اور ظاہر ہے کہ اتقاء مذکور فعل اولیاء ہے کیونکہ متقون صیغہ فاعل ہے اور اولیاء پر محمول اور ارتضاء مشارٌ الیہ فعل خداوندی ہے چنانچہ رجوع ضمیر فاعل ارتضٰی الی اللہ اس پر گواہ عادل ہے اور سب جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اطاعت سے راضی ہوتا ہے اور معصیت سے ناخوش:

”فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ“ (سورۃ التوبۃ، آیت ۹۶)

ترجمہ: ”اور اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے“۔

کلام اللہ میں موجود ہے۔ سو اطلاق من ارتضٰی سے یہ بات نمایاں ہے کہ رسول بجمیع الوجوہ مرتضٰی ہوتے ہیں اور جب مرتضٰی کا رسول ہونا لازم ہوا چنانچہ **مِنْ رَّسُوْلٍ** کا بیان من ارتضٰی ہونا بے اس کے بن ہی نہیں پڑتا تو یہ بات آپ لازم آگئی ہے کہ اولیاء بجمیع الوجوہ مرتضٰی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اطلاق ارتضاء وہی حاصل **معصومیت** ہے۔

بایں ہمہ اتقاء مبنی للفاعل ۔ اتقاء مبنی للمفعول کو مستلزم نہیں۔ آگ سے۔ کھائی کنویں سے ہر کوئی بچتا پھرتا ہے اور پھر کبھی بغیر پیش قدمی سے یا کسی کا جبر موجب وقوع ہو جاتا ہے کوئی کسی کے تلوار یا تیر یا نیزہ مارتا ہے تو بچنے کے لئے اپنے سے بھی تدبیریں کرتا ہے مگر کبھی اس پر بھی زخمی ہو ہی جاتا ہے غرض اولیاء میں **اتقامبنی للفاعل** ﴿یعنی اولیاء گناہوں سے بچتے ہیں﴾ کا ہونا چاہئے۔ چنانچہ متقون کا صیغہ فاعل اس کیلئے دلیل کافی ہے۔ اور اتقاء مبنی للفاعل کو اتقامبنی للمفعول ﴿یعنی خدا گناہوں سے اولیاء کو بالکل بچالے یہ ضروری نہیں۔ ۱۲۔ مہر محمد﴾ لازم نہیں چنانچہ ایک شاعر اُردو بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتا ہے:

زہد و تقویٰ دھرا ہی رہا ہاتھ اس کے سے مے پیتے ہی بنی

القصہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ولی تھے نبی نہ تھے اور ولایت کو اتقاء مبنی للفاعل کافی ہے اتقاء مبنی للمفعول ضروری نہیں اور جب مرتبہ مبنی للمفعول تک نوبت نہ پہنچے تو پھر معصومیت کہاں۔ علاوہ بریں ''حساب دوستاں دردل'' عجب نہیں کسی حق کے عوض میں خلیفہ اوّل نے فدک کو مجرا کر لیا ہو اور یہ بھی نہ سہی ادھر سے اگر تعدی ہوئی تھی تو ادھر عفو کر دیا ہو۔

بروایت علامہ حلی (شیعہ) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا اور وہ راضی ہو گئیں

یا حسب روایت علامہ حلی خلیفہ اوّل نے اگرچہ فدک کے دینے میں تامل کیا تھا مگر انجام کار حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا ہو چنانچہ کتاب منہج الکرامہ

مصنفہ شیخ ابن مطہر علی میں وہ روایت بایں الفاظ موجود ہے:

" لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ اَبَا بَكْرٍ فِيْ فَدَكَ كَتَبَ بِهَا كِتَابًا وَرَدَّهَا عَلَيْهَا" (منہاج الکرامۃ ص ۶۳)

ترجمہ: "جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی تو آپ نے اسکے متعلق تحریر لکھ دی اور فدک فاطمہ کو واپس کر دیا"۔

اور اگر فرض کیجئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خلیفہ اوّل نے فدک پر قبضہ نہیں دیا تو اس کی آمدنی تو بالضرور حسب دستور زمانۂ نبوت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور اہل بیت ہی کے تصرف میں آتی رہی۔ چنانچہ فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آمدنی فدک کو اپنے آپ خورد برد نہیں کیا اور کُتب فریقین اس پر شاہد ہیں ایک روایت محجاج السالکین جس سے دعویٰ مذکور اور نیز قصہ تراضی طرفین معلوم ہو جائے نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے:

اِنَّ اَبَابَكْرٍ لَمَّا رَاىٰ اَنَّ فَاطِمَةَ اِنْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ اَمْرِ فَدَكَ كَبُرَ ذٰلِكَ عِنْدَهُ فَاَرَادَ اِسْتِرْضَاءَ هَا فَاَتَا هَا وَقَالَ لَهَا صَدَقْتِ يَابِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْمَا اِدَّعَيْتِ وَلٰكِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُقَسِّمُهَا فَيُعْطِي الْفُقَرَآءَ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ بَعْدَاَنْ يُّؤْتِيْ مِنْهَا قُوْتَكُمْ وَاَنَا صَانِعٌ بِهَا فَقَالَتْ اِفْعَلْ فِيْهَا كَمَا كَانَ اَبِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَفْعَلُ فِيْهَا فَقَالَ ذٰلِكَ عَلَيَّ اَفْعَلُ فِيْهَا مَا كَانَ يَفْعَلُ اَبُوْكِ فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَرَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُعْطِيْهِمْ مِنْهَا قُوْتَهُمْ وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيْ فَيُعْطِي الْفُقَرَآءَ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ. انتھٰی.

ترجمہ: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے خفا ہو گئی ہیں ترک ملاقات کر دی ہے اور فدک کے بارے میں پھر کوئی بات

نہیں کی تو یہ بات آپ کو گراں گذری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کا
اِرادہ کیا تو آپ کے پاس آئے اور فرمایا آپ نے سچ کہا۔ اے رسول کی بیٹی! جو تو نے
دعویٰ کیا ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تقسیم کرتے اور فقراء
اور مساکین اور مسافروں کو دیتے تھے اس کے بعد کہ تمہارا راشن بھی نکالتے تھے میں
بھی یہی کچھ کروں گا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ فدک میں وہ کام کریں
جو میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ فرمایا بالکل ٹھیک! ضرور میں
وہی کروں گا جو آپ کے والد کرتے تھے فرمانے لگیں خدا کی قسم تم ضرور کرو گے۔ فرمایا
ہاں اللہ کی قسم میں یہ ضرور کروں گا فرمانے لگیں اے اللہ تو گواہ رہ پھر حضرت فاطمہ رضی
اللہ عنہا اس پر خوش ہو گئیں اور عہد و پیمان لے لیا۔ حضرت ابو بکر اہل بیت کو فدک سے
راشن دیتے تھے اور بقیہ فقراء مسکینوں اور مسافروں میں بانٹ دیتے تھے"۔

مگر اس قسم کے عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متصور نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں بیک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں

مگر ہاں شاید کسی محقق کو یہ سوجھے کہ اَزواجِ مطہرات میں سے چار منکوحہ ہوں باقی
متعی ہوں یا چار حرہ ہوں باقی منجملہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ہوں۔ یا زماں واحد میں چار
سے زائد نکاح نہ کئے ہوں۔ ہاں علی السبیل التعاقب زیادہ کی نوبت آئی ہو۔ مگر ایسا
کون ہوگا جو اس دام فریب میں آ جائے۔ کون نہیں جانتا کہ نہ حضرت خاتم النبیین صلی
اللہ علیہ وسلم نے کبھی متعہ کیا نہ ائمہ اطہار میں سے کسی نے یہ کام کیا۔ بایں ہمہ چار سے
زیادہ میں گنائے دیتا ہوں جو باتفاق حرہ تھیں متعی نہ تھیں اور پھر زمانِ واحد مجتمع تھیں
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ
عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ
عنہا، حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا یہ سب کی سب منکوحہ بھی تھیں اسلئے احتمالات ثلاثہ
میں سے ایک بھی نہیں چل سکتا۔

اس کے بعد شاید کوئی مجتہد العصر آیت
"یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ (سورۃ الاحزاب، آیت ۵۰)"

ترجمہ: "اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا ہے"۔
کے بھروسہ تخصیص عموم خطاب فانکحوا یا نسخ کا خیال پکائے مگر وہ آیت تو دُور ہے چوتھا سیپارہ اور اِکیسویں پارہ میں بہت فاصلہ ہے۔ آیت فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ اگر ربع اخیر پارہ چہارم میں ہے تو" وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ" اوّل پارہ پنجم میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ عموم کلمہ ما بہر حال عموم کلمہ ازواج وغیرہ کلمات مندرجہ ذیل خطاب " یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ " سے کہیں زیادہ ہے سو اگر آیت " یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ "مخصص یا ناسخ حکم "فَانْکِحُوْا مَا طَابَ" ہے تو آیت " وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ" بدرجہ اَولیٰ مخصص یا ناسخ حکم "فَانْکِحُوْا مَا طَابَ" ہوگی۔

سورت نساء کا اوّل رکوع سورت فاتحہ کی طرح گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے

ہاں ایک صورت نجات ہے وہ یہ ہے کہ جیسے سورت فاتحہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی طرف سے تصنیف کر کے ان کے حوالے کر دی ہے تا کہ وقت حضور دربار یعنی وقت اداء نماز اس طرح سے آداب مجرا بجالایا کریں ایسے سورت نسآء کو یوں سمجھو کہ خداوند کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک وعظ و پند تصنیف کر کے آپ کے حوالے کر دیا تا کہ وقت خطاب اُمت اس طرح کو سمجھائیں۔ غرض باعتبار تصنیف الحمد سے لے کر سورۃ والناس تک سارا کا سارا قرآن کلامِ خداوند رحمان ہے مگر باعتبار تکلم مقابل خطاب وغیبت سب خدا ہی کا کلام نہیں بندوں کا بھی کلام ہے سو جیسے کسی وکیل کا مسودہ عرضی جو اپنے کسی مؤکل کی طرف سے یا کسی منشی کا مسودہ جو کسی کی طرف سے مثلاً تحریر کرے یا کسی شاعر کا کسی عاشق و معشوق کی مثنوی میں ان کی گفتگو کو نظم

کرنا۔ اس وکیل اور اس منشی اور اس شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ان کا کلام کہلاتا ہے چنانچہ وقت مذاکرہ اکثر کہتے ہیں کہ یہ فلانے وکیل کی تقریر ہے اور فلانے منشی کی تحریر اور فلانے شاعر کا کلام ہے بایں ہمہ متکلم، مقابلِ مخاطب وہ موکل اور وہ جاہل اور وہ عاشق و معشوق ہوتے ہیں ایسے باعتبار انشاء وتصنیف ﴿ ترکیب وترتیب قرآن کو سمجھانے کے لئے یہ مروّجہ الفاظ استعمال کئے ورنہ قرآن کو انشاء وتصنیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ کلام قدیم ہے حدوث سے پاک۔ ۱۲۔ مہر محمد ﴾ تو قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام ہے مگر باعتبار تخاطب کہیں اپنا ہی کلام ہے کہیں کسی اور کا۔ سو سورۃ الحمد تو باعتبار تخاطب تمام جہان کا کلام سمجھئے۔

چنانچہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُوَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ الخ" اس پر شاہد ہے اگر باعتبار تخاطب نعوذ باللہ اس سورت کو کلام خداوندی سمجھئے تو یہ معنی ہوں کہ خدا بھی کسی کا بندہ ہے نعوذ باللہ منہا۔ خدا بھی نعوذ باللہ کسی کی عبادت کرتا ہے خدا بھی کسی سے مدد مانگتا ہے خداتعالیٰ بھی کسی سے طالب ھدایت ہے علیٰ ہذاالقیاس آیت:

"وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَاوَمَاخَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ" (سورۃ مریم، آیت ۶۴)

ترجمہ: "اور ہم نہیں اُترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے بیچ میں ہے"۔

باعتبار تخاطب فرشتوں کا کلام ہے چنانچہ قرینہ بامر ربک ہے اور قصہ شانِ نزول اس پر دلیل کامل ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس سورۃ "نسآء" اوّل تو تمام وکمال ورنہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ تک تو بالضرور باعتبار تخاطب کلام حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اوّل تو وہی قرینہ فَانْکِحُوْا اس پر شاہد ہے اگر باعتبار تخاطب کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہئے کلام خدا کہئے تو پھر اوّل درجہ کے معصوم کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا ضرور ہو کہ وہ سب سے بڑھ کر نعوذ باللہ منہا فاسق وفاجر وعیاش تھے۔ دوسری ندا یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ میں "رَبَّکُمْ" کو غائب رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر کلام کے لئے ایک متکلم اور ایک مخاطب

مغایر یکدگر ہوتا ہے اور اگر غائب بھی ہوتا ہے تو وہ بھی مغایر حقیقی ہوتا ہے۔ غرض یہ تینوں مفہوم ایک مصداق میں مجتمع نہیں ہو سکتے اور ان تینوں میں اتحاد متصور نہیں سو قرینہ نبوت "رَبُّکُم" خود اس پر شاہد ہے۔ کہ خداوند کریم باعتبار تخاطب متکلم نہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کا احتمال نہیں۔ کیونکہ ادھر تعیین غیر پر نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیامبر ہونا اس بات کے لئے خواستگار کہ بعد خداوند کریم باعتبار تخاطب اس کلام کے متکلم درحالت عدم قرینہ اگر ہو سکتے ہیں تو حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں مگر یہی بات بعینہٖ جملہ "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ" میں سمجھ لیجئے اس جملہ میں بھی یُوْصِی صیغہ غائب اللہ کے لئے ہے اور پھر قرینہ دوام حیات اور عدم زوال علاقہ زوال فیما بین رُوح و جسمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے لئے عمدہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطاب میں داخل نہیں اور جب آپ مخاطب نہیں ادھر خدا غائب بمعنی مقابل متکلم و مخاطب، تو متکلم سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کون ہوگا غرض وجوہ ظاہرہ اس بات پر گواہ ہیں کہ باعتبار تخاطب یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک اور اَرواح اُمت میں متعدد وجوہ تفاوت کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب نہیں

اور باعتبار اصل کنہ کے دیکھئے تو حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب ہو بھی نہیں سکتے۔ میراث کا حال تو معلوم ہی ہو گیا نکاح کی بات سنئے وہاں بھی وہی دوام حیات مانع ورود خطاب ہے۔ یعنی جب آپ منبع فیضِ روحانیت و حیات ہوئے اور اُمت کی اَرواح کے لئے آپ کی رُوح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم منشاء انتزاع اور علت اور مؤثر ہوئی اور اَرواح اُمت، فیض اور انتزاعیات اور معلول اور اَثر ٹھہرے۔ تو پھر آپ کی رُوح کو اُمت کی اَرواح میں وہ نسبت تجانس نہ ہوگی جو فیما بین اَرواح اُمت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ افراد جنس واحد اگر باہم مساوی نہ ہوں تو بعد کمی

وبیشی تعداد یا اوزان یا مساحت جو کچھ وہاں بن پڑے تساوی حاصل کر سکتے ہیں۔ پر فیوض وانتزاعیات وآثار ومعلومات کو منبع فیض اور منشاء انتزاع اور موثر اور علت کے برابر کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ایک دھوپ دوسری دھوپ کے برابر نہ ہو تو بعد تسویہ ہر دو میدان اور رفع موانع آمد نور وغیرہ کے دونوں برابر کر سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بڑی سطح سے چھوٹی سطح کے برابر قطع کر سکتے ہیں اور چھوٹی سطح کو بعد اضافہ جسم بڑی سطح کے برابر بنا سکتے ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ سارے جہاں کی دھوپیں ایک نور آفتاب کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ علیٰ ہذا القیاس وجود تمام کائنات ایک وجود خالق عالم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جب تساوی کا حال معلوم ہو گیا کہ کہاں ہو سکتی ہے کہاں نہیں ہو سکتی تو آگے سنئے

باعتبار لغت بھی زوجیت طرفین کے تساوی کو چاہتا ہے

مفہوم زوجیت وازواج باعتبار لغت بھی انقسام بمتساویین کو مقتضی ہے اور باعتبار شرع بھی تساوی طرفین کا خواستگار۔ چنانچہ آیت "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۸)" اس پر شاہد ہے اور ادھر دیکھا تو نکاح و اَزواج سے حسن معاشرت مطلوب۔ چنانچہ آیت:

" وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً. " (سورۃ الروم، آیت ۲۱)

ترجمہ: "اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیئے، تمہارے واسطے تمہاری قسم کے جوڑ کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی"۔

سے اہل فہم کو یہ بات عیاں ہے۔ آخر حُسنِ معاشرت میں بجز انس باہمی جو حاصلِ سکون مشارٌ الیہ اور مودّۃ مذکورہ ہے اور کیا ہوتا ہے۔

نکاح میں مطلوب حسن معاشرت ہے جو کمالات علمی اور عملی کا نتیجہ ہے

مگر مرجع کار حسن معاشرت دیکھا تو اخلاق کی طرف ہے اور اخلاق حاصل ضرب

قوتِ علمیہ اور قوتِ عملیہ کا نام ہے۔ اس لئے کہ اخلاق کے تحلیل کرنے سے سوا اس کے اور کیا نکلتا ہے۔ رحمت و غضب کو دیکھئے تو بجز اس کے کیا ہے کہ کسی کی شکستہ حالی یا مخالفت کے علم کے باعث ادھر سے عمل داد و دہش یا ضرب و سرزنش ہوتا ہے۔ اسلئے مساوات مشتہ الیہ جو مقتضائے زوجیت و اَزواج تھا باعتبار حاصل ضرب قوت علمیہ و قوت عملیہ ہوگا۔

یا اس مضمون کو یوں تعبیر کیجئے کہ مساوات جسمانی تو مراد ہی نہیں باعتبار وزن ہو یا باعتبار پیمائش۔ اگر مراد ہے تو باعتبار رُوحانیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کمالاتِ روحانی یا علمی ہیں یا عملی یا ان دونوں سے مرکب اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود وہ حاصل ترکیب ہر دو کمال ہے نہ علم خالی از عمل مطلوب ہے ورنہ حسن معاشرت اور اعمال عبادات وغیرہ کے کیا معنی تھے اور نہ فقط عمل خالی از علم جیسے افعال لا یعنی اور حرکات بے معنی یا اعمال منافقین و اہل تمسخر ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم عظمت خداوندی وغیرہ ان اعمال کے ساتھ مضموم نہیں ہوتا ورنہ اس قسم کے اعمال مکروہ یا مردود نہ ہوا کرتے۔ لیکن حاصل کمالات علمی و کمالات عملی اخلاقی ہوں یا اِرادہ و نیت ہو یا اعمال ظاہرہ جو بشرط اخلاص صادر ہوئے ہوں۔ سب کے سب حاصل جمع کمالات مذکورہ تو نہیں ہو سکتے اس لئے کہ حاصل جمع عین مجموعہ اجزاء ہوا کرتا ہے اور یہاں ظاہر ہے کہ یہ سب اُمور مذکورہ غیر ہیں نہ عین اس صورت میں بجز اس کے کہ حاصل ضرب کہیے اور کیا کہیے کیونکہ دو زیادہ سے ملا کر اگر کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کی یہی دو صورتیں ہیں جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے چلئے۔

کمالات علمی و عملی مردوں میں بدرجہ اتم اور عورتوں میں اسکا نصف پائے جاتے ہیں

مخدوم من! کمالات علمی ہوں یا عملی بہر حال مردوں کا حصہ دونا ہے اور عورتوں کا (مردوں سے) آدھا ہے۔ دلیل اس دعویٰ کی اوّل تو یہی آیت ہے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ کیونکہ یہ آیت اگر چہ بیان میراث میں نازل ہوئی ہے۔ کچھ میراث کی تخصیص نہیں فرمائی عموم الفاظ پر نظر چاہیے خصوص شان نزول پر خیال نہ چاہیے۔ چنانچہ اہل علم خوب جانتے ہیں اور عوام اگر نہیں جانتے تو ان کیلئے اتنا اشارہ کافی ہے کہ اگر دو آدمیوں

میں دس بیس گاؤں مشترک ہوں اور سب میں ایک ہی سا ہر ایک کا حصہ ہو تو اس صورت میں اگر ایک گاؤں میں سے کچھ غلہ آئے تو کارکن بوجہ ناواقفیت مقدارِ حصص اگر کسی واقف سے ہر ایک کے حصہ کی مقدار پوچھے تاکہ اس کے موافق تقسیم غلہ میں کاربند رہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ شخص ہر ایک کا حصہ بتلائے گا تو اس کا یہ بتلانا ہر دفعہ کے لئے اور ہر ایک گاؤں کی آمدنی کے لئے کافی ہوگا اور فقط اسی دفعہ کے لئے نہ سمجھا جائے گا۔

آیت میں مرد وعورت کے جسم کی مقدار سے بحث نہیں بلکہ ان کے حصص سے بحث ہے اور ذَکر وَ اُنثیٰ کا اطلاق رُوح وجسم دونوں پر ہوتا ہے

باقی کوئی صاحب اگر مقدار جسم زن ومرد میں اِس حساب کو درست نہ پائیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ گفتگو دربارہ حظ ذکر وحظ اُنثیٰ ہے خود ذکر واُنثیٰ میں یہ حساب نہیں اور ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر واُنثیٰ جیسا روح پر کیا جاتا ہے ایسا ہی جسم پر بھی یہ اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ احکام روحانی وجسمانی اور افعال واحوال رُوحانی وجسمانی میں یکساں فرق صیغہ مذکر ومؤنث ملحوظ رہتا ہے۔ قَامتْ اور قَعَدَت اور فَرِحَتْ اور حَزِنَتْ یا عَلِمَتْ اور اَرَادَتَا گر عورت کے لئے بولتے ہیں تو قام، قَعَدَ، فَرِحَ، حَزِنَ یا عَلِمَ اور اَرَادَ مرد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مگر کون نہیں جانتا کہ قیام وقعود، احکام وافعال واحوال جسمانی میں سے ہیں۔ اور فرح اور حزن اور علم و اِرادہ، واحکام واَحوال وافعال رُوحانی میں سے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر واُنثیٰ رُوح وجسم دونوں پر برابر شائع ہے۔ اس لئے ان دونوں کو اس حساب سے علیحدہ رکھ کر ان کے حقوق میں گفتگو کرنی چاہئے اور اسے بھی جانے دیجئے خاص علم وعمل میں عورتوں کا مردوں سے کم ہونا عقل ونقل دونوں سے سب کے نزدیک مسلّم۔ یہاں تک کہ عورتوں کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا حدیثوں میں مصرح اور زبانوں پر جاری۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"مَا رَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰیکُنَّ"۔ (بخاری ص۴۴، ج۱۔ مسلم ص۶۰، ج۱)

ترجمہ: ''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر عقلمند کی عقل کو اُڑانے والیاں نہیں دیکھی ہیں حالانکہ تم عقل اور دین میں بھی ناقص ہو''۔

ادھر در بارہ شہادت کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے:

''وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى'' (سورۃ البقرہ، آیت ۲۸۲)

ترجمہ: ''اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دِلا دے اس کو وہ دوسری''۔

سو اس سے بھی یہی نقصان عقل بقدر نصف ثابت ہوتا ہے کیونکہ ضلالت اصل میں صفت عقلی ہے علیٰ ہذا القیاس تذکر بھی صفات علمیہ اور عقلیہ میں سے ہے اس صورت میں حاصل یہ ہوا کہ نقصان عقل کے باعث عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی رکھی گئی۔ چنانچہ اسی بناء پر یہ صورت پیش آئی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مسطور بالا اعنی ما رایت من ناقصات عقل و دین الخ کو سن کر عورتوں نے یہ عرض کیا:

مَا نُقْصَانُ عَقْلِنَا وَدِيْنِنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْاَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ الرَّجُلِ " (بخاری ص ۴۴ ج ۱، مسلم ص ۶۰ ج ۱)

ترجمہ: ''ہماری عقل اور دین میں اے رسول اللہ کیا کمی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عورتوں کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی ہے''۔

اس پر عورتوں نے اقرار کیا تو پھر یہ فرمایا ''**فذالک من نقصان عقلها**''۔ یعنی یہ گواہی کا آدھا ہونا نقصان عقل ہی کے سبب ہے۔ الغرض آیت مذکورہ اور حدیث مسطور کو ملایئے تو یہ بات بوسیلۂ حدیث اسی آیت سے نکل آتی ہے کہ عورتوں کی عقل مردوں کی عقل سے آدھی ہے اور جب عقل یعنی کمالات علمی میں تناصف تو کمالات عملی میں آپ تناصف ہوگا۔

افعال اختیاریہ علم وعقل سے پیدا ہوتے ہیں

وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال اختیاریہ کا صدور یا بوجہ شوق ومحبت ہوتا ہے یا باعث نفرت و خوف یعنی عاقل جب کوئی حرکت باختیار خود کرتا ہے تو اس میں یا کوئی نفع سوچ لیتا ہے یا کوئی اندیشہ اس کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ سو اس کا حاصل وہی شوق اور محبت ونفرت ہے۔ سو ان دو صورتوں کے عاقل کے افعال کے لئے اور کوئی صورت نہیں مگر شوق وخوف اور محبت ونفرت بقدر علم منافع ومضار ہونا ظاہر ہے کہ مردِ دانا شیر اور سانپ سے ڈرتے ہیں اطفال شیر خوار نہیں ڈرتے وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہاں علم وعقل ہے یہاں نہیں چنانچہ آیت قرآنی:

"اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (سورۃ فاطر، آیت ۲۸)

ترجمہ: "اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے"۔

سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے کہ خوف بقدر علم ہوتا ہے۔

تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے

الغرض بعد تسلیم تناصف فی العقل اقرار تناصف فی العمل آپ لازم ہے ادھر کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے:

"وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِىٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" (سورۃ الزخرف، آیت ۷۲)

ترجمہ: "اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے ان کاموں کے جو کرتے تھے"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مدار کار حصول جنت عمل پر ہے اور حدیثوں سے یوں معلوم ہوتا ہے ہر مرد جنتی کے پاس دنیا کی دو عورتیں بطور ازواج ونکاح ہوں گی۔ غرض جہاں ایک مرد ہوگا وہاں دو عورتیں ہوں گی اس سے بھی وہی بات نکلتی ہے کہ دو عورتیں مل کر عمل میں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔ بہر حال تناصف فی العقل اور تناصف فی کمال العمل واجب التسلیم ہے۔

بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم وعمل میں فوقیت رکھنا اسبابِ خارجیہ کی بناء پر ہوتا ہے

رہی یہ بات کہ بعض مرد کم عقل ہوتے ہیں اور بعض عورتیں عاقلہ ہوتی ہیں۔ علی

علیٰ ہذاالقیاس بعض مرد فاسق اور بعض عورتیں دیندار ہوتی ہیں اس قاعدہ میں رخنہ گر نہیں ہو سکتی کیونکہ اسباب و موانع خارجیہ سے اگر ظہور آثار ماہیت میں کمی بیشی آئی تو مراتب ماہیت اور قدر و قیمت ماہیت میں تبدل نہیں آ سکتا۔ مثلاً اگر کسی آئینہ میں گرد و غبار واقع ہو اور کوئی چینی کی رکابی طشتری صاف مصفّٰی ہو اور اس وجہ سے ظہور نور آفتاب بہ نسبت آئینہ مشارٌ الیہ رکابی مذکور میں زیادہ ہو۔ تو صفائی میں رکابی آئینہ سے زیادہ نہ سمجھی جائے گی۔ بالجملہ نقصان عقل زنان مقتضاء مادہ انوثت ہے اور زیادتی عقل مردان اقتضاء مادّہ مذکورہ (ذکورۃ) ہے۔ چنانچہ الف لام کا لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ میں لام جنس ہونا بھی اس پر شاہد ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس دین کا قصہ سمجھئے سو اگر بالفرض والتقدیر کسی فرد ذَکَرَ میں کمی اور کسی فرد اُنثٰی میں زیادتی نظر آئے تو قاعدہ مذکورہ کے کلیہ ہونے میں اس سے کچھ رخنہ نہیں پڑتا۔

چار عورتوں کا ایک مرد کے حق میں زوج کامل قرار پانے کی حکمت

ان سب مراتب کے طے ہو جانے کے بعد یہ گذارش ہے کہ جب عقل و عمل میں عورتیں مردوں سے آدھی ہیں اور پھر مرد عورت میں ان دونوں کمالوں کا حاصل ضرب مطلوب ہے خود یہ دونوں کمالات مذکورہ زنان بہ نسبت حاصل ضرب کمالات مذکورہ مرداں بقدر ربع ہے کیونکہ نصف کو نصف سے ضرب دیجئے تو یہی ربع (۱/۴) حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے ایک عورت ایک مرد سے (نکاح میں) بقدر ربع سمجھی گئی اور چار عورتیں مل کر اس کے حق میں زوج کامل قرار پائیں۔ مگر چونکہ ہر کسی کو اپنے حق کے نہ لینے یا اپنے حق کے چھوڑ دینے کا اختیار ہوتا ہے اور اپنے حق سے زیادہ لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس لئے مرد نکاح نہ کرنے اور چار سے کم نکاح کرنے کا مجاز اور مختار رہا۔ پر چار سے زیادہ اختیار اس کو نہ ملا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کی عورتوں کی نسبت مقدار علم و عمل میں بمنزلہ مصدر اور صادر، منشاء اور وصف انتزاعی کے ہیں

لیکن یہ بات بھی یاد ہوگی کہ اُمت کی چار عورتیں مل کر اگر اُمت کے ایک مرد کے مساوی ہو جاتی ہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ باہم اصل مرد و زن اُمت میں تجانس تھا۔ اگر فرق

تھا تو فرق مقدار تھا جس کے رفع کرنے کے لئے عورتوں کی جانب عدد اربع کی ضرورت پڑتی اور ذات پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور زنان اُمت میں اس قسم کا فرق نہ تھا جس کو مقدار زنان کا کم وبیش کر دینا رفع کر سکے بلکہ وہ فرق تھا جو مصدر اور صادر اور علت اور معلول اور منشاء انتزاع اور وصف انتزاعی میں ہوا کرتا ہے اور تجانس میں وہی تجانس تھا جو حقائق مذکورہ میں باہم ہوا کرتا ہے۔ یعنی وہ تجانس جواز دواج اور زوجیت کے لئے ضرور ہے چنانچہ مفہوم زوجیت ہی اس پر شاہد ہے از قسم تجانس مرداں وزنانِ اُمت نہ تھا بلکہ از قسم تجانس علت ومعلول وغیرہ تھا۔ غرض وجہ فرق فیما بین حضرت شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مردانِ اُمت مرحومہ دربارہ تعدد ازواج یہ ہے کہ وہاں اور طرح کا تجانس ہے یہاں اور طرح کا تجانس ہے۔ یہاں تعداد زنان کی کمی بیشی موجب تساوی ایک مرد چار زن ہو سکتی ہے اور وہاں اس سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ ایک علت اور ایک منشاء انتزاع کے مقابلے میں سارے معلول اور تمام انتزاعیات بھی درجہ تساوی نہیں رکھتے۔ ایک آفتاب کے آگے سارے جہاں کی دُھوپیں گرد ہیں۔ ہاں یوں کہئے کہ آفتاب یا کُرہ شعاعی کا جوڑا اگر مل سکے ہے تو دُھوپوں سے ہی مل سکے ہے چاند کی چاندنیوں اور آگ کی گرمیوں سے نہیں مل سکتا غرض اگر علت اور منشاء انتزاع کا نکاح اور ازدواج ہو سکتا ہے تو بشرط قابلیت اپنے معلولات اور انتزاعیات ہی سے ہو سکتا ہے اور کسی علت یا اس کی معلولات یا اور کسی منشاء انتزاع یا اس کی انتزاعیات یا کسی اور مصدر اور اس کی صادرات سے نہیں ہو سکتا۔

مگر جیسے اس صورت میں یہ فرق فیما بین حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مردمان اُمت مرحومہ، معلوم ہوا ایسے ہی فرق دوام حیات حضرت سید الکائنات علیہ و علیٰ آلہٖ افضل الصلوات والتسلیمات وعدم دوام حیات ہے۔ کیونکہ دربارہ کمالات روحانی آپ کا علت اور منشاء انتزاع اور مصدر ہونا جیسا اس بات کو مقتضی ہے کہ آپ کو دربارہ نکاح حد اربع میں محدود ومقید نہ رکھیں۔ ایسے ہی آپ کا علت اور منشاء انتزاع اور مصدر ہونا اس بات کو مقتضی ہے۔ آپ کی حیات رُوحانی اور حیات جسمانی دونوں قائم دائم رہیں کبھی انفکاک وزوال کی نوبت نہ آئے۔

حاصل کلام

اس صورت میں خطاب فَانْكِحُوا اور خطاب "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ" آپ کو بطور مسطورِ سابق خارج رکھنا اور ان احکام میں تفاوت معلوم کا ہونا ایک ہی وجہ پر مبنی اور متفرع ہیں۔ مگر چونکہ نکاح حاجاتِ حیات اور میراث اتفاقات ممات میں سے ہے اس لئے اوّل کو اوّل رکھا اور دوم کو دوم ذکر کیا۔ اس تقریر سے بطلان مقدمہ ثانی منجملہ مقدمات ثلاثہ بھی۔ بعد تنقیح میراث کے لئے کہ اوّل ان کا ثابت ہونا ضروری تھا۔ روشن ہو گیا۔ یعنی یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ خطاب "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور جب آپ اس خطاب میں داخل ہی نہیں تو پھر شیعوں کو طعنِ میراث کی کیا گنجائش ہے جو اہل سنت کو فکر جواب۔

بناءِ میراث کی تیسری شرط کا فقدان

مگر ہاں مقدمہ ثالثہ ہنوز قابل تحقیق ہے۔ اس لئے کسی قدر اور تکلیف تحریر کی حاجت ہے۔

فدک مال فئے تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص مِلک نہ تھا

یعنی اب اس بات کی تنقیح ضروری ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی فدک مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا یا نہ تھا۔ سو ہم سے پوچھئے مگر گوش ہوش سے سنئے اور پنبہ غفلت سے اور چرک تعصب سے گوش عقل کو اوّل پاک کر لیجئے۔ بشہادت کُتب فریقین قریہ فدک منجملہ فئے تھا منجملہ غنیمت نہ تھا اور بشہادت قرآنی زمین فئے منجملہ اَموال غیر مملوکہ ہوتی ہے کسی کی مِلک اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتی۔ سُنیوں کے لئے نووی شرح مسلم کی عبارت اور شیعوں کے لئے کلینی کی روایت اس کے ہونے کیلئے کافی ہے۔

اوّل اہل سنت و جماعت کو شاد کام کرتا ہوں۔ پھر شیعوں کی آنکھیں کھولی جائیں گی۔

(فدک مال فئے ہے اہل سنت سے اس کا ثبوت)

علاوہ نووی رحمۃ اللہ علیہ جلد ثانی شرح مسلم کے باب حکم الفئی میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"قال القاضی عیاض فی تفسیر صدقات النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم المذکورة فی هذه الاحادیث قال صارت الیه بثلاثة حقوقٍ احدها ما وهب له صلی اللّٰه علیه وسلم و ذلک وصیة مخیریق الیهودی له عند اسلامه یوم احد و کانت سبع حوائط فی بنی النضیر وما اعطاه الانصار من ارضهم و هو ما لا یبلغه الماء و کان هذا ملکا له صلی اللّٰه علیه وسلم الثانی حقه من الفئی من ارض بنی النضیر حین اجلاهم کانت له خاصة لانهالم یوجف علیها المسلمون بخیل ولا رکاب واما منقولات اموال بنی النضیر فحملوا منها ما حملته الابل غیر السلاح کما صالحهم ثم قسم صلی اللّٰه علیه وسلم الباقی بین المسلمین وکانت الارض لنفسه ویخرجها فی نوائب المسلمین و کذلک نصف ارض فدک صالحا اهلها بعد فتح خیبر علٰی نصف ارضها وکان خالصًا له صلی اللّٰه علیه وسلم وکذلک ثلث ارض وادی القریٰ اخذه فی الصلح حین صالح اهلها الیهود و کذلک حصنان من حصون خیبر وهما الوطیخ و اسلالم اخذهما صلحًا الثالث سهمه من خمسه خیبر وما افتتح عنوةً ﴿اخیر عبارت یہ ہے O فکانت هذه کلها ملکا لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خاصةً لا حق فیها لاحدٍ غیره لکنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان لا یستأثر بها بل ینفقها علٰی اهله والمسلمین وللمصالح العامة وکل هذه صدقات محرّمات التملک بعده. واللّٰه اعلم (شرح مسلم ص ۹۲، ج ۲) ...... (ترجمہ) یہ سب اموال و اراضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملکیت تھیں کہ ان میں کسی کا حق نہ تھا لیکن حضور علیہ السلام علی الخصوص خود خرچ نہ کرتے تھے بلکہ اپنے عیال پر اور مسلمانوں پر اور ضروریات عامہ میں خرچ کرتے تھے یہ کل صدقات وہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کا (بطور وارث و موصی لہ) مالک بننا ناجائز ہے۔) انتهی مقام الحاجة (نووی شرح مسلم ص۹۲، ج۲) عبارت کے آخری الفاظ محرمات التملک بعدہ مدعٰی پر واضح دلیل ہیں اور یہ کہ ملکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد خصوصی حق تصرف ہے۔ ۱۲۔ مہر محمد۔﴾

ترجمہ: ’’قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں مذکور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقات کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کئے گئے جیسے مخیریق (سابق) یہودی نے اُحد کے دن اسلام لاتے وقت جائیداد کے ہبہ کی وصیت کردی تھی وہ بنونضیر میں سات باغ تھے۔ اور جو کچھ انصار نے پانی سے سیراب نہ ہوسکنے والی زمین آپ کو ہبہ کردی تھیں اور یہ آپ کی ملکیت تھیں۔ آپ کے حق کی دوسری قسم بنونضیر کا وہ مال فئے (جائیداد) ہے جب ان کو جلا وطن کیا تھا یہ آپ کا خاص تھا کیونکہ مسلمانوں نے ان پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ لشکر کشی کی تھی۔ رہے بنونضیر کے اَموال منقولہ۔ تو ہتھیاروں کے علاوہ بنونضیر نے اُونٹوں پر لادا۔ جتنی مقدار اُونٹ اُٹھا سکتے تھے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کی تھی۔ اور باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم کردیا اور زمین اپنے قبضے میں رکھی۔ اور آپ اس کی پیداوار کو مسلمانوں کی مشکلات میں خرچ کرتے تھے۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد فدک والوں نے آدھی زمین بطور صلح دے دی وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خالص قبضے میں تھی اسی طرح وادی قریٰ کا تہائی آپ کے پاس تھا جو یہودیوں نے بطور صلح دیا تھا۔ اسی طرح خیبر کے قلعوں میں سے دو قلعے ’’وطیح‘‘ اور ’’اسلالم‘‘ بطور صلح آپ نے لئے تھے۔ آپ کا حصہ سوم خیبر کا خمس تھا اور ان کا خمس جو علاقے شوکت وغلبہ سے فتح ہوگئے تھے‘‘۔

اس عبارت سے صاف روشن ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی زمین فدک منجملہ اموال و اراضی فئے تھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خریدی ہوئی یا کسی کی ہبہ کی ہوئی نہ تھی اور ہماری غرض اس وقت اتنی ہے کہ زمین فدک منجملہ اراضی فئے ہے مگر چونکہ اس بات کا ثابت کرنا کہ فدک منجملہ فئے تھی اس غرض سے تھا کہ فدک کو مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے جو میراث کا احتمال ہو یا ہبہ کا کسی کو خیال ہو۔

چنانچہ ان شاء اللہ عنقریب ہی یہ عقدہ حل ہوا چاہتا ہے تو بہ نسبت حقوق خمس بھی اب کسی کو خیال ملک کی گنجائش نہ رہے گی کیونکہ مصارف خمس اور مصارف فئے ایک ہی ہیں۔ ادھر انداز بیان ایک ہے۔ فئے میں اگر تین لام (داخل بر مستحقین) تھے تو یہاں

بھی وہی تین لام آیت میں موجود ہیں۔ دیکھ لیجئے:

"وَاعْلَمُوْآ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ "(سورۃ الانفال، آیت ۴۱)

ترجمہ: "اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے"۔

غرض وہ دلائل جن سے فئے کا غیر مملوک ہونا ثابت ہوگا انہیں دلائل سے خمس کا غیر مملوک ہونا نکلتا ہے۔ ہاں بہ نسبت اَموال موہوبہ البتہ یہ خیال بجا ہے لیکن اَوّل تو بعد ثبوت حیات جسمانی حضرت رسول الثقلین وظہور خصوص خطاب "یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ" بہ نسبت اُمت مرحومہ مملوکیت اَموال موہوبہ وغیرہ شیعوں کو کچھ مفید نہیں۔ بایں ہمہ ہم سے ظاہر بین اگر اسے ہی مِلک ومحل میراث سمجھیں تو سمجھیں پر حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مِلک کو اَوّلاً و بالذات اپنی مِلک نہیں سمجھ سکتے ورنہ ان کی وہ حقیقت شناسی پھر کس دن کے لئے ہوگی۔

بوجہ کمال عقل انبیاء علیہم السلام اپنے مقبوضہ اَموال کو مال مستعار سمجھتے ہیں اور مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہوتی

اَوّل تو یہ بات کہ مِلک خداوندی اور مِلک عباد میں وہ نسبت ہے جو مِلک مالک اصل اور قبضہ مستعیر میں ہوتی ہے دیکھنے والوں کو ان اوراق سے عیاں ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات انبیاء پر خاص کر سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح واضح تھی جیسے آفتاب نیم روز پھر وہ کس طرح اَموال مقبوضہ کو اپنا مال سمجھیں جو حقوق ورثہ کی اس میں گنجائش نظر آئے یہ بات اپنے مال میں ہوتی ہے مال مستعار میں نہیں ہوتی۔ ہاں اُمتیوں کی نظر ایسی تیز نہیں ہوتی جو ایسے حقائق دقیقہ کو سمجھیں وہ اس بات میں مثل اطفال خوردسال ہوتے ہیں۔ کہ کسی بڑے بیگانے کی چیز بھی ہاتھ آ جاتی ہے

تو آپ سے دینا تو کجا مالکِ چیز بھی اگر لینا چاہے تو وہ گریہ زاری کریں۔ جس سے مالک ہی کو چشم پوشی اور ترک طلب کرنی پڑے۔

بالجملہ بوجہ کوتاہ نظریٔ اُمت۔ خداوند کریم چشم پوشی فرماتے ہیں اور میراث کے جاری ہونے سے منع نہیں فرماتے۔ ہاں انبیاء کو بوجہ کمال عقل ایسی ہٹوں کی گنجائش نہیں جو ان کے لواحق تک پہنچے علاوہ بریں ہبہ مخیّریق یہودی بوجہ اعتقاد رسالت تھا۔ اس صورت میں یہ ہبہ حقیقت میں نظر خداوندی ہوا اور وہی حاصل نکل آیا جو بہ نسبت اَموال فیئے باشارہ کلمہ فَلِلّٰہِ معروض ہو چکا ہے الغرض جیسے یہ اطفال خوردسال کو ان کے والدین کی وجہ سے اگر کچھ ہبہ کیا جاتا ہے تو ان کے والدین ہی کی مِلک سمجھا جاتا ہے ایسے ہی ہبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ اعتقاد مذکور نذر خداوندی سمجھا جائے گا۔

فدک مال فیئے ہے۔ شیعہ سے اس کا ثبوت

خیر یہ بات تو ہو چکی اب عبارت کلینی بھی دیکھئے جس سے فدک کا فیئے ہونا شیعوں کو اپنے اعتقاد کے موافق بھی ظاہر ہو جائے تو دفع الزامِ شیعہ کے لئے اہل سنت کو اپنی ہی روایات کافی نہیں اور قبل ثبوت غلطی روایات محدثان و مؤرخانِ اہلِ سنت پھر شیعوں کو گنجائش دمزدنی نہ تھی۔ کلینی کے باب الفیٔ والانفال وتفسیر الخمس وحدودہ میں یہ روایت ہے۔

عن علی بن محمد بن عبداللّٰہ عن بعض اصحابنا و اظنه السیّادی عن علی بن اسباط قال لما ورد ابوالحسن موسٰی علیه السلام علی المهدی رآه یرد المظالم فقال یا امیر المؤمنین مابالُ مظلمتنا لا ترد فقال له وما ذاک یا اباالحسن قال ان اللّٰه تبارک وتعالٰی لما فتح علٰی نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم فدک وما والاها لم یوجف علیه بخیل ولا رکاب فانزل اللّٰه علٰی نبیه واٰتِ ذا القربٰی حقه فلم یدر رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من هم فراجع فی ذٰلک جبریل علیه السلام و راجع جبرئیل ربه فاوحی اللّٰه الیه ان ادفع فدک الٰی فاطمة علیها السلام فدعاها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه

وسلم فقال لها يا فاطمة ان الله امرلي ان ادفع اليكِ فدک فقالت قد قبلت يا رسول الله من الله و منک فلم يزل وكلا ؤها فيها حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما ولى ابوبكر اخرج عنها وكلاءَ ها فاتته فسألته ان يردها عليها فقال اِئتيني باسود واحمر يشهد لک بذٰلک فجاء ت بامير المؤمنين عليه السلامُ و اُم ايمن فشهد الها فكتب لها بترک التعرض فخرجت و الكتاب معها فلقيها عمر فقال لها ما هذا معکِ يا بنت محمد قالت كتاب كتبه لي ابن ابی قحافه قال ارنيه فابت فانتزعه من يدها و نظر فيه ثم تفل فيه ومحاه و خرقه فقال لها هذا لم يوجف عليه ابوک بخيل ولا ركاب فضعى الحبال في رقابنا فقال له المهدى يا اباالحسن حدها لي فقال حد منها جبل احد وحدّ منها عريش مصر وحد منها سيف البحر و حد منها دومة الجندل فقال له كل هذا قال نعم يا امير المؤمنين انّ هذا كله ممّا لم يوجف على اهله رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيل ولا ركاب فقال كثير انظر فيه. انتهى) (کافی کلینی ص۵۴۳ ج۱، مطبوعہ تہران)۔

ترجمہ: ''شیعہ سند سے روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم مہدی کے پاس یہ دعویٰ لے کر آئے کہ امیر المؤمنین ہمارا حق ہمیں کیوں نہیں دیا جاتا؟ مہدی نے کہا وہ کیا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر جب فدک اور اس کے مضافات کو فتح کیا جس پر مسلمانوں نے لشکر کشی نہیں کی تھی تو اللہ نے یہ آیت اپنے نبی پر اُتاری کہ رشتہ دار کو اس کا حق دو (حالانکہ یہ آیات مکی ہیں) تو حضور علیہ السلام نہ جان سکے کہ وہ رشتہ دار کون ہیں۔ پس مراجعت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جبرئیل علیہ السلام سے جبرئیل علیہ السلام نے اللہ سے جا کر پوچھا تو اللہ نے وحی بھیجی کہ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دو تو حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک تجھے دے دوں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اللہ اور آپ کی طرف سے قبول کرلیا۔ حضور کی زندگی میں حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل قابض رہے۔ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو ان وکیلوں کو بے دخل کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس لوٹانے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا کہ کالا اور گورا گواہ لاؤ۔ آپ امیر المؤمنین اور اُم ایمن کو لائیں انہوں نے گواہی دی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لکھ دیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فدک کے معاملے میں نزاع نہ کیا جائے آپ خط لئے آ رہی تھیں تو عمر رضی اللہ عنہ ملے تو پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا ابن ابی قحافہ نے لکھ کر دیا ہے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے تو دِکھاؤ آپ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھین لیا اور دیکھ کر اس میں تھوک دیا اور نوشتہ مٹا کر پھاڑ دیا اور کہا یہ وہ جائیداد ہے کہ اس پر آپ کے والد بزرگوار نے لشکر کشی نہیں کی تھی تو ہماری گردن میں رسی ڈال دے تو مہدی نے کہا اے ابوالحسن! مجھے فدک کی حد بندی بتائیں تو امام نے فرمایا ایک سرا اُحد کا پہاڑ ہے دوسرا مصر کا عریش ہے ایک کنارہ سیف البحر ہے اور دوسرا کنارہ دومۃ الجندل ہے (یعنی سلطنت عباسی کا تقریباً سارا رقبہ) مہدی نے کہا یہ سب؟ امام نے فرمایا ہاں اے امیر المؤمنین یہ سب وہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لشکر کشی نہیں کی تھی مہدی نے کہا یہ تو بہت ہے اچھا غور کروں گا۔ (انتہٰی)

اس ﴿شیعہ کی روایت مذکورہ اگرچہ بے سروپا ہے لیکن ہمارے لئے مفید مطلب ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین کی حدود مملکت کی وسعت اور عمدگی پر دلالت کرتی ہے۔۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی﴾ روایت بے سروپا ہے اگرچہ بطور مشتے نمونہ از خروارے حسن و خوبی دیگر روایات شیعہ عیاں ہے۔ اہل بیت کا فقر، دم وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ایسا (مخفی) نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ پھر اس پہ دعویٰ بحدود مذکورہ کرنا عمدہ سلطنت کا اس وقت اقرار کرنا ہے مگر ہم کو شیعوں کی تغلیط سے اس وقت کچھ ہاتھ نہیں آتا جو یوں کہئے کجا فدک کجا کجا یہ حدود؟۔ کجا اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کجا یہ ثروت؟ اس وقت ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاریب فدک منجملہ فئے اور از قسم مِمَّا لَمْ يُوْجَفْ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ ہے۔

اراضی فئے کسی کی مملوکہ نہیں بلکہ حسبِ ارشاد خداوندی اس کی آمدنی قابلِ مِلک ہے

لیکن جب قریہ فدک کا منجملہ اموال فئے ہونا بشہادت کتب فریقین ثابت ہوگیا تو اب اس بات کا اثبات باقی رہا کہ اراضی فئے قابل تعلق مِلک نہیں۔ البتہ مثل اوقاف ان کی آمدنی قابل تعلق مِلک ہے اس لئے یہ گذارش ہے کہ خداوند کریم اپنے کلام صادق میں یہ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ. وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ(٦) مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ. وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ(٧) لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ(٨) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(٩) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ م بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" (سورۃ الحشر، آیات ٦ تا ١٠)

ترجمہ: "اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ نے اپنے رسول پر ان سے سو تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور

رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے اور مسافر کے تا کہ نہ آئے
لینے دینے میں دولت مندوں کے تم میں سے اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے
منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ واسطے ان
مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے
مالوں سے ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی اور مدد کرنے کو اللہ کی اور
اس کے رسول کی وہ لوگ وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور
ایمان میں ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس
اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اُس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں
ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ ہو اپنے اُوپر فاقہ۔ اور جو کوئی بچایا گیا ہے اپنے جی کے لالچ
سے سو وہی لوگ ہیں مُراد پانے والے اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے
ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں
اور نہ رکھ ہمارے دِلوں میں بَیر ایمان والوں کا اے رَب تو ہی ہے نرمی والا مہربان"۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ میں کلمہ مَآ سے جائیداد غیر منقولہ مراد ہے

جو لوگ کہ سیاق وسباق آیات مسطورہ سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ
"مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ" سے مراد اراضی ہیں۔ اموال منقولہ نہیں کیونکہ ما ایک کلمہ مبہم ہے۔ غیر
ذوی العقول میں عام سے عام اور خاص سے خاص پر بول سکتے ہیں اگرچہ باعتبار
مفہوم کلمہ ما صلہ اس خاص کو کلی ہی کہیں مگر جیسے انحصار فی فرد واحد کلیت مفہوم کے
مخالف نہیں ایسے ہی خصوص مصداق کلمہ اس کے مفہوم کے عموم کے مخالف نہیں۔
بہرحال یہ کلمہ بذات خود مبہم ہے اس لئے صلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اگر صلہ سے
بھی بوجہ تام رفع ابہام نہ ہو سکے اور نہیں ہوا کرتا تو یقین تام کیلئے اور قرائن کی ضرورت
ہوگی اگر کوئی کسی کو روپیہ دے کر مَا اَعْطَیْتُکَ فَاَنْفِقْہُ عَلٰی عِیَالِکَ مثلاً کہے تو صلہ
مذکور سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ روپیہ دیا یا کچھ اور۔ ہاں قرائن خارجیہ سے البتہ یہ بات معلوم
ہوگی سو یہاں بھی صلہ "اَفَآءَ" سے تعیین حقیقت وماہیت معلوم نہیں ہوتی البتہ آیت

"هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ" (سورۃ الحشر، آیت ۲)

ترجمہ: "وہی ہے جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں ان کے گھروں سے"۔

اور آیت "يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ" (سورۃ الحشر، آیت ۲)

ترجمہ: "اُجاڑنے لگے اپنے گھر"۔

اور آیت "وَلَوْ لَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ" (سورۃ الحشر، آیت ۳)

ترجمہ: "اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلاوطن ہونا"۔

اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اراضی مراد ہیں اَموال منقولہ مراد نہیں۔

مال غنیمت اور مال فئے میں فرق

اس کے بعد یہ عرض ہے کہ آیت اُولیٰ میں جو یہ ارشاد ہے " فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ. الخ (الحشر، آیت ۶)" اہل فہم کو اس سے اتنا معلوم ہو گیا ہوگا کہ مہاجرین و انصار وغیرہ کا اس میں کچھ حق نہیں۔ یعنی جیسے لشکر کشی کی صورت میں بزور لشکر کچھ زمین مال وغیرہ ہاتھ آتا ہے اور اس وجہ سے غانمین اور غازیوں کا اس میں استحقاق ثابت ہو جاتا ہے ایسی طرح اَموال فئے کو نہ سمجھنا چاہیے۔

القصہ علتِ ملک یعنی قبضہ اگر بزور بازوئے لشکر حاصل ہو تو لشکر مال مقبوض میں شریک ہوگا۔ اور اگر لشکر کو نوبت جدوجہد نہیں آئی بلکہ فقط فضل خداوند قدیر کفیل قبض ہو گیا ہے تو پھر ملک خدا ہی کا رہے گا کسی اور کی ملک نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس وجہ سے انہی لوگوں کو اس کی آمدنی دینا ضرور ہوگا جو خدا کے نام پر بیٹھے ہیں اور اس کے نام پر لگے ہوئے ہیں۔

فئے میں مصارف کی تفصیل

چنانچہ آیت ثانیہ میں جو مصارفِ اَموال فئے کی تفصیل بیان فرمائی تو بعینہٖ یہ بات اس سے نکلتی ہے فرماتے ہیں:

"مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى ۔ الخ

"چونکہ خداوند کریم کھانے پینے کا محتاج نہیں۔ ادھر کوئی خاص مصرف مصارف خیر میں سے

ایسا نہیں کہ اسی کو خدا کا مصرف کہہ سکیں اور سوا اس کے اور مصارف خیر کو نہ کہہ سکیں اس لئے کلمہ فللّٰہ فقط اسی جانب مشیر ہوگا کہ اموال فئے ملک خاص خداوندی ہے یعنی باعتبار ظاہر جیسے اور اَموال کو جو بیع شراء وغیرہ اسباب ملک سے حاصل ہوں باوجود مملوکیت خداوندی اوروں کا مملوک بھی کہتے ہیں اسی طرح اَموال فئے میں سوا خداوند مالک الملک اوروں کی طرف انتساب درست نہیں ہاں اگر خداوند پاک نعوذ باللہ منہ خورد ونوش کا محتاج ہوتا یا مصارف خیر میں یہ تفریق ہوتی کہ یہ خدا کا مصرف ہے اور یہ نہیں تو اَلبتہ پھر مثل اصناف باقیہ خداوند کریم بھی حصہ ششم کا شریک ہوتا۔ مگر جیسے خدائے پاک کا خورد ونوش سے پاک ہونا ظاہر وباہر ہے ایسے ہی عدم تخصیص بھی کسی مصرف کیلئے سب کے نزدیک مسلم اگر نیت اچھی ہے تو جیسے مسجد کا بنانا مثلاً خدا کا کام ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اصناف باقیہ کو بھی بشرط نیتِ خیر کھلانا پلانا خدا ہی کا کام ہے۔ اس صورت میں مفاد کلمۂ فللّٰہِ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ خانہ مالکیت میں باعتبار ظاہر بھی خدا ہی کا نام لکھا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فئے میں درجہ متوسط حاصل ہے یعنی آپ متولی بھی ہیں اور مصرف بھی

اس کے بعد فرماتے ہیں " وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی۔ الخ "غرض بعد لام فَلِلّٰہِ دو (۲) لام اور موجود ہیں جن سے اہل فہم کو بعد مرتبہ مالکیت دو اور مرتبوں کی خبر ملی جس میں سے مرتبہ استحقاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ استحقاق خداوندی سے کم اور مرتبہ استحقاق ذوی القربیٰ وغیرہم سے زیادہ ہونا چاہئے سو ایسا مرتبہ جو متوسط بین الرتبتین اور بہ مقتضائے توسط ذو جہتیں ہو وہ تو مرتبہ تولیت مع مصروفیت ہے کیونکہ بلحاظ تولیت تو مرتبت فوقانی یعنی مرتبہ مالکیت سے جو مشابہ ہے خداوند مالک الملک ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور بلحاظ مصرفیت مرتبہ استحقاق احتیاج کے ساتھ مشابہ ہے جو ذوی القربیٰ وغیرہم کے ساتھ مشابہ ہے اور یہ مرتبہ متوسط شان رسالت کو مناسب بھی ہے اس لئے کہ کلمہ رسول ایک تو معنی خلافت ونیابت خداوندی پر دلالت کرتا ہے۔ جس

کے لئے تولیت کا ہونا بجائے خود ہے اس کے لئے شاہد کی ضرورت ہے تو سنئے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیت کی مثال

مسجد خدا کے لئے مخصوص ہے بایں ہمہ بوجہ خلافت حضرت آدم علیہ السلام مسجود بن گئے اگرچہ ان کا مسجود ہونا ایسا تھا جیسا اب خانہ کعبہ مسجود (جہت سجدہ) ہے۔ یعنی جیسا کسی نے کہا ہے ؎ قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام مثل دیوار کعبہ مکرمہ قبلہ جہت و توجہ الی اللہ ہیں۔ بالذات خود مسجود نہیں۔ غرض جیسے حضرت آدم علیہ السلام قائم مقام اور خلیفہ علیم وعلاّم ہوئے اور اس وجہ سے آداب عبودیت باعتبار ظاہر ان کے لئے ایسی طرح تجویز کئے گئے ہیں جیسے قائم مقام حاکم بالا دست کے لئے آداب مسند بالا دست تجویز کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ قائم مقام حال کسی عہدہ ماتحت سے برائے چندے اس عہدے پر آیا ہو ایسا ہی قائم مقام خدائے مالک الملک کیلئے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مرتبہ تولیت اَموال خاص مملوکہ خداوندی جو خلافت مالکیت ہے مقرر ہوا اور آداب مرتبہ مالکیت یعنی مضمون جملہ۔

"وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" (سورۃ الحشر، آیت ۷)

ترجمہ: "اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو"۔

جس سے آپ کا (قائم مقام ہونے کی وجہ سے بطور نیابت) ہر طرح مختار ہونا اور باختیار خود تصرف کرنا اور اوروں کا آپ کے سامنے (اخذ غنیمت اور وصولی احکام میں) دست نگر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آپ کیلئے تجویز کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آداب مالکیت یہی دست نگری اور چوں و چرا کا اس کے سامنے نہ کرنا ہے۔ باقی یہ فرق کہ یہاں قائم مقامی بلحاظ مالکیت ہے اس کیلئے یہی قرینہ بہت ہے کہ اَموال کی نسبت فللّٰہ فرمایا ہے۔

آیت اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اور علم میں جملہ نیابت وخلافت پر دلالت کرتی ہے

اگرچہ آپ کا قائم مقام ہونا بلحاظ اور صفات بھی اور موانع قرآنی میں مصرح ہے چنانچہ جملہ

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" (النسآء، آیت ۵۹)

ترجمہ: "حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں"۔

اس نیابت و خلافت خاص کر خلافت علم پر دلالت کرتا ہے۔ حکومت کی خلافت کا ہونا تو خود ظاہر ہے۔ ہاں خلافت علم شاید اس آیت سے سمجھ میں نہ آئی ہو اس لئے یہ عرض ہے کہ منشاء حکومت و اَمر و نہی خود بھی علم مصالح اور مضارِ مامور ہوتا ہے چنانچہ طبیب کی اطاعت اسی وجہ سے سر دھرتے ہیں۔ اس لئے جو حاکم کہ مصالح و مضارِ رعیت سے واقف نہ ہو۔ اور اگر واقف ہو تو علم مصالح و مضار کے موافق اَمر و نہی نہ فرمائے ہر کس و ناکس اس کو قابلِ عزل سمجھتا ہے اور بوجہ ظلم اس کی حکومت سے کوئی راضی نہیں ہوتا۔

اس اُمت کے لئے سجدہ تعظیمی ممنوع ہونے کی حکمت

ہاں جیسے بیمار کو بخیال ضعف و ناتوانی بوجہ اندیشہ مضرت و ازدیاد مرض اس کے پیر و استاد اور ماں باپ وغیرہ مخدومان ذوی الاحترام اپنی تعظیم و توقیر سے منع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایام صحت میں کبھی منع نہ کیا تھا۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابناء روزگار اور اُمت مرحومہ کو بوجہ ضعف عقول اپنی اس تعظیم سے جس کو سجدہ کہئے اور بروئے انصاف بوجہ خلافت تامہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ آپ اسکے مستحق تھے منع فرمایا تا کہ یہ تعظیم انجام کار موجب شرک نہ ہو جائے جو اَمراضِ رُوحانی اور قلبی میں سب سے بڑا مرض ہے۔

بایں ہمہ آداب عہدہ اگر کسی وجہ سے کسی زمانہ میں وہ نہ رہیں جو اوّل مقرر تھے تو کچھ حرج نہیں خود عہدہ اور اس کی کارگذاری چاہئے خاص کر جب کہ عہدہ دار خلافت و نیابت و ولی عہدی خود آدابِ مسند کو بایں لحاظ موقوف کر دے کہ کوئی مجھ کو بادشاہ نہ سمجھ لے۔ تو اس صورت میں یہ بات تو نظر بادشاہ میں موجب مزید رفعت ولی عہد و خلیفہ و نائب ہوگی کو ظاہر بینان کم فہم کیفیت ظاہرہ کو دیکھ کر کچھ اور سمجھ بیٹھیں۔ الغرض اگر بعض آداب مسند خلافت مفقود ہیں تو کچھ حرج نہیں کار عہدہ خلافت موجود ہے۔

خلافت کے ساتھ تولیت ایک لازم شعبہ ہے

ازاں جملہ تولیت ہے۔ کیونکہ مالکیت قبض وتصرف واختیار دادو دہش ہوتا ہے تو تولیت میں یہ سب موجود ہے اس لئے باقتضاء مفہوم رسالت جیسے اقرار خلافت ضروری ہے ایسے ہی تسلیم کار عہدہ خلافت اعنی تولیت بھی لازم ہے، علاوہ بریں بیعت خلافت، جیسے بیعت اور نذر تخت نشینی ہر رند بازار سے نہیں لی جاتی بلکہ اراکین سلطنت اور روساء بادشاہت سے لی جاتی ہے۔ ایسے ہی سجدہ خلافت ملائکہ سے لیا گیا جو ملازمان درگاہ والا خداوندی تھے اوروں سے نہ لیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت ہی کے کام میں مصروف ومقید رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال فئے کے ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا

مگر چونکہ تاکید سجدہ مذکور بایں وجہ زیادہ ہوئی کہ بشہادت جملہ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ خود ملائکہ منصب خلافت کے اُمیدوار تھے اور اس وجہ سے ان کا سجدہ اوروں کے رفع اشتباہ کے لئے کافی ہوگیا تو اَب اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اولاد بنی آدم کو ملائکہ سجدہ کریں کیونکہ وجہ تکرار خیال فضیلت نوع ملک مفضولیت نوع بشر تھا جب وہ خیال ہی نہ رہا۔ تو اَب کیا حاجت ہے۔ نوع وہی کی وہی ہے۔ باپ ہو یا بیٹا ہو اس صورت میں یہ تکرار ایسا ہوگا جیسا فرض کریں اس شخص سے جس کی فضیلت اور لیاقت سلطنت میں کسی کو تامل ہو بعد تسلیم ہر روز وہ شخص بیعت کیا کرے بالجملہ رسالت ونیابت کے لئے بعد حضرت آدم علیہ السلام سجدہ کی حاجت نہیں۔ مگر جیسے رسالت کو خلافت لازم ہے اور کیوں نہ ہو اگر بادشاہ کسی شخص کو سفیر احکام مقرر کرے تو اسی سفیر کی اطاعت بادشاہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور اسی کو خلافت کہتے ہیں ایسے ہی مفہوم رسالت اس بات کو مقتضی ہے کہ رسول اپنا کام تا اشتغال کار رسالت نہیں کرسکتا اور ظاہر ہے کہ مفہوم رسول ہر دم وہر آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا جاتا تھا۔ باقی رہا سونا کھانا پینا وغیرہ اگر چہ بظاہر کار رسالت سے کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو مگر بایں لحاظ کہ یہ نہ ہوں تو پھر کار رسالت ادا ہونا بھی معلوم۔

ان سب باتوں کو رسالت کا موقوف علیہ اور محتاج الیہ کہنا ضرور ہے اور کسبِ معیشت چونکہ مثل خواب وخورش ونوش لوازم بشریہ میں سے نہیں چنانچہ ہزاروں کو بے کمائی ملتا ہے اور اگر کمائی سے ملتا بھی ہے تو ہر کسی کو نئے ڈھنگ کی کمائی سے ملتا ہے۔ اس لئے اس کو منجملہ مبادی ومقدمات کارگذاری رسالت نہیں کہہ سکتے اس لئے اس کا ترک کرنا ضرور پڑا اور موافق وعدہ صادقہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ جس کی طرف آیت کریمہ

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ O مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ O اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ" (سورۃ الذاریٰت آیات ۵۶ تا ۵۸)

ترجمہ: "اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا، ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں۔ اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط"۔

بابلغ وجوہ مشیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نان نفقہ خدا تعالیٰ نے ذمہ ٹھہرا، اور کیوں نہ ہو یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جو کسی کے کام میں محبوس رہتا ہے اس کا نان ونفقہ اسی کے ذمہ ہوتا ہے بی بی کا نان ونفقہ خاوند کے ذمہ اور غلام کا نان نفقہ مولیٰ کے ذمہ اسی وجہ سے ہے۔ سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کام میں مصروف اور محبوس ہوئے تو آپ کا نان ونفقہ خدا کے ذمہ کیوں نہ ہو اس تقریر سے جملہ

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" اور جملہ "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ" میں باہم ارتباط معلوم ہو گیا ہوگا۔ اور نیز یہ بات بھی اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسی تولیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی اس اضافت کا پرتو ہے جو مُرسِل بصیغہ اسم فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس کے طفیل میں خلافت مشارٌ الیہ حاصل ہوئی۔ ایسے ہی احتیاج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے باعث نان ونفقہ کی ضرورت ہوئی اس اضافت کا پرتو ہے جو مرسل الیہ یعنی اُمت کی طرف ہونی چاہئے۔ جس کے باعث اشتغال مسطور لازم آیا۔ بالجملہ بحکم توسط مرتبہ رسالت اموال

خاص خداوندی کی نسبت آپ متولی ہی رہے اور مَصرف بھی مقرر ہوئے اور اس لئے باعتبار تلفظ بھی آپ کو بیچ میں ہی رکھا تا کہ اشعار شریعت مطابق اقتضاء حقیقت رہے۔

اخراجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار آپ کے تابع قرار پائے اس لئے ان کو دیگر اصناف سے مقدم کیا گیا

اس کے بعد ذوی القربیٰ کو بیان کیا کیونکہ مصرفیت ذوی القربیٰ یعنی اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تابع مصرفیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر خانماں اور ہر خاندان میں کمانے والا وہ ہوا کرتا ہے جو سب میں لائق فائق ہو اور سوا اس کے سب اس کے دستِ نگر ہوا کرتے ہیں۔ سو خاندان نبوت میں سب میں افضل حضرت افضل المخلوقات ہی تھے۔ جب ان کو کار خداوندی میں فرصت کسب معیشت نہ ملی تو یوں کہو تمام خاندان والے نان ونفقہ کی طرف سے سراسیمہ ہوئے۔ اس لئے بعد آپ کے ان کا لحاظ کرنا پڑا اس کے بعد اصناف باقیہ میں مساکین اور ابناء السبیل ایسے درماندہ نہیں ہوا کرتے جیسے یتامیٰ ہوا کرتے ہیں کیونکہ مساکین کما تو سکتے ہیں اور پھر مساکین بہ نسبت ابناء السبیل زیادہ درماندہ ہوتے ہیں۔ آخر ابناء السبیل اپنے گھر سے تو خوش ہوتے ہیں ورنہ داخل زمرہ مساکین ہی سمجھے جاتے قسم علیحدہ نہ کی جاتی اس لئے بعد ذوی القربیٰ ﴿ذوی القربیٰ کی تفسیر ومصداق میں چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ تفسیر رُوح المعانی ص ۴۷، ج ۲۸ پر ہے﴾ بہ ترتیب معلوم ان کو ذکر فرمایا اور کیف ما اتفق بیان نہ کیا۔

والمراد بذی القربیٰ قرابته صلی اللّٰہ علیه وسلم والمراد بهم بنو هاشم و بنو عبدالمطلب لانه صلی اللّٰہ علیه وسلم وضع السهم فیهم۔ (ترجمہ) ذی القربیٰ سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ دار ہیں جو ہاشم کی اولاد سے ہوں اور عبدالمطلب کی اولاد سے ہوں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو ہی فے کا حصہ دیا ہے۔ (۲) نیز کچھ آگے فرماتے ہیں''۔ ہمارے نزدیک ذوی

القربیٰ بنی ہاشم کے ساتھ خاص ہے اور بنی مطلب کے ساتھ کیونکہ یہ حدیث ہی ہے البتہ ان کو مستقل حصہ نہ ملے گا نہ مطلقاً (ہر حال میں) دیا جائے گا بلکہ ان کے مساکین ۔یتامیٰ اور مسافروں کو دیا جائے گا کیونکہ وہ ان الفاظ قرآنی میں شامل ہیں لیکن ان اقسام ثلاثہ میں سے بنو ہاشم کو اوّلیت دی جائے گی کیونکہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم (ایسا ہی کرتے تھے اور) ان کا الگ حصہ نہ نکالتے تھے۔ہاں وہ خمس تین حصوں میں بانٹتے۔ ایک حصہ یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دور خلافت میں ان خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت نہیں کی حالانکہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف رکھتے بھی تھے۔ (ایضاً)۔

(۳) شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فوائد میں رقم طراز ہیں:"(فائدہ) یعنی حضرت کے قرابت والوں کے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے اور ان میں فقیر کی قید بھی نہیں تھی۔اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو دولت مند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا۔اب آپ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار جو صاحب حاجت ہوں امام کو چاہئے کہ انہیں دوسرے محتاجوں سے مقدم رکھے (قرآن پاک مترجم ۲۰۹)۔

(۴) مفتی اعظم پاکستان علامہ محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر معارف القرآن ص ۳۶۸ ج ۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔"پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہوگیا۔ ذوی القربیٰ کو اس مال میں سے دینے کی دو (۲) وجہیں تھیں۔ایک نصرت رسول یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربیٰ کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام کردیا گیا ہے تو ان کے فقراء و مساکین کو صدقہ کے بدلے میں مال فئے سے حصہ دیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (آپ کی) نصرت و امداد کا سلسلہ ختم ہوگیا البتہ فقراء ذوی القربیٰ

کا حصہ بہ حیثیت فقر واحتیاج کے اس مال میں باقی رہا اور وہ اس مال میں دوسرے فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جائیں گے (کذا فی الہدایہ) ۱۲۔ مہر محمد)

ذوی القربیٰ میں القربیٰ کو بغیر اضافت ذکر کرنے کی وجہ

بایں ہمہ اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ساری ہی امت کے اقرباء ہیں چنانچہ تحقیق مسطور بالا دربارہ اولویت بمعنی اقربیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گذر چکی۔ جس میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ نسبت اُمت مرحومہ اقرب ہونا اور والد روحانی ہونا ثابت ہو چکا ہے اس مضمون کے مؤید ہے اور شاید اس لئے ذی قربی النبی صلی اللہ علیہ وسلم باضافت نہ فرمایا بلکہ ذوی القربیٰ فرمایا تاکہ اطلاق لفظ عموم قرابت پر دلالت کرے اور بہ نسبت اصناف باقیہ وجہ ترجیح اور علت تقدیم ہاتھ آئے۔ علاوہ بریں کار رسالت ایسا آسان نہیں کہ معین اور مددگار کی حاجت نہ ہو، ہزاروں سے مخالفت اور ہزاروں سے مقابلہ اور ایسے آڑے وقتوں میں اقرباء ساتھ دیا کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنے کھانے کمانے کی فرصت میسر نہیں آیا کرتی۔ اس لئے ان کے نان ونفقہ کو بھی ایسا ہی سمجھو جیسا نان ونفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ رسالت میں معین و مددگار تھے اس لئے ایسے فنڈ سے ان کا وظیفہ مقرر کیا ہے جس میں غانمین کی سعی وعمل کا دخل نہیں

اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ انہی اقرباء کو آپ نے اس قسم کے اموال میں سے دیا ہے جن سے معونت ومددگاری ظہور میں آئی۔ چنانچہ ناظران احادیث پر پوشیدہ نہ ہوگا لیکن جیسے آیت اُولیٰ یعنی: " وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ. وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اَموال فئے بعد احراز و قبض بھی خدا ہی کے ملک خاص میں ہیں اور بوجہ عدم اسباب مالکیت بشری اوروں کو اس سے کچھ تعلق نہیں

آیت ثانیہ سے اوّل تو یہ بات روشن ہوگئی کہ وہ اَموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ملک نہیں ورنہ ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور ابناء السبیل کو اس سے کیا علاقہ تھا۔

سوال:۔وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ سے معلوم ہوتا ہے کہ فئے تسلط سے حاصل ہوا اور پیغمبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالتبع لشکر کا

غرض کلمہ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ" سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ اگر اہل لشکر کو اس سے کچھ علاقہ نہیں تو کیا ہوا تسلط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو موجود ہے۔اور تسلط وقبض ہی موجب وعلت حقیقی ملک ہے۔

چنانچہ حدوثِ ملکِ اَوّل نباتات خودرو اور حیوانات غیر پرورده میں اگر ہوتا ہے تو اسی قبض سے ہوتا ہے اور بعدازاں بیع وشراء واجارہ ہبہ میراث، وصیت سے اگر مِلک حاصل ہوتی ہے تو بوجہ حصول قبض حاصل ہوتی ہے۔غرض اگر قبضہ متبدل ہو جاتا ہے تو ملک بھی متبدل ہو جاتا ہے ان اسباب کو اسباب مستقلہ ملک نہیں کہہ سکتے ہاں یہ کہیئے کہ اپنا قبضہ ہو یا وکیل عام یعنی خلیفہ و بادشاہ عادل کا قبضہ ہو۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اپنا ہی قبضہ ہو تو ملک ہو۔نہیں تو نہیں۔

ہاں اگر خلیفہ وقت کا بھی قبضہ اُٹھ جائے اور کفار متسلط ہو جائیں تو پھر ملک کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں مگر تسلط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَموال فئے پر بشہادت آیت فئے ہی ثابت ہے۔اس لئے آپ کی مِلک کا اقرار بھی لازم ہے۔غرض اس تسلط سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ اَموال مملوکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے کیونکہ بشہادت جملہ "وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ" یہ تسلط اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ تسلط وکالت ورسالت تھا۔

جواب: یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے

اور حاصل جواب اس صورت میں یہ ہوا کہ تسلط کو یہ لازم نہیں کہ تسلط ذاتی ہو اگر تسلط من جانب الغیر ہوگا۔جب بھی اس کا نام تسلط ہی ہوگا۔اس صورت میں مفہوم

تسلط، تسلط ذاتی اور تسلط وکالت دونوں سے عام ہوا بایں ہمہ آیت ثانیہ بھی تسلط وکالت ہی پر دلالت کرتی چنانچہ یہ معروض مذکور جو اَبھی لکھ کر فارغ ہوا ہوں اس پر شاہد ہے اور نیز مضامین آئندہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ پھر اس تسلط کا موجب ملک (ذاتی) سمجھ لینا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے۔

القصہ اوّل تو جملہ ''وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ'' ہی اس وہم کا جواب ہے۔ دوسرے آیت ثانیہ سے بھی معلوم ہوا کہ وہم مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو جملہ ''وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ'' سے ہی ہوتا تھا محض بے جا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہوں تو پھر نہ فَلِلّٰهِ کے کوئی معنی ہیں اور (نہ) مصارف باقیہ کے ذکر کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ بلکہ یہ دونوں کلمے باعتبار معنی مفہوم غلط ہو جائیں گے۔

جملہ اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف ہیں نہ کہ استحقاق ملک اور استحقاق مصارف میں مستحق داد و فریاد نہیں کر سکتے اسلئے تعدد فقراء ضروری نہیں

مع ہذا آیت ثانیہ سے یہ بات ہی واضح ہوگئی کہ مصارف مذکور کو استحقاق دعویٰ ملکیت نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ استحقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک استحقاق مالکیت۔ دوسرا استحقاق مصرفیت۔ استحقاق مالکیت میں تو قبض یا مقتضیات قبض مثل بیع و شراء وغیرہ اسبابِ مذکورہ کا ہونا ضروری ہے اور اس وجہ سے جہاں قبض یا مقتضیات قبض میسر آجاتی ہیں وہاں مستحق کو داد فریاد کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور استحقاق مصرفیت میں ناداری اور افلاس کافی ہے خواہ وہ افلاس بوجہ عدم لیاقت ہو جیسے یتامیٰ میں ہوتا ہے یا بوجہ عدم مساعدۃ اسباب جیسے مساکین اور ابناء سبیل میں ہے یا بوجہ اشتغال بکار دیگر جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عرض خدمت کر چکا ہوں اور نیز آپ کے اقرباء کی نسبت معلوم ہو چکا ہے۔

بہر حال مصارف مندرجہ آیت ''مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ'' کا استحقاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم استحقاق مالکیت نہیں۔ اور اس باب میں مصارف مندرجہ آیت فیئے اور

مصارف مندرجہ آیت صدقات الخ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ اور مصارف مندرجہ آیت خمس یعنی "وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ الخ" سب کے سب باہم ہمدوش یکدگر ہیں۔ بالجملہ مصارف مندرجہ آیت صدقات کا استحقاق بالاتفاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم استحقاق مالکیت نہیں اور اس وجہ فقراء وغیرہ مصارف صدقات تو اغنیاء کی نالش کا اختیار نہیں اور اغنیاء کو کسی ایک فقیر کے دے دینے کا اختیار۔ اس لئے ایک کا دے دینا بھی موجب سقوط فرض ہو جاتا ہے ورنہ جہان کے تمام فقراء و مساکین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دینا بایں وجہ کہ حد بشری سے خارج ہے کسی سے ممکن نہ تھا اور اس قدر تکلیف دی جاتی تو پھر کسی صاحب زکوٰۃ کی نجات کی کوئی صورت نہ تھی مگر ایسے ہی مصارف مندرجہ آیت فئے کو بھی نالش وفریاد وغیرہ لوازم استحقاق و مالکیت کی گنجائش نہیں اور متولی کو عطاء مال فئے میں صنف واحد کی تخصیص کا اختیار۔ کیونکہ بدلالت مفہومات عنوانات مصارف مندرجہ آیت فئے۔ ان کا استحقاق اگر ہے تو از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم استحقاق مالکیت نہیں ہو سکتا چنانچہ بوجہ احسن معروض ہو چکا۔

للرسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف میں ملک کے لزوم کے علاوہ دو خرابیاں لازم آئیں گی حضور علیہ السلام نے بلا وجہ ایک جہاں کا مال دبائے رکھا۔ (۲) اور یہ کہ تمام اصناف کے افراد کی ملک محدود و متعین ہو

اور اس کی تشریح کے لئے یہ اور معروض ہے کہ اگر بالفرض لام للرسول اختیار تولیت و مصرفیت پر دلالت نہ کرے بلکہ لام ملک ہو اور مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرے تو اس صورت میں بالضرور لام لذی القربیٰ بھی لام ملک ہوگا اور مالکیت ذوی القربیٰ اور نیز بحکم عطف مالکیت اصناف باقیہ پر دلالت کرے گا۔ اس صورت میں اوّل تو جناب سید المعصومین خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض لازم آئے گا۔ کہ ایک جہاں کا حق مدت العمر تک دبائے رکھا۔ تقسیم کر کے اصل زمین

کا دینا تو درکنار آمدنی میں بھی یاد نہ کیا آخر کون کہہ دے گا کہ اَموال فدک اور بنی النضیر کو ایسی طرح تقسیم کیا کہ کوئی مسکین اور یتیم اور ابن سبیل اور اقرباءِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی باقی نہ رہا ہو۔ دوسرے اس صورت میں اَموال اور اراضی فئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصناف باقیہ میں مشترک ہوں گے۔ اور مال مشترک میں ضرور ہے کہ سہام بقدر افراد اصناف شرکاء ہوں اگر فرض کرو کسی مورث کے مال میں موافق مذہب اہل سنت کچھ ذوی الفروض اور کچھ عصبات شریک ہوں یا موافق مذہب فریقین یوں کہیے کہ اولاد پسری اور دُختری شریک ہوں مثلاً تو اس صورت میں سہام بلحاظ حصص وافراد شرکاء مقرر ہوں گے فقط لحاظ عدد اصناف نہ کیا جائے گا۔

القصہ تعداد سہام میں افراد اصناف مندرجہ آیت مذکورہ پر نظر ہونی چاہیے مگر ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور ابناء سبیل کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں۔ اس لئے سہام مشترک کا کچھ تعین نہیں ہوسکتا اور اقرار ملک اصنافِ باقیہ کی کوئی صورت نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت اور ملک اموال فئے میں ثابت ہو۔

ہر صورت میں اہل تشیع مالِ فئے سے ہمیشہ محروم رہیں گے کیونکہ جملہ اہل مصارف کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں دُعا گو ہونا ضروری ہے

اس سے بڑھ کر اور لیجئے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ . لِذِی الْقُرْبٰی سے بدل واقع ہوا ہے۔ اور اس پر بطور عطف یہ ارشاد ہے:

" وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِم "(سورۃ الحشر، آیت ۹)

ترجمہ: ''اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے''۔

اور نیز بطور عطف ہی پھر یہ ارشاد ہے:

" وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْ مِنْ بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَان "(سورۃ الحشر، آیت ۱۰)

ترجمہ: اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش

ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں"۔

اس لئے تابعین سے لے کر قیام قیامت تک جس قدر مسلمان پیدا ہوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دُعا گو ہوں ان سب کو اموال فئے میں شریک مِلک کرنا پڑے گا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اموال مملوکہ کیلئے مالکوں کا بالفعل موجود ہونا ضروری ہے۔

جو لوگ ابھی ساحت وجود میں قدم رکھنے ہی نہیں پائے وہ کیوں کر مالک اموالِ مملوکہ بالفعل ہو سکیں ایسی بات کوئی نادان بھی نہیں کہہ سکتا تو اس پر شیعہ بے وجہ تکرار کرتے ہیں۔ اگر بالفرض اصناف مذکور مالکِ اموال واراضی فئے ہوتے بھی تو شیعوں کو کیا مِل جاتا۔ کلام اللہ میں تو پہلے ہی ان کے محروم کرنے کیلئے یہ قید لگادی ہے۔ "یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا الخ (الحشر، آیت ۱۰)" سو ان کی دُعا گوئی بہ نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (تبرا بازی) سبھی کو معلوم ہے۔ مگر شاید اسی جلن میں طعن فدک میں یہ بے ہودہ سرائی ہے۔

اغنیاء میں گردش مال کی ممانعت ملکیت خاصہ کی نفی کرتی ہے

علاوہ بریں جملہ "کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً م بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ" بھی اسی بات پر شاہد ہے کہ اموال فئے اصناف مندرجہ آیت کی مملوک نہیں۔ بلکہ اگر یوں کہیے کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اراضی مذکورہ اصناف مسطورہ بالفعل تو کیا مملوک ہوتے۔ آئندہ بھی مملوک نہیں ہو سکتے تو بجا ہے۔ اس لئے کہ درصورت تملیک اغنیاء میں متداول ہو جانا تو قریب الوقوع ہے۔ اس لئے کہ فقیروں کی اولاد کبھی غنی ہو جاتی ہے۔ سو اگر فقراء کو مالک کہیے تو ان کی اولاد کا ان کے انتقال کے بعد ان اموال کا مالک ہو جانا بوجہ میراث لازم ہے اور تداول مذکور کا وقوع میں آنا ضرور۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات عموم الفاظ کے مخالف ہے۔ اگرچہ بظاہر غرض اس جملہ سے فقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت مثل سرداران زمانہ جاہلیت اس قسم کے اموال کو اپنا حق خاص نہ سمجھ لیں۔ ان تمام مضامین سے اراضی فئے کا بالفعل غیر مملوک ہونا بلکہ بعض سے تو آئندہ کو بھی غیر مملوک ہونا ظاہر ہو چکا۔

اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض تام ممکن نہیں

اب لازم یوں ہے کہ فرق اموال منقولہ وغیر منقولہ ظاہر کیا جائے تا کہ بعض شبہات محتملہ کسی کم فہم کو حیران نہ کریں اس لئے یہ معروض ہے کہ لام لذی القربیٰ اور لام للرسول بلحاظ جہت ثانیہ یعنی جہت مصرفیت لامِ انتفاع ہے لامِ ملک نہیں۔ چنانچہ خود مضمون مصرفیت اس کے لئے شاہد ہے اور وجوہ مذکورہ بالا ان کے مالک نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر اَموال منقولہ سے انتفاع اگر متصور ہے تو جب ہی متصور ہے جب کہ اپنے ہاتھ میں آجائیں۔ روٹی کا کھانا اور کپڑے کا پہننا اور ہتھیاروں سے مدافعت دشمن قبل قبض ممکن نہیں۔ پھر جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اموالِ فئے بشہادت فَلِلّٰہ مملوک خداوندی مالک الملوک ہیں اور اہل مصرف کے نفع کے لئے مقرر۔ پھر بایں ہمہ قبض اہل مصرف متحقق ہو گیا تو اس صورت میں اَموال فئے اور مافی الارض میں کیا فرق رہ گیا۔ وہ بھی بشہادت لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور بشہادت وَ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا ہی کی مِلک تھی اور پھر شہادت خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہی آدم کے نفع کے لئے مخلوق۔ اس لئے کہ لام لَکُمْ لام نفع و انتفاع ہے۔ لام مِلک نہیں۔ چنانچہ بدیہی ہے۔ وہاں جیسے علتِ تامہ ملک عباد قبض تام مستحکم تھا۔ یہاں بھی قبض تام مستحکم موجب ملک ہو گا مگر قبض تام یہی ہے کہ پہلے کسی اور کا قبضہ نہ ہو چکا ہو اور ہو چکا ہو تو معاوضہ قبض ہو چکا ہو جیسے بیع و شراء وغیرہ میں ہوا کرتا ہے ورنہ پھر وہ قبضہ یا تو قبضہ امانت ہو گا یا قبضہ غصب۔ سو قبضہ امانت تو قبضہ مالک ہی کا پرتو ہے۔ قبضہ تام اگر کہئے تو اس کے قبضہ کو کہئے کیونکہ مالک کو امین کے قبضہ کے اُٹھا دینے کا اختیار ہے۔ امین کو قبضہ ملک کے اُٹھا دینے کا اختیار نہیں۔ اور قبضہ غاصب گو قبضہ مالک کا پرتو نہیں پر قابض، ولایت یعنی خلیفہ وقت کے قبضہ میں ہوتا ہے اور خلیفہ وقت حمایت مالک کے لئے مقرر ہوتا ہے حامی غاصب نہیں ہوتا۔ اس لئے قبضہ غصب بھی قبضہ تام اور قبضہ مستحکم نہیں۔

اَموال غیر منقولہ میں غیر کی تولیت سے بھی انتفاع ہوسکتا ہے

مگر قبضہ اہل مصرف اموال فیئے پر چونکہ ایسا ہے جیسا قبضہ بنی آدم مَا فِی الْاَرْضِ پر کیونکہ یہ نہ قبضہ امانت ہے نہ قبضہ غصب۔ تو بالضرور یہ قبضہ موجب ملک ہوگا اور کیوں نہ ہو۔ حیوانات صحرائی اور نباتات خودروئیدہ اگر ملک میں آتی ہیں۔ تو بوسیلہ قبض ملک میں آتی ہے اور ملک سے نکلتی ہیں تو بوسیلہ زوال قبض ملک سے نکلتی ہیں۔ ہاں زمین سے انتفاع اہل مصرف قبل قبض اور بعد قبض دونوں طرح متصور ہے اگر زمین فیئے قبضہ متولی میں رہے اور اس کی آمدنی کو متولی اہل مصرف میں تقسیم کرتا رہے تب بھی غرض اصلی حاصل ہے اور خود اہل مصرف کے تصرف میں رہے اور وہ بطور خود اس کا انتظام کر کے اسکی آمدنی کو اپنے صرف میں لاویں تب بھی متصور ہے۔ بہر حال قبضہ اہل مصرف ضروریات انتفاع میں سے نہیں جو خواہ مخواہ اس کی ضرورت ہو اور جب قبضہ ضروریات انتفاع میں سے نہ ہوا تو باشارہ لام اور انتفاع اس کی خواستگاری نہیں ہوسکتی۔ بغرض تولیت یا تخفیف تصدیع متولی ہو تو ہو۔

مال فیئے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ بطور متولی تھا

اور ظاہر ہے کہ لام لِلرَّسُوْل پر جو بوجہ توسط تولیت پر دلالت کرتا ہے تو بحیثیت تولیت نیابت و امانت مالک حقیقی پر دلالت کرتا ہے۔ ملک پر دلالت نہیں کرتا۔ مگر آپ جیسے متولی تھے ایسے ہی مصرف بھی تھے چنانچہ توسط مذکور اس پر بھی شاہد ہے اس لئے زمین فیئے اگر اہل مصرف کے قبضہ میں بھی آ جائے گی تو قبضہ امانت یا تولیت ہوگا قبضہ انتفاع وملک نہ ہوگا۔

آیت صدقات ''اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ الخ'' (التوبۃ، آیت ۶۰) اور آیت خمس یعنی '' وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ'' (سورۃ الانفال، آیت ۴۱) اور آیت فیئے یعنی یہ '' مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ الخ'' (الحشر، آیت ۷) کے مصارف کو دیکھئے تو شرق وغرب وجنوب وشمال

میں پھیلے ہوئے متولی کس کس کو ڈھونڈتا پھرا کرے۔ خاص کر جب کہ مال مقسوم قدر قلیل ہو۔ اس لئے اَموال زکوٰۃ اور خمس اور فئے کا ہر ہر فرد کو دینا کسی کے نزدیک ضرور نہیں۔

حاصل بحث

اس صورت میں قبضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قریہ فدک پر یا قبضہ مرتضوی رضی اللہ عنہ جو ایام خلافت خلیفہ ثانی میں حاصل تھا۔ موجب ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا موجب ملک مرتضوی رضی اللہ عنہ نہیں ہوسکتا۔

علیٰ ہذا القیاس بعض قُریٰ فئے کا خرچ خانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہونا عاقل کے نزدیک دلیل ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوسکتا۔

فدک کی بعض آبادیوں کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان کَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مصرف پر دلالت کرتا ہے۔ اگر حق ملکیت ہوتا تو وارثوں کو اور حق مسند نشینی ہوتا تو یہ آپ کے بعد خلفاء کو منتقل ہوتا

علیٰ ہذا القیاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بعض قُریٰ فئے کی نسبت یہ کہنا کہ کَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَوْ کما قال ۔ اختصاص ملک پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس اختصاص مصرفیت پر دلالت کرتا ہے اور بعض مواقع میں یہ غرض ہے کہ حصہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَموال خمس و فئے میں حق مسند و سجادہ نہیں جو آپ کے جانشین اور پھر آپ کے جانشینوں کے جانشین ہمیشہ اس کے مستحق رہیں۔ اور نہ حق ملکیت ہے جو بفرض محال اگر موت جسمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس قسم کی فرض کیجئے جیسے ہمارے تمہارے لئے مقرر ہے تو وارثوں کو اُمید حصہ کشی فرائض ہو بلکہ حق منصب رسالت ہے اس لئے آپ ہی کی ذات بابرکات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ خاص رہا۔ وارثوں کو بطورِ ملک دیا گیا نہ خلفاء کو اس میں کچھ دعویٰ ہوا اور اگر بالفرض اس مال میں سے بوجہ تعلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کچھ نہ ملتا بھی تو خلفاء کو ملتا۔ اقرباء کو نہ ملتا۔

خلفاء راشدین بھی مال فئے پر بطور متولی کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے کیونکہ اوّل تو ذوی القربیٰ کیلئے خداوند عادل نے پہلے ہی ایک سہم مقرر کر دیا۔ دوسرے سہم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حق منصب رسالت ونبوت ہوا تو جو خلفاء کار نبوت ہوں انہیں کو ملنا چاہئے اور ظاہر ہے کسی کا خلیفہ وہی کام کیا کرتا ہے جس میں وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر مستحق ہوتے تو خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتے۔ اقرباء نہ ہوتے۔ مگر انصاف اسے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے استحقاق کی ایسی نفی کر دی کہ پھر کسی خلیفہ کو ہوس سہم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ رہے۔ ورنہ خود کردگان زمانہ جاہلیت اور افسانہ خوانان دورہ فترت آگے پیچھے اس قسم کی تاویلاتِ شرعیہ سے اس سہم کو دبا بیٹھتے لیکن قدر شناسی بھی اسے ہی کہتے ہیں کہ حضرات شیعہ نے نہ عقل کی مانی نہ نقل کی سُنی۔ اس انصاف پر سننے کے بدلے خلفاء راشدین کے حق میں گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت خرابی کی۔

سواس کے آیت اُولیٰ یعنی آیت فَمَا اَوْجَفْتُمْ کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ هٰذِهٖ لِرَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خَاصَّۃً اور آیت ثانیہ فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی کو یہ پڑھ کر یہ کہنا هٰذِهٖ لِهٰٓؤُلَآءِ اسی جانب مشیر ہے کہ تولیت بالذات جسے ملک متسوط کہئے اور برزخ بین الملک الحقیقی والملک المستعار نام رکھئے فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے۔ یعنی جیسے مالک حقیقی خداوند مالک الملک کو اختیار ہے جسے چاہے عطا کرے جسے چاہے کچھ نہ دے بوجہ خلافت خداوندی یہ منصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے چنانچہ آخر آیت میں یہ ارشاد:

"وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (سورۃ الحشر، آیت ۶)

ترجمہ: "اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو"۔

اسی مضمون کی تصریح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے:

افاضہ وجود وکمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے

اور سرّ اس میں یہ ہے کہ افاضہ وجود وکمالات ، وجود مخلوقات کی جانب اگرچہ خزانہ خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ مگر بشہادت آیت اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اور آیت خاتم النبیین ۔ چنانچہ تقریرات مرقومہ بالا سے واضح ہو چکا اور نیز بشہادت دیگر آیات وتائید تحقیقات ارباب مکاشفات وہ سب افاضہ بواسطہ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہوتا ہے۔ جیسے شب کو بواسطہ قمر افاضہ نور آفتاب ہوا کرتا ہے اس لئے تولیت حقیقی جس کا محصل وہی خلافت تقسیم ہے آپ ہی کو عطا ہوئی۔ ہاں بطور کارگذاران پیش دست آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اس کام کو کرتے رہے۔ جو جیسے سلاطین زمان اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو بواسطہ خدام وملازمان سلطنت دلا دیتے ہیں اور پھر خدام وملازمان کا دینا سلاطین ہی کا دینا سمجھا جاتا ہے ایسے ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی داد ودہش اموال فئے میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی داد ودہش سمجھو ان کا دینا کوئی اُمر جداگانہ نہیں جو ان کے لئے بھی تولیت مستقل ثابت کی جاتی۔ ادھر آیت اُولی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ھٰذہ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاصۃً غلط ہو جائے۔

استحقاق کی تین قسمیں اور قوی کا ضعیف کو متضمن ہونا

الحاصل زمین فئے میں تین استحقاق ایک دوسرے سے کم وزیادہ ہوتے ہیں۔ اَوّل درجہ کا استحقاق جس کو استحقاقِ ملک ومالکانہ کہیے وہ خداوند مالک الملک کے لئے ہے اور دوسرے درجہ کا استحقاق جس کو تولیت اور استحقاق تصرف واختیار تقسیم کہیے وہ اصناف باقی کے لئے ہے۔

مگر چونکہ قوی ضعیف کو متضمن ومشتمل ہوا کرتا ہے اس لئے جیسے استحقاق اَوّل استحقاق ثانی کو متضمن اور مشتمل ہے ایسے ہی استحقاق ثانی بوجہ قابلیت نبوی صلی اللہ علیہ

وسلم جس کو احتیاج کہیے استحقاقِ ثالث کو متضمن اور مشتمل ہوگا۔ اگرچہ بوجہ توسط آپ کا ذوجہتین ہونا بھی دونوں استحقاقوں کا بقدر قابلیت خواستگار تھا۔ مگر استحقاقِ اوّل یعنی استحقاق خداوندی قابل (زوال) نہیں۔

ایسا ہی استحقاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی استحقاق تولیت کسی وقت قابل زوال نہیں۔ چنانچہ "مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ" کا جملہ اسمیہ ہونا ہی اس پر شاہد ہے ہاں اس طرح دوام استحقاق مصرفیت بھی ثابت ہوگا لیکن دوام استحقاق مصرفیت نہ اس بات کا مقتضی ہے کہ مستحق کو حق ملنا ضرور ہے اور نہ درصورت اخذ غیر وہ استحقاق زائل۔ موجب

ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تولیت اور ملک مصرف کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے لیکن مرتبہ تولیت ملک مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا

جب یہ بات روشن ہوگئی تو اتنا اور سُن لیجئے کہ اگر مرتبہ توسط یعنی مرتبہ تولیت اراضی فئے میں نہ ہوتا تو پھر مثل دیگر اراضی ان کی مملوک ہوجانے میں کہ دقت نہ تھی کیونکہ اس صورت میں دو مرتبے ہوتے اور ظاہر ہے کہ مرتبہ اوّل یعنی خداوندی اوروں کی مِلک کے ساتھ مجتمع ہوسکتا ہے اور کیوں نہ ہو اوروں کی مِلک خدا ہی کی مِلک کا پرتو ہے وہ نہ ہو تو یہ کیوں کر ہو۔ ہاں مرتبہ تولیت اہل مصرف کے ساتھ مجتمع نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ملک بشرطیکہ موانع تصرف مرتفع ہوجائیں۔ تصرفات مالکانہ کی خواستگار (ہے) اور تولیت کے ساتھ سوا متولی اوروں کا اختیار متصور نہیں۔ بالجملہ مواقع مختلفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نیز بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے اظہار اختصاص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت اموال فئے اکثر ثابت ہوا ہے تو علی حسب الاختلاف یہ معانی ثلاثہ مراد ہیں۔ مگر کم فہمی کو کیا کیجئے۔ جیسے بھوکے کو دو اور دو سے چار روٹیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ حضرات شیعہ کو کسی قسم کا اختصاص کیوں نہ ہو مِلک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ میں آتی ہے۔ ان تمام مضامین کے دیکھنے والوں کو نہ در بارہ فدک و اراضی بنی نضیر اِن شاءاللہ شبہ مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باقی

رہے گا۔ اور نہ در بارہ حصہ خمس یہ وہم دِل میں رہے گا۔ کیونکہ مصارف خمس بھی وہی مصارف فئے ہیں اور انداز بیان بھی وہی ہے جو انداز بیان مصارف فئے ہے۔ وہاں اگر تین لام "فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی" مفہومات ثلاثہ پر داخل ہوئے ہیں یہاں بھی وہی تین لام انہیں مفہومات ثلاثہ پر وارد ہیں۔

مخیریق یہودی کے ہبہ کے شبہ کے جوابات

ہاں احتمال تردّد ہے تو بہ نسبت اموال موہوبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر یہ تردّد اہل سنت کو اس وقت مضر تھا کہ سواء انکار مالکیت اور کوئی صورت جواب نہ ہوتی در صورتِ کہ دوامِ حیات جسمانی ثابت ہو چکا ہو۔ اور خصوص خطاب "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ" ظاہر ہو گیا ہو۔ تو پھر ایک مملوکیت سے کیا ہوتا ہے۔

اشیائے موہوبہ باعتقاد رسالت تھیں اور منصب رسالت وہی منصب خلافت و نیابت ہے

بایں ہمہ اَموال موہوبہ کی ملک بھی اگر غور سے دیکھئے تو وہی ملک نیابت ہے۔ ہبہ مخیریق یہودی بوجہ اعتقاد رسالت تھا اور ظاہر ہے کہ منصب رسالت وہ منصب خلافت و نیابت خداوندی ہے۔ اس لئے مقتضائے حقیقت شناسی وحقیقت سنجی یہ ہے کہ ایسے ہدایا کو داخلِ خزانہ خداوندی سمجھئے اور سوا کارِ سرکاری اور کسی کام میں صَرف نہ کیجئے۔ مگر کارِ سرکاری وہی تبلیغ احکامِ خداوندی یا اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ جس کے لئے رُسل بھیجے جاتے ہیں غرض کارِ رسالت و جہاد میں جو کچھ صرف ہو فَبِهَا وَرنہ باقی کو بجنسہٖ محفوظ رکھنا چاہئے تا کہ آئندہ کو بھی اسی کام میں صرف ہوتا رہے۔ ہاں صرف ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور ابناء السبیل کو بھی منجملہ اعلاء کلمۃ اللہ سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو پھر تعمیل احکام ان اقسام سے معلوم اور ظاہر ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ بے تعمیل احکام مَلکِ علاّم متصور نہیں اور اگر فرض کیجئے یہ صَرف منجملہ صَرف اعلاءِ کلمۃ اللہ نہیں تو بیش بریں نیست مصارف سرکاری ضرورت اداء رسالت اور ضرورت اعلاءِ کلمۃ اللہ میں منحصر نہ ہو۔ یہ چار قسمیں اور سہی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اصناف مذکورہ کی خبر گیری بھی منجملہ

مصارف خداوندی ہے جیسے خرچ مہمات صَرف سرکاری شمار کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی خرچ خیرات بھی جو سرکار کی طرف سے ہوا کرتا ہے منجملہ مصارف سرکار سمجھا جاتا ہے۔

خلیفہ کا ہبہ سرکاری مِلک ہوتا ہے

بہر حال ہبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حق سرکاری ہے چنانچہ قواعد فقہیہ بھی اس کے مؤید ہیں اور دستور سلطنت بھی اس پر گواہ ہے اطفال خورد سال کو مثلاً اگر بلحاظ والدین کوئی کچھ دیتا ہے تو وہ حق والدین ہی کے فقہاء کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ ادھر دربارِ گورنری کا نذرانہ خزانہ سرکاری میں جمع کیا جاتا ہے اور گورنر کو نہیں دیا جاتا۔

خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملکِ مستعار سمجھتے ہیں اس لئے ان کے مال میں میراث نہیں

علاوہ بریں مالک حقیقی وہ خداوند مالک الملک ہے اوروں کی مِلک اس کی مِلک کے سامنے حکم قبضہ عاریت رکھتی ہے۔ ہاں جیسے اطفال خورد سال کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ مالِ مستعار اور مملوک میں کیا فرق ہے اور اگر ان کو کوئی شخص برائے چندے کوئی کپڑا پہنا دے یا کوئی چیز برائے چندے لا دے تو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کس نے دی ہے اور وہ کون ہے ایسے ہی سوا انبیاء علیہم السلام اور کسی کو یہ تمیز پوری پوری نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو اَنبیاء علیہم السلام کے بتلانے ہی سے ہوتی ہے خود ان کی عقل اس کے ادراک کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطہ۔ اس قبضہ اقتدارِ خداوندی سے واقف ہوتے ہیں جو علتِ ملک ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے اس قبضہ اقتدار خداوندی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کَاَنْ لَمْ یَکُنْ (گویا کہ نہیں) سمجھتے ہیں اور اس لئے قابلِ میراث نہیں سمجھتے۔ کیونکہ مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

اور ظاہر ہے کہ مِلک عباد بہ نسبت مِلک خداوند مالک الملک بمنزلہ اختصاص استعارہ ہے ہاں اُمتیوں کو اپنا ہی قبضہ نظر آتا ہے، اس لئے بوجہ چشم پوشی اسباب میں

واگذاشت مناسب سمجھی تا کہ مثل اطفال بے تمیز جو وقت استرداد عاریت غل مچایا کرتے ہیں شور برپا نہ کریں۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر خوارج کی طرف سے اعتراض

بالجملہ مال انبیاء کرام علیہم السلام کسی طرح قابل میراث نہیں ان اوراق کے دیکھنے والوں کو بشرط فہم اس بات میں توان شاء اللہ شبہ باقی نہ رہے گا۔ کہ مقدمات ثلاثہ جن پر بناء دعویٰ میراث ہے۔ تینوں کے تینوں غلط۔ اوران کے نقائض اور اضداد صحیح پر شاید خلجان باقی رہے تو یہ رہے کہ اگر یہ ہی تھا تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا خلیفہ اوّل سے طالب میراث کیوں ہوئیں اور ہونا ہی تھا تو اس تازہ صدمہ میں کہ عالم میں کوئی صدمہ کسی پر ایسا نہ ہوا ہوگا۔ ایسی متاع قلیل کا سوال کیوں کیا اور کیا ہی تھا تو بعد استماع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ سرتسلیم خم کرنا تھا نہ یہ کہ برسرپرخاش خلیفہ اوّل ہو کر اُلٹے ترک کلام وسلام کردیا۔ الغرض ردّ روافض کی طرح مدافعت خوارج بھی ضرور ہے تا کہ کوئی یوں نہ کہے۔ اس طرح سے مطالبہ بے جا اس ترکہ دنیا پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے نہایت ہی مستبعد ہے اس لئے کچھ اور قلم گھسانے کی ضرورت ہے۔ سنئے۔

اس شبہ کو تحلیل کیجئے تو تین اعتراض نکلتے ہیں۔ ایک تو مطالبہ بے جا۔ دوسرے ایسے وقت میں یہ شورِ ناسزا۔ تیسرے عدم تسلیم ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو بروئے انصاف بعد استماع تقریرات گزشتہ دونوں کی جواب دہی اگر ہے تو فریقین کے ذمہ ہے اور اگر کسی کو بوجہ کم فہمی اُمید جواب رسالہ ہذا ہو تو شبہ ثانی بالیقین دونوں طرف وارد ہے مگر ہماری نیازمندی دیکھئے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر کسی کی حرف گیری گوارا نہیں۔ ورنہ ہماری طرف سے بطور الزام شیعہ۔ جواب میں ہی یہ بات بے جا نہ تھی۔ درصورتیکہ خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ بحوالے ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات بیان کرتے ہوں اور پھر بات بھی ایسی ہو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت یعنی علیت اور منشائیت انتزاع اور مصدریت ثابت ہوتی ہو۔ ادھر دوام حیات رُوحانی وجسمانی پر وہ بات شاہد ہو اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث مستلزم عدم

افضلیت اور عدم دوام حیات جسمانی ہو تو اس صورت میں اگر اعتراض ہے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر ہے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ پر کیا اعتراض۔

خوارج کے اعتراضات کے جوابات

بہر حال یہ غلام خاندان نبوت سگ کوچہ اہل بیت رضی اللہ عنہم بہ تقاضائے اعتقاد درونی در بارہ مدافعت اعتراض مشارٌ الیہ یہ عرض پرداز ہے کہ دوام حیات جسمانی کا حاصل بجز طول حیات دنیا اور کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ ورنہ ایک جہان کا جہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جاتا۔ مگر ہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ طول حیاتِ یا دوام حیات جسمانی لاریب موجب افضلیت ہے۔ مگر کچھ ضرور نہیں کہ وہ طول حیات یا دوام حیات بالا روئے زمین ہو۔ داخل قبر بھی اگر حیات جسمانی ہو تو اوروں کو بوجہ طول حیات آپ سے افضل نہیں کہہ سکتے مگر اس میں کیا تاویل کریں گے کہ اولیاء کے لئے حیاتِ جسمانی اگر میسر ہے تو فقط عالم شہادت ہی میں میسر ہے۔ قبر میں ان کو حیاتِ جسمانی میسر نہیں۔ اور شیطان کو بالیقین حیاتِ جسمانی (مُیسّر ہے) علیٰ ہذا القیاس بہت سے کفار فجار کو (دنیا میں) ان سے زیادہ عطا ہوئی۔

الغرض اگر عقل ہو تو نفس حیات جسمانی یا طول حیاتِ جسمانی فضائل و کمالات محمودہ میں سے نہیں بایں ہمہ یہ بات کچھ ایسی بدیہی نہیں کہ کوئی کہے یا نہ کہے خود بخود اس کی خبر ہو جائے۔ جب بدیہیات میں بسا اوقات عقل کو تنبیہ کی ضرورت ہو اور بعض کم عقل بے تنبیہ مطلع ہو جائیں اور اس وجہ سے عاقل جاہل اور کم عقل عاقل نہ سمجھے جائیں۔ چنانچہ سوئی بسا اوقات عاقلان تیز نظر کو بے تنبیہ نظر نہیں آتی اور کم عقل کی نظر بے اشارہ غیر اس پر پڑ جاتی ہے تو اسی طرح قبل تنبیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور بعد اتباع اشارہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اعنی لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ آپ کی حیات جسمانی کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی ہو۔

فائدہ: اور اس تنبیہ کے بعد آپ کو یا کسی اور کو اشارات "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی

بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّیْنَ" سے بعد ضم مقدمات معروضہ اس کی اطلاع ہوگئی ہو تو کیا بعید ہے۔ بلکہ اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اس ارشاد کی خبر نہ ہوتی اور ہم جیسے کم عقل و کم فہم باشارہ تنبیہ مشارٌ الیہ یوں سمجھ کر کہ کلام اللہ تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ ہے۔ اس میں ضرور اس کی طرف اشارہ ہوگا۔ آیت 'اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ' سے آپ کی حیات رُوحانی سے مطلع ہو جاتے اور پھر بایں لحاظ کہ تعلق رُوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر محض تعلق فاعلی ہے کوئی شائبہ انفعال نہیں چنانچہ معروض ہو چکا۔ آپ کی حیات جسمانی کی بقاء کے قائل ہو جاتے تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ نقصان نہ آ جاتا اور ہماری شان کچھ اتنی سی بات سے عالی نہ ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علم کچھ اس سے زیادہ نہیں کہ نور کا تعلق جسم آفتاب کے ساتھ کس قسم کا ہے۔ اور جسم قمر و آئینہ کے ساتھ کس قسم کا۔ اور ظاہر ہے کہ (ایسا) علم خداوندِ معبود کے یہاں موجب قُرب درجات نہیں جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لئے اس کا ہونا ضرور ہو۔

اعتراض نمبر ۲۔ حدیث لَا نُوْرَثُ سننے کے بعد حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے غم و غصہ کے کیا معنیٰ؟

یہ بات قبل اطلاع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو مطالبہ میراث اس طور پر کچھ بے جا نہ ہوگا پر بعد استماع ارشاد فیض بنیاد لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ ۔ غم و غصہ کس لئے تھا بجائے تسلیم یہ کیا برعکسی ہے۔

جواب: بخاری کی اس روایت کا راوی گو سچا ہے لیکن اصل معاملے کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہوگئی عدم کلام کو ناراضگی پر حمل کر لیا

سو اس کا جواب یہ ہے کہ روایت کی صحت کا مقتضاء فقط اتنا ہے کہ راوی قابلِ اعتماد ہو یہ نہیں کہ علم حقائق وقائع اور انتزاع اُصولی و اسباب، واقعات میں بھی اس سے غلطی نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سفر کو

دیکھئے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور لڑکے کو مار ڈالنا بے جا نہ تھا چنانچہ کلام ربانی خود شاہد ہے تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے:

"اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا" (سورۃ الکھف، آیت ۷۱)

ترجمہ: "کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اس کے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری"۔

اور "اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا" (سورۃ کہف، آیت ۷۴)

ترجمہ: "کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے بے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول"۔ فرمایا، حالانکہ خدا تعالیٰ سے کمال علم خضری کی تعریف سن کر بغرض طلب مزید علم مشتاق ملاقات ہو کر گئے تھے سو جب خدا تعالیٰ تو حضرت خضر کی شان میں۔

"اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا" (سورۃ الکھف، آیت ۶۵)

ترجمہ: "دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے علم"

فرمائے اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے باوجود اصرار موسیٰ۔ اس وجہ سے انکار ہو کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اور پھر آخر کار بعد اصرار بسیار (نہ) بولنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کرا کر ساتھ لیا ہو۔ تس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مخالف واقعہ۔ حضرت خضر علیہ السلام کے افعال شائستہ کو ناشائستگی پر حمل کر بیٹھے ہوں اور ظلم و ستم کو نظر بظاہر ان کے افعال سے انتزاع کر لیا ہو۔ ایسے ہی اگر راوی واقعہ طلب میراث فئے بعد مطالبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کا خلیفہ اوّل سے اُس ترک آمد و شد کو جو بعد ربط و ضبط قدیمی بوجہ صدمہ جانگذا واقعہ جانکاہ رحلت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیش آیا تھا۔ غم و غصہ پر محمول کر لیا ہو اور اس معاملہ میں پھر کلام نہ کرنے کو بعد اس مطالبہ اور انتزاع کے اگر بوجہ رنج ترک کلام پر محمول کر لیا ہو تو نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا کچھ قصور نکلے گا اور نہ روایت کی صحت میں بطور قواعد محدثین کچھ نقصان آئے گا اور اگر بفرض محال حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ذمہ کوئی دشمن دین بے اعتباری خلیفہ اوّل کی تہمت

والدین بہ نسبت قتل اولاد۔ غرض جیسے خرق سفینہ بغرضِ خیر خواہی مالک سفینہ اور قتل فرزند
بغرض خیر خواہی والدین قلیل الوقوع اور دُور از فہم ہے ایسے ہی امانت داری اور پھر تصرف عام
قلیل الوقوع اور دُور از فہم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تولیت میں قبضہ امانت و نیابت ہی ہوتا ہے۔
جیسے خضر علیہ السلام کے اعمال میں موسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ ہوا ایسے ہی حضرت
سیدہ رضی اللہ عنہا کو اَموال فئے میں مِلک خاص کا دھوکہ ہوگیا تو کیا تعجب ہے
سو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بوجہ قلتِ وقوع و بُعد فہم دھوکہ ہوا یہاں
حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اسی وجہ سے دھوکہ ہوگیا تو کیا اعتراض کی بات ہے جو کوئی
خارجی ان پر اعتراض کرے اب سنئے اعتراضات خوارج کی مدافعت کے لئے یہ
تقریر ان شاء اللہ بوجہ احسن کافی ہے۔
جواب اعتراض نمبر ۳: اگر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا پر متاع قلیل کی طلب کا شبہ
ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال کی طلب تارکان دنیا ہی سے متصور ہے
ہاں اور استبعاد طلب متاع قلیل ایسے زمانہ صدمات میں ایسے تارکان دنیا سے
باقی رہا۔ سو اس کے لئے اوّل تو یہ گذارش ہے کہ رزق حلال منجملہ ضروریات دینی
ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلبِ رزق حلال اور اس کا اہتمام و انتظام اگرچہ مقتضی مطلق
دینداری ہے۔ مگر متصور ہے تو دین داروں میں سے تارکانِ دنیا ہی سے متصور ہے
کیونکہ جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی وہی اس کی طلب کیا کرتا ہے سوا ایسے دیندار جن
کے پاس رزق حلال بھی نہ ہو بجز تارکان دنیا اور کون ہوں گے۔ ادھر متروکہ نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم میں یہ احتمال ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی وجہ مکروہ یا حرام سے آپ کے پاس آیا ہو۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متروکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے
لئے نشانی اور تسکین خاطر کا باعث تھا
رہا انتقال مِلک بوجہ میراث اس میں بھی فساد و بطلان کی گنجائش نہیں جو کراہت یا

رمت کا احتمال ہو تو اُس پر متروکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نشانی اور آپ کا تبرک جس کی ضرورت اہل صدمہ کو زیادہ ہوتی ہے۔ سوایسے نازک وقت میں اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے مطالبہ میراث کیا تو عین مقتضاء ترک دنیا اور اقتضائے جوشش رنج والم تھا۔ یعنی آپ نے یہ سمجھا کہ تا حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم کو رزق حلال کا کچھ فکر نہ تھا اب اس کی بھی ضرورت ہوئی اور آپ کی نشانی اور تبرکات سے دل کے بہلانے کی بھی حاجت ہوئی سوایسی چیز جس میں دونوں باتیں ہوں اراضی ترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئیں اس خیال سے بخیال زوال حیات جسمانی وظن مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فدک کو طلب فرمایا کہ بے فکر ہو کہ عمر چند روزہ کو اسی طرح بسر کیجئے کہ غم فراق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے کچھ علاقہ ہی نہ رہے۔ یاد خدا ہو یا یادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بہر حال یہ بات قابل مداح ہے نہ لائق اعتراض، شاہد رَنج واَلم ہے نہ گواہِ سنگدلی۔ ترک دنیا کی طرح مصرح ہے حُبّ دنیا کی طرح مشیر نہیں۔ تاکیدات رزق حلال کی مثال پر دال۔ اور تحریمات رزقِ حرام کی تسلیم پر شاہد۔ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی اور ترک دنیا کی دلیل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ خاتم النّبیّین والٰہٖ وازواجہ و ذرّیّتہٖ و اھل بیتہ اجمعین.

ان (مندرجہ ذیل) پانچ جوابوں کے سوال گم ہو گئے پھر بھی یہ جوابات خالی نفع سے نہیں۔ اس لئے ان کو بھی نذر ناظرین کرنا مناسب سمجھا اور سوالات کا انداز مصحح عرض کرتا ہے کہ ان پانچ گمشدہ سوالوں کی تقریر کو ہم نے جوابات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے فہم کے مطابق مرتب کر کے ہر جواب کے شروع میں لکھ دیا ہے۔ ۱۲۔ مہر محمد بھی ان جوابات سے سمجھ میں آتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وصحبہٖ اجمعین. امّا بعد

ہر چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے توے میں سے چاندنا۔ مگر بایں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا اور یوں سمجھ کر کہ "جواب جاہلاں باشد خموشی" اگر ایسی خرافات کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور بھی جرأت ہو جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں اس لئے مختصر جواب سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔

سوال (اوّل)

(اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو راگ گانے کو بُرا کہتے ہیں حالانکہ ہم یہ سوز میں سنتے ہیں خلیفہ اوّل نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دَف سننے کا اعتراض کیا تھا اس لئے اہل سنت کا عزاداری شیعہ پر طعن کرنا حجت نہیں۔ ملخصاً)

جواب سوال اوّل

اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو منع کرتے ہیں تو نہ (صرف) بایں وجہ منع کرتے ہیں کہ یہ اقسام راگ سے ہے اور راگ ممنوع ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو سائل کا یہ کہنا بجا تھا کہ ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں اور جس کو گٹکری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے بلکہ وجہ ممانعت یہ ہے کہ مرثیہ خوانی، اور مرثیہ خوانی پر ہی کیا تقرر ہے۔ تعزیہ داری علم بر داری سینہ زنی وغیرہ بدعاتِ شنیعہ شیعہ سب ایجاد بندگان ہوا و ہوس ہیں نہ خدائے تعالیٰ نے اس قسم کی باتوں کے لئے ارشاد فرمایا نہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات نے یہ راہ بتایا ہاں کلام اللہ ہی میں تو یہ ارشاد ہے:

" وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (پارہ ۲، سورۂ بقرہ،

آیت ۲۲۹) اور نیز یہ بھی ارشاد ہے: " اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ " (سورۃ الاعراف، آیت ۳)

جس کے یہ معنی ہیں کہ جو لوگ حدود خداوندی سے آگے بڑھ جاویں وہی لوگ ہیں ظالم۔ جس کے یہ معنی ہیں اے لوگو! تابع داری کرو اس چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور نہ پیروی کرو سوا اللہ کے اوروں کی۔

ادھر حدیث شریف میں تو یہ ارشاد ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ " (بخاری ص ۳۷۱، ج ۱، مسلم ص ۷۷، ج ۲)

ترجمہ: جس کے یہ معنی ہیں کہ "جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود ہے"۔

اور سب اہل اسلام یہاں تک کہ شیعہ بھی اس بات کے معترف ہیں کہ مرثیہ خوانی تعزیہ داری علم برداری سینہ زنی سیاہ پوشی وغیرہ بدعات معمولہ شیعہ کا پتہ نہ کلام اللہ میں ہے نہ حدیث میں نہ خدائے تعالیٰ نے ان کاموں کے لئے فرمایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ بتایا۔ پھر اس طرح ان کاموں کا معتقد ہونا اور ان واہیات پر ثواب عظیم کا اُمیدوار رہنا حدود اللہ سے آگے نکل جانا ہے کہ نہیں؟ اور دین میں نئی بات کا نکالنا ہے یا نہیں؟

بالجملہ شیعہ موافق ارشاد آیت "وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ" کے ظالم ہیں اور مواق ایماء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ ساری باتیں مردود ہیں اور اس لئے اہل سنت و جماعت ان پر معترض ہیں۔ نہ بوجہ راگ ہونے کے فقط مرثیہ کو منع کرتے ہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ شیعہ انصاف فرمائیں اور راہ پر آئیں۔ ورنہ تو وہ جانیں خدا سے معاملہ پڑتا ہے نیک بد کا حساب اس کے ہاتھ ہے اور در بارہ وجہ ممانعت تسکین خاطر نہ ہو اور خدا کے ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے دل کی گلجڑی نہ کھلے تو ایک مثال عرض کرتا ہوں اس کو غور کریں گے تو میری یہ عرض ہی مان لیں گے۔ ان شاء اللہ۔

بدعات کی تمثیل

جیسے ہمارے تمہارے وجود میں آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں، چند اجزاء ہیں اور ہر ایک کی مقدار ہے آنکھیں دو، ناک ایک، اُنگلیاں پانچ، علیٰ ہذاالقیاس دین میں بہت سے رُکن ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور پھر ہر ایک کی ایک مقدار اور تعداد ہے نمازیں رات دن میں پانچ ہیں تو روزے برس دن (پورے سال) میں تیس ہیں۔

علیٰ ہذاالقیاس زکوٰۃ ہر سال ہے تو حج عمر بھر میں ایک بار مگر جیسے آنکھ، ناک اپنی مقدار معین اور تعداد معلوم سے کم ہوں جب بڑی بُری معلوم ہوتی ہیں (زیادہ ہوں تب بھی بڑی بُری معلوم ہوتی ہیں) جیسے ایک ناک کی جا دو ناکیں اور دو آنکھوں کی جگہ تین یا چار آنکھیں ویسے ہی بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے فرض کیجئے کسی کی اصل سے ناک، آنکھ نہ ہوں یا ہوں تو ناک آدھی اور آنکھ ایک ہو، باجملہ جیسے ہمارے وجود میں کمی بیشی اپنے اندازہ سے بُری معلوم ہوتی ہے، ایسے ہی دین میں بھی کمی بیشی اندازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بُری اور ناموزوں ہوگی۔ اس مثال کے سُن لینے کے بعد اہل انصاف تو ان شاء اللہ انصاف ہی فرمائیں گے اور راہ پر آئیں گے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم انصاف ہی عنایت نہیں کی۔ وہ ہماری تو کیا خدا اور رسول کی بھی نہیں مانتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعن کا جواب

باقی جو کچھ سائل نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ پر طعن فرمایا ہے اس کا جواب بطور تحقیق تو اتنا ہی بہت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل سنت کے نزدیک نبی نہیں امام (معصوم) نہیں جو سارے احکام ان کو معلوم ہوں مزامیر کی بُرائی سُنی سنائی ہوئی تھی۔ پر تفصیل یہ معلوم نہ تھی کہ دَف تو عید کے دن جائز ہے اور باقی مزامیر حرام۔ سو اپنے اُسی خیال کے موافق منع فرمایا۔

باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیدار ہونا ان کو بالیقین معلوم ہوتا تو پھر اس اعتراض کی گنجائش تھی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو مزمار شیطانی سمجھتے تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے

کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمار شیطانی کا سننے والا سمجھا اور معصوم نہ سمجھا۔

علاوہ بریں اعتراض اسے کہتے ہیں کہ جس پر اعتراض کیا جائے اس کی ان باتوں کو توڑے جو ان کے نزدیک مسلّم ہوں اور اگر اس کے نزدیک ایک بات مسلّم ہی نہیں تو اس کا توڑنا اس کو کیا مضر ہے؟ مثلاً اہل اسلام پر اعتراض اسے کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ نبی نہ ہونا، کاہن، ساحر، دنیا پرست ہونا ثابت کرے اور ابوجہل کا کفر یا اس کی دنیا پرستی اور برائی کا ثبوت اہل اسلام کو کیا مضر ہے، سو اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک مباحات جیسے اُمتیوں کو مباح ہوتی ہیں انبیاء کو بھی مباح ہوتی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ بہت سی مباحات اُمتیوں کے حق میں کسی قدر مکروہ ہوں تحریمی نہ سہی تنزیہی سہی۔ پر انبیاء کے حق میں وہی مباحات بایں وجہ کہ ان کے فعل سے حکمِ اباحت معلوم ہو جاتا ہے موجب ثواب ہو جاتی ہیں۔

ظاہر کی باتوں میں اس کی ایسی مثال ہے جیسے غذائے قوی ضعیف المعدہ کے حق میں موجب نقصان ہو اور قوی معدہ کے حق میں باعث قوت۔ لیکن ظاہر ہے کہ اُمور مکروہ میں اشتراک (وسوسہ) شیطانی ضرور ہوتا ہے بہت نہیں تھوڑا ہی سہی، باعث عذاب نہ ہو۔ سبب کراہیت ہی سہی۔ سو اگر فرض کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی بیداری کی اطلاع بھی تھی اور ادھر یہ اَمر مباح بوجہ کراہیت خالی از شر شیطانی نہ ہو تب بیش بریں نیست کہ بوجہ مذکور انہوں نے اس کو مزمار شیطانی کہا ہوگا۔ مگر اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ اس کا سننا بوجہ اغوائے شیطانی ہو۔ ایک فعل کے حق میں موجب ثواب اور دوسرے کے حق میں موجب عذاب ہوتا ہے۔ چونکہ سنی سنائی کا ذکر ہے تو میں بھی اس وضع کی مثال پیش کرتا ہوں کلام اللہ کا سننا بعضوں کے لئے باعث ہدایت اور موجب ثواب اور بعض کے لئے موجب ضلالت اور باعث عذاب ہے میں نہیں کہتا کلام اللہ ہی میں ارشاد ہے:

”یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا“ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۶)

ترجمہ: ”گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو“۔

اب دیکھئے ثواب عذاب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک فعل میں جب دونوں مجتمع ہوں تو اباحت اور کراہیت تو نیچے ہی کے درجہ میں ہیں۔ یہ دونوں اگر بہ نسبت دو شخصوں کے ایک فعل میں مجتمع ہو جائیں تو اتنا رنج کیوں ہے۔ یا حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ ہی سے ضد ہے کہ وہ سیدھی کہیں تب بھی اُلٹی سمجھیں یہاں تک تو بطور تحقیق جواب تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ سے اعتراض کا الزامی جواب

اب بطور الزام سنئے۔ ہماری نہیں مانتے تو خدا کی تو مانئے۔ خداوند علیم نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے کلام پاک میں نبی فرمایا ہے۔ کبھی بھولے چوکے کلام اللہ کو دیکھا ہوگا تو شیعوں نے سورۃ مریم میں یہ آیت بھی دیکھی ہوگی:

"وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا" (سورۃ مریم، آیت ۵۳)

ترجمہ: "جس کے یہ معنی ہیں کہ دیا ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے ان کا بھائی ہارون نبی"۔

اور انہی برادر بزرگوار کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشہادت کلام اللہ سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ چنانچہ کلام اللہ پڑھا ہوگا تو سورۃ اعراف میں یہ بھی دیکھا ہوگا:

"وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ" (الاعراف، آیت ۱۵۰)

ترجمہ: "اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف"۔

جس کا حاصل بعینہ یہی ہے جو معروض ہوا اور سورۃ طٰہٰ میں ہے:

"وَ اجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِي ۝ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝ وَ اَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ" (سورۃ طٰہٰ، آیات ۲۹ تا ۳۲)

ترجمہ: "اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا اور ہارون میرا بھائی اس سے مضبوط کر میری کمر اور شریک کر اس کو میرے کام میں"۔

اور سورۂ قصص میں جملہ "فَاَرۡسِلۡ اِلٰی هٰرُوۡنَ" بھی دیکھا ہوگا جس کو اپنے ما قبل اور ما بعد کے ساتھ ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت کی استدعا اسی وقت کی ہے جس وقت ان کو خلعت اخوت عنایت ہوئی۔

غرض فرعون کی طرف جانے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کے خواستگار ہوئے اور پھر "قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی (سورۂ طٰہٰ، آیت ۳۶)" (ملا تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ) اور سورۂ طٰہٰ میں اور " کَلَّا فَاذۡهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ "(سورۂ شعرآء، آیت ۱۵)" (کبھی نہیں تم دونوں جاؤ لے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دُعا اور اور استدعا فرعون کی طرف جانے سے پہلے ہی مقبول ہوئی۔ یہ سارے حوالے اس لئے دیئے ہیں کہ کوئی حجتی لا اُمتی (یعنی رافضی جو اُمت نبی کہلانے پر فخر نہیں کرتا بلکہ شیعہ علی اور ملّت جعفریہ کہلاتا ہے) بے وجہ تکرار نہ کرے اگر چہ شیعہ اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی شاید باز نہ آئیں کلام اللہ ہی کو بیاض عثمانی کہنے لگیں کلام ربانی نہ کہیں چنانچہ کہتے ہیں۔ اور اسی لئے علماء اہل سنت نے اور نیز اس ہیچمدان نے ہدیۃ الشیعہ میں اس کے جواب دندان شکن لکھے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر شیعہ اصل سے کلام اللہ ہی کو نہ مانیں تو ہمارا اور بھی حساب اور ان کا لیکھا ہے اِدھر نہیں۔ تو اُدھر ہی سے اُن کو بچھاڑیں گے۔ آخر شیعہ، سُنی حدیث ثقلین کے تو سبھی قائل ہیں۔ اس حدیث کا ماحصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عترت جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے تب تک گمراہ نہ ہو گے۔ اور ظاہر ہے کہ کلام اللہ کسی کے پاس ہو اور نہ پکڑے یعنی اس پر عمل نہ کرے یا پاس ہی نہ ہو کوئی چھین لے جائے یا جلاوے جیسا حضرات شیعہ بہ نسبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گمان رکھتے ہیں۔ کلام اللہ پر عمل کرنا دونوں صورتوں میں میسر نہیں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں مثل کفار زمانہ حضرت سید ابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، دوسری صورت میں مثل کفار زمانہ جاہلیت۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت

بالجملہ کلام اللہ کے عالموں، حافظوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس جانے سے پہلے ہی نبی ہو چکے تھے اور علیٰ ہذا القیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کے لئے کوہِ طور پر جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا جانا اور پھر سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ میں لوٹ کر حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ کر یہ کہنا۔ اَفَعَصَیۡتَ اَمۡرِیۡ جس کے یہ معنی ہیں تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سب باتیں فرعون کے غرق ہونے کے بعد کی ہیں۔ چنانچہ سورۂ اعراف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ شعراء کے سیاق وسباق اور نیز باتفاق شیعہ وسُنّی ثابت ہے۔ اب حضرات شیعہ کی خدمت میں اس غلامِ خاندان اہل بیت کی یہ گذارش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو وہی حکم کیا تھا جو حکمِ خدا ہے اور انہوں نے اس کی نافرمانی کی۔ جس کی نسبت یہ فرمایا اَفَعَصَیۡتَ اَمۡرِیۡ تب تو حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت کو کیونکر تھامئے گا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے کوئی اَمر خلافِ شرع اِرشاد فرمایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معصومیت کو نعوذ باللہ داغ لگے گا۔ اور اگر وہ حکم نہ موافق شرع تھا نہ مخالف شرع یونہی مباحات دنیوی میں سے تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کا قصور ہی کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ہتک عزت کی نہ ان کی نبوت کا لحاظ کیا نہ بزرگی اور بڑائی کا لحاظ کیا قطع نظر نبوت کے حضرت ہارون بڑے بھائی بھی تو تھے تو بڑا بھائی بجائے باپ ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ حرکت (بظاہر نبوت سے قطع نظر) از قسم معصیت تھی جس سے عصمت کو داغ تو کیا لگے بالکل سیاہی بن جائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت باوجود اس دست وگریبان ہونے کے بھی (اتفاق سُنّی شیعہ) نہیں جاتی اور ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھنے سے چنانچہ آیت اَفَعَصَیۡتَ اَمۡرِیۡ شاہد ہے ان کی عصمت کو داغ نہیں لگتا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر دف کو مزمار شیطانی سمجھ کر منع کیا تو کیا

بے جا کیا۔ اُس میں اور اس میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ قصہ کلام اللہ میں ہے جس کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ یہ قصہ حدیث واحد میں ہے جس کے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ہیں اور نبی بھی کیسے نبی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کا فہم کیسا ہوتا ہے۔

یہاں اگر دَف کو مزمار شیطانی سمجھا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سمجھا جو ان کے معتقدوں کے نزدیک نبی نہیں (بزرگ) اُمتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بدرجہا کمتر ہیں ان کی غلط فہمیوں سے سنیوں کو کچھ عیب نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کے یہاں سوائے نبی کے کوئی معصوم ہی نہیں اور شیعوں کے اُصول کے موافق نبی تو نبی امام بھی معصوم ہے۔ پھر سُنّی تو اعمال ہی میں معصوم کہتے ہیں جسے معصوم کہتے ہیں۔ شیعہ معصوموں کو فہم میں بھی معصوم سمجھتے ہیں جیسے اعمال میں معصوم ہوتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا ویسے ہی غلط فہمی سے معصوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی اہل سنت کو مضر نہیں

سو اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلطی سے دَف کو (بظاہر کثرت استعمال در لہو ولعب کی وجہ سے جیسے ریڈیو) مزمار شیطانی کہہ دیا تو کیا گناہ کیا۔ ایک غلط فہمی جس سے نہ ولایت میں نقصان ہے۔ سنیوں کے نزدیک نہ خلافت میں بلکہ ان کے نزدیک نبی سے بھی (جیسے کہ قصہ خضر وموسیٰ علیہما السلام) غلط فہمی ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیعوں کے نزدیک غلط فہمی ممکن ہی نہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو جو انہوں نے عاصی سمجھا تو شیعوں کے نزدیک نعوذ باللہ صحیح ہی سمجھا ہوگا۔ علاوہ بریں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر شیطان کی طرف نسبت کیا تو بجانے والوں کے فعل کو نسبت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کیا بلکہ آپ ہی کی خاطر ان کو جھڑکا۔ یعنی جیسے اور کافروں فاسقوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کرتے تھے لڑتے جھگڑتے تھے یہاں بھی مقتضائے ادب ومحبت نبوی غصہ ہوئے اور منع

کیا۔ اور جیسے اور کفار فجار کے اعمال کے دیکھنے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے یوں خیال نہیں کیا کہ آپ برضاء ورغبت دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں بھی بشرط علم بیداری یہ نہ سمجھا تھا کہ آپ برضا ورغبت سنتے ہیں بلکہ سیاق کلام سے یہ بات فہم ہو تو یہ بات صاف روشن ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہی خیال کیا کہ آپ کو یہ فعل بُرا معلوم ہوتا ہوگا۔ پر آپ شاید ایسے چُپ ہوں جیسے بعض بزرگ بوجہ کمال حلم چھوٹوں کی بہت سی بدلحاظیوں پر سکوت کرتے ہیں۔ غرض ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گمان میں یہ آیا کہ آپ کو (یہ دَف بجانا) لاریب بُرا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مکروہات تنزیہی سے آپ منع نہیں فرماتے اس لئے آپ نے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ سو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بوجہ کمال ادب اتنی بات بھی بُری معلوم ہوئی اور یہ قصہ ایسا ہے کہ اپنے بزرگ کے سامنے کوئی لڑکا حُقہ پینے لگے اور وہ بوجہ دانشمندی خود تو کچھ نہ کہیں پر ان کے خادم یوں کہیں کہ ہیں ایسی بے ادبی بزرگوں کے سامنے۔

لیکن تحریر ملاحظہ قصہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے خوب روشن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود حضرت ہارون علیہ السلام ہی کو عاصی سمجھا۔ اور اسے بھی جانے دیجئے عصیان اور مزمارِ شیطان میں بھی زمین وآسمان کا فرق ہے۔ مزمار شیطانی کہنے سے تو فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ شیطان کو اس فعل میں دخل ہے یا شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شرک ہے یا کفر ہے یا گناہ کبیرہ یا صغیرہ یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ غرض ایک گول بات ہے کہ جس کے بیس پہلو ہیں اور ظاہر ہے کہ شیطان کو ان سب باتوں میں دخل ہے۔ بلکہ طولِ امل اور حدیث نفس (وسوسہ) تک بھی شیطان ہی سے ہوتے ہیں۔

شیطان کا وسوسہ کاملین کی شان میں عیب نہیں اور مزمار شیطانی سے آدم کی طرف وسوسہ شیطانی کی نسبت زیادہ شدید ہے

ادھر حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت شیطان کی وسوسہ اندازی خود کلام اللہ ہی میں مذکور ہے۔

"فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ" (الاعراف، آیت ۲۰)

ترجمہ ''پھر بہکایا ان کو شیطان نے''۔ اور

''فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ'' (سورۂ بقرہ، آیت ۳۶)

ترجمہ: ''پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے''۔

کبھی دیکھا سنا ہوگا۔ ادھر سورۂ الحج میں:

''وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰىٓ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ'' (سورۃ الحج، آیت ۵۲)

ترجمہ: ''اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطان نے ملا دیا اس کے خیال میں''۔

موجود ہے۔ ان سب آیتوں کے ترجمے دیکھئے اور انصاف کیجئے کہ وسوسہ اور القا شیطانی کی اضافت مزمار شیطانی کی اضافت سے کس بات میں کم ہے۔ مگر عصیان نافرمانی کو کہتے ہیں جس سے انبیاء بالیقین معصوم ہیں۔

اب حضرات شیعہ برائے خدا انصاف فرمائیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزمار الشیطان کہنے اور سمجھنے سے عصمت کو بٹا لگتا ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ کہنے سے۔ صاحبو! یہ ساری خرابی کلام اللہ کے یاد نہ ہونے اور کلام اللہ پر تمسک اور عمل نہ کرنے کی ہے اگر حضرات شیعہ کو کلام اللہ کی طرف توجہ ہوتی تو اس اعتراض کو تو منہ پر ہی نہ لاتے۔

خیر خداوند کریم ہمیں اور انہیں کلام اللہ کی پیروی کی توفیق دے۔ بالجملہ حضرات شیعہ کی خدمت میں اب ہماری یہ عرض ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہ مقتضائے تقریر بے قصور نکلے پر آپ صاحبوں کو ہمارے اس اعتراض کا جواب دینا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود یہ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت اور عصمت کے سب سے زیادہ واقف تھے کیوں کہ آپ ہی کی استدعا سے ان کو نبوت کی نوبت پہنچی۔ پھر کیوں ان کو عاصی سمجھا اور پھر سمجھے بھی تو اس درجہ کو کہ شک کا بھی احتمال نہیں۔

ہر طرح سے یقین کا یقین ہے ورنہ سر کے بال اور داڑھی کے بال پکڑنے اور کھینچنے کی نوبت نہ آتی بلکہ آیت:

" لَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ "(سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۰)

ترجمہ: ''سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں''۔

سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو زمرہ ظالمین سے سمجھا۔ ﴿خلاصہ جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دَف کو شیطان کے کھیل کا آلہ کہنا کمال اتباعِ نبوی اور آرام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی سے یہ مناسب سلوک۔ غلط فہمی اور جوش توحید کی بناء پر تھا۔ دونوں قصوں میں کوئی اعتراض کا پہلو نہیں''۔۱۲۔ مہر محمد﴾ (معاذ اللہ)

سوال دوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ صفات و کمالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل تھے مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق دبا لیا۔ مصلّٰی اور خلافت کے وارث بن بیٹھے۔ تو ابوبکر کیسے خلیفۂ عادل ہوئے)

جوابِ سوال دوم:۔ (شیعہ کی پیش کردہ حدیث کا کوئی پایہ نہیں)

اس سوال سے کچھ معلوم نہ ہوا کہ غرض سائل کیا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اَفضلیت حضرتِ رابع الخلفاء سید آل عبا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ مد نظر ہے اور بایں وجہ در پردہ خلفاء ثلاثہ کے عدم استحقاق کا مظہر ہے۔

سو اس کا جواب اوّل تو یہی ہے کہ حدیث مسطور سنیوں کے نزدیک احادیث معتبرہ میں سے نہیں صحاح ستہ میں ہے نہ مشکوٰۃ میں نہ کسی اور حدیث کی کتاب میں۔ باقی صواعق مُحرقہ اوّل تو حدیث کی کتاب نہیں۔ رَدِّ روافض میں ایک کتاب ہے۔ اور اگر فرض کیجئے اس میں کسی حدیث کا ہونا بھی سنیوں کے الزام کھانے کو ویسا ہی ہے

جیسے حدیث کی کتابوں میں کسی حدیث کا ہونا تو پھر کیا، اہلِ سنت و جماعت اپنی کتابوں میں صحیح ضعیف، معتبر، غیر معتبر ہر قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں۔ مگر اس کی تین صورتیں ہیں۔

اہل سنت کی کُتب حدیث کے چار درجے

ایک تو یہ کہ مصنف کتاب یہ التزام کرے کہ اپنی کتاب میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کروں گا جیسے بخاری شریف صحیح مسلم وغیرہ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے بیمار (خاص) کے لئے مفید ہی مفید ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو کھول کر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی حدیث کو کھول کر کہہ جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے اکثر کتبِ طب میں ادویہ مفردہ مرکبہ نافعہ مضرہ اور اغذیہ نافعہ، مضرہ سب لکھتے ہیں پر اس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا یا غذا نافع ہے اور یہ دوا یا غذا مضر ہے۔ سو کُتب طب میں کسی مضر چیز کو دیکھ کر جیسے کوئی نادان بھی یہ نہیں کہہ پڑتا کہ فلانی دوا یا غذا طب کی کتاب میں ہے آؤ اس کو استعمال کریں۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال میں استعمال کرنے کا خیال بھی کسی عاقل کو نہیں آ سکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں فقط موضوعات یا احادیث ضعیفہ ہی کو جمع کرے اور غرض التزام سے یہ ہو کہ دینداران سادہ لوح کے لئے یہ کتاب ایسی رہے جیسے طبیب پرہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کر دے تا کہ کل کو کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ موضوعات ابن جوزی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں سو ایسی کتابوں سے سنیوں کے الزام کے لئے کوئی حدیث نقل کی جائے تو بڑی ہی شوخ چشمی ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ بطور بیاض کسی نے ایک مجموعہ اکٹھا کیا اور رطب و یابس سب اس میں بھر لیں تا کہ وقت فرصت تحقیق کر کے صحیح کو رہنے دیں گے اور ضعیف

نکال دیں گے اور پھر اتفاق سے یہ اتفاق نہ ہوا یا ہوا تو وہ اصل بیاض کسی کے ہاتھ لگ گیا، اس صورت میں بھی عاقل کا یہ کام نہیں کہ اس سے استدلال کرے اکثر غیر مشہور کتابیں حدیث کی اسی قسم کی ہیں۔ سو غیر مشہور کتابوں سے حدیثوں کا بیان کرنا جب تک مفید مطلب نہیں کہ کسی محقق نے اس کی تصحیح نہ کی ہو چنانچہ ظاہر ہے۔ سو اس حدیث کی کسی محقق اہل سنت نے آج تک تصحیح نہیں کی جو حضرات شیعہ کو گنجائش استدلال ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور اُمت میں افضل ہیں

اور ان سب کو جانے دیجئے ﴿اس مقام میں اصل نسخہ میں تین سطریں غائب ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت چھوٹ گئی ہے، لہٰذا اصل کے مطابق یہاں تین سطروں کی مقدار بیاض رہنے دیا گیا ہے۔۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ اس سے زیادہ فضیلتیں خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں۔ کتابیں معتبر بھری ہوئی ہیں۔ لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اگر میں کسی کو سواء خدا کے دوست اور خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا“۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل سمجھتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سے فضائل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ علیہ کی اس فضیلت سے جو حدیث مذکور سے مستنبط ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سب سے افضل ہیں۔ ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت مذکورہ سے ان (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی افضلیت واضح ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت نہ دے کر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے

اور اس کو بھی جانے دیجئے ہم پوچھتے ہیں کہ حدیث مذکور اگر صحیح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہوں گے یا نہ ہوں گے؟ اگر آپ سے بھی افضل ہوں گے تو ہمیں بھی کچھ شکایت نہیں مگر جیسے باوجود افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکومت نہ دی اپنے ہی تحت تصرف

میں رکھی ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوگیا۔ اتنا فرق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتباع نبوی کیا کہ حق بحقدار کو نہ پہنچایا اور اسی وجہ سے مصیب بصواب ہی ہوں گے ان شاء اللہ کیوں کہ اتباع سنت تو بہرحال موجب ثواب ہی ہوتا ہے شیعہ بھی اس کے قائل ہیں۔ اور سُنّی بھی اس کے معترف اور اگر باوجود ان فضائل کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ یہ فضائل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فضائل ہوں گے یا ان فضائل کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے تو سنیوں کی بھی یہی گذارش ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بھی یہ فضائل ہوں گے یا ان کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے۔ بالجملہ بدستاویز حدیث مذکور اگر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل تھے تو اسی حدیث کی رُو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے کیونکہ یہ فضائل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حدیث کے موافق نصیب نہیں ہوئے اور وہ بھی حضرات شیعہ کے طور پر کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تو ان کی افضلیت اسی وجہ سے ثابت ہوگی کہ اس حدیث کے سیاق سے حضرت امیر رضی اللہ عنہ ہی کا اختصاص ان اوصاف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے پھر جب بوجہ اختصاص ایک سے افضل ہوئے ویسے ہی سارے جہان سے افضل ہوں گے اس میں سید الانبیاء ہو یا سید الصدیقین ہو اس صورت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو خلافت کے دبا لینے کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود فضیلت حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان کو حکومت نہ دی آپ ہی قابض و متصرف رہے۔ مجھ کو لازم ہے کہ میں بھی اسی طرح حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو حکومت نہ دوں تاکہ حق کے نہ دینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہاتھ سے نہ جائے۔

وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے

علاوہ بریں وقت وفات امام مسجد کیا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو کیا جس سے ہر عام و خاص نے یہی سمجھا کہ جو دین کا پیشوا۔ وہی دنیا کا پیشوا یعنی جیسے حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے پیشوا تھے اور امام نماز تھے اس لئے دنیا کے بھی امام یعنی حاکم تھے ایسے ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا امام بنایا جو سب دین کی باتوں میں افضل ہے لا ریب دین میں یہ سب سے زیادہ ہوں گے سو انہیں کو دنیا کا بھی امام بنانا چاہئے۔ علیٰ ہذا القیاس خود ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذہن میں (بالفرض) یہی آیا ہو کہ جب مجھے دین کا امام بنایا دنیا کا بھی میں ہی امام ہوں گا۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کا حق نہ دیا

لیکن حضرات شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا حق نہ دیا اور آپ دبائے رکھا پھر وقت وفات بھی کیا تو وہ کیا جس سے سب عام و خاص الٹا سمجھ گئے۔ تو آپ نے کس کی پیروی کی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ حاکم ہو تو افضل ہو ورنہ پھر شیعوں کو سنیوں پر کیا اعتراض ہے۔ سو اس صورت میں لازم یوں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو بناتے آپ محکوم بنتے۔

جب خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا

اور اسے بھی جانے دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے کچھ خوف ہوا ہوگا ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ سے نعوذ باللہ ڈر گئے ہوں گے خود خداوند کریم باایں ہمہ دعویٰ عدل و انصاف جس کے معنی شیعوں کے نزدیک یہ ہیں کہ خدا کے ذمہ پر عدل واجب ہے خلاف انصاف وہ کوئی بات کر ہی نہیں سکتا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا حامی اور طرف دار کیوں نہ ہوا یا یوں کہئے کہ خدا کے ذمہ حق کا پہنچانا واجب نہیں تب تو سنیوں کا مذہب برحق نکلا کہ خدا کے ذمہ عدل واجب نہیں اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ چنانچہ خود ہی فرماتا ہے:

"لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ" (سورۃ الانبیاء، آیت ۲۳)

ترجمہ: "اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے"۔

اور کیونکر اختیار نہ ہو وہ سب کا مالک ہے ظلم تو جب ہو جب کسی غیر کی چیز میں بے موقع تصرف کرے اگر کوئی شخص اپنی سلطنت اور ریاست یا خزانہ یا کوئی اور چیز کسی کم تر کو ہبہ کر دے اور افضل کو ہبہ نہ کرے تو اس کو کوئی نادان بھی ظلم نہیں کہہ سکتا۔

درحقیقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت بوجہ آپ کی افضلیت کے عدل کے عین مطابق ہے

یا یوں کہو خدا پر عدل تو واجب ہے پر انصاف یہی تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں کیوں کہ وہ سب سے افضل تھے تب اہل سنت کا بالا بیتا رہا۔

کیا شیخین از خود خلیفہ بن گئے اور معاذ اللہ خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا

یا یوں کہو عدل بھی واجب تھا اور حق بھی علی رضی اللہ عنہ کا تھا پر نعوذ باللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے خدا کی کچھ نہ چلی زبردستی یہ دونوں علی رضی اللہ عنہ کا حق دبا بیٹھے۔ تب سنیوں ہی کا بول بالا رہا جن کے ایسے پیشوا کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی ان کے سامنے نہ چلے ان کو حضرت کی پیروی کی کیا پروا اور ان کی ناخوشی کا اندیشہ؟

حضرات شیعہ یا تو ان باتوں کا معقول جواب دیں ورنہ فکر آخرت کریں اور توبہ توبہ کریں۔ ان سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اس طرح کے کلمات زبان پر لانے سے واللہ ہمارا جی ڈرتا ہے خدا کی شان کے آگے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تو کیا چیز ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو افضل مخلوقات ہیں اور محبوب ذات پاک ہیں ایک بندہ ہی ہیں ایک ذرہ ہلانے کی طاقت نہیں رکھتے پر کیا کیجئے۔ نقل کفر کفر نہ باشد حضرات شیعہ کی خرافات کو بناچاری نقل کرنا پڑا۔

سوال سوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور محمد بن ابی بکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں تھا اور جب وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تو ان پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روئیں اور پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کی

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان سے جنگ کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حَرْبُکَ حَرْبِیْ فرمایا ہے۔ تو اہل سنت کے یہ بزرگ عقیدت کے لائق کیسے ہوئے۔

جواب:۔۔ سوال سوم

اِس سوال کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جناب سائل وقتِ سوال کچھ بھنگ بھی نوشِ جان کئے ہوئے ہیں۔ اہل فہم کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں یا شیعوں پر یا دونوں پر یا یوں ہی ایک غمزہ بے جا اور عشوہ بے محل ہے۔

واقدی معتبر مؤرخ نہیں

صاحبو! اوّل تو واقدی اہل سنت کے نزدیک مؤرخ معتبر نہیں مجمع البحار کے آخر میں دیکھ لیجئے۔ واقدی کی شان میں کیا لکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحابیت و زوجیت کا خیال کیوں نہ کیا

مگر اس بات کو تو ناظران اوراق عقب گذاری پر محمول کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ساری باتوں کو محرر اوراق غلط بتانے لگا۔ اور صاحب سوال۔ جناب معترض کو کوئی یوں نہ کہے گا کہ حضرت نے جو بات لکھی ہے۔ طوفان شیطانی ہی لکھا ہے۔ کوئی اہل علم تو بتائے کہ حضرت نے سوا ایک بات کے کون سی بات سچی لکھی ہے۔ اس لئے یہ عرض ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر اس روایت کو مانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رونے کی اگر شکایت ہے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بشہادت سوال محمد بن ابی بکر کو روئے۔ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا دھیان نہ کیا کہ کل اُس نے میری صحابیت اور زوجیت کا کچھ لحاظ نہیں کیا تھا تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا کچھ دھیان نہ فرمایا کہ کل اس (محمد بن ابی بکر) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحابیت کا دھیان نہیں کیا تھا۔ مجھ کو اس کے غم میں رونا مناسب نہیں۔ بلکہ یوں کہو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے بھی جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

زوجیت اور صحابیت کا لحاظ نہیں کیا۔ اگر اس بات کا لحاظ نہ کرنا بُرا تھا اور اس وجہ سے ان کا غم مناسب نہ تھا تو یہ فرمایئے حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ایسا بُرا کام کیوں کیا۔

اور اگر یہ مُدعا ہے کہ حضرت امیر جنگ جمل میں حق پر تھے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر صدیق نے اپنی بہن کا کچھ لحاظ نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لاریب حضرت امیر رضی اللہ عنہ برحق تھے۔ ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم کر جائیں پر اس کہنے سے کیا فائدہ محمد بن ابی بکر سنیوں کے کون سے مقتدا اور پیشوا اور امام وقت تھے۔ جن کا فعل سنیوں کے نزدیک مستند ہو۔ دوسری (بات) یہ ہے کہ اگر ان کا فعل سند بھی ہو تو حاجت سندی کیا ہے۔

اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ کے اسی طرح قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے

اہل سنت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے وقت ان کے خلیفہ برحق ہونے کے ویسے ہی قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کی حقیقت کے ان کے ایام خلافت کے قائل ہیں۔ سند کی تو اس وقت ضرورت ہوتی جب اہل سنت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے برحق ہونے کے منکر ہوتے پر اس بے ہودہ سرائی سے کیا فائدہ تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے رونے سے آپ کو کیا ہاتھ آیا، یہ تو فرمایئے یہ کون سی دلیل ہے اسے کلام اللہ کی آیت کہئے یا حدیث کی دلالت کہئے اس دیوانوں کی سی ترنگ سے اس بحث میں کیا ہاتھ آیا۔ خلافت حضرت امیر اس سے ہاتھ آ گئی یا آپ کی امامت کا تمسک اور قبالہ سے اس درست ہو گیا نقل مشہور ہے ”بیاہ میں بیج کا لیکھا“ کجا امامت حضرت امیر کجا یہ مہمل تقریر۔

اگر مقصود دلی وہی اظہار خبث باطن بہ نسبت زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور اس پردہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن مدنظر ہے تو موافق مصرع مشہور ”کلوخ انداز را پاداش سنگ است“ مناسب تو یوں تھا۔ کہ انتقام اُم المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم بھی اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے پر ایسے نابکاروں کو بُرا

کہا تو کیا ہوا۔ شیطان کو بُرا کہنے کی حاجت ہی کیا ہے اور اسکی ہجو و مذمت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جیسے ان کی خوبی اور بزرگی معلوم ہے۔ حضرات روافض کی شان میں یہی مشہور ہے۔

الرافضی فوارۃ اللعنۃ ازوی خیزد و بروی ریزد

بالجملہ رافضیوں کے بُرا کہنے کی حاجت نہیں۔ ہاں جواب اعتراض چاہیے۔

تحقیقی جواب: جنگ جمل خطاء اجتہادی کی بناء پر ہوئی اور خطاء اجتہادی قابل مؤاخذہ نہیں

صاحبو! تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ افضل بشر تھے اور بے شک وہ برحق تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خطاء پر تھیں لیکن بوجہ خطاء ونسیان انسان معاتب نہیں۔ ورنہ روزہ میں بھول کر پانی پینا، کھانا کھانا بوجہ خطا جیسے وضو کرنے میں کبھی پانی حلق میں اُتر جاتا ہے۔ ایسے اُمور کا مرتکب ہونا موجب عذاب و وجوب کفارہ ہوا کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس بوجہ غلطی اگر کوئی حرکت ناسزا ہو جائے تو اس پر بھی خدا کے یہاں سے گرفت نہیں ورنہ اَبر کے روز قریب غروب آفتاب کہ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا ہو اگر کوئی شخص بوجہ غلطی یوں سمجھ لے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور یہ سمجھ کر روزہ کھول لے اور پھر آفتاب نمودار ہو جائے چنانچہ اکثر ہو جاتا ہے تو لازم یوں ہے کہ ایسا شخص معذب ہوا کرے حالانکہ باتفاق شیعہ سُنی ایسے افعال پر خدا کے یہاں مواخذہ نہیں۔ ایسے ہی مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور محاربات اصحاب جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیاء جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ گذرا سب بوجہ غلطی ہوتے ہیں جان بوجھ کر نہیں ہوتے جو ان پر اعتراض کیا جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قصاص لینے میں تاخیر کی وجہ بلوائیوں کا غلبہ اور زور تھا

باقی رہی یہ بات کہ وجہ غلطی کیا ہوئی اس کا جواب اَوّل تو یہ ہے کہ ہم کو اس سے کیا بحث حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح دونوں کو بزرگ سمجھنا

چاہئے اور تحقیق مد نظر ہے تو سنئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لئے تھے۔ سو حضرت امیر رضی اللہ عنہ اوّل تو بایں وجہ قصاص لینے میں دیر کر رہے تھے کہ ان شورہ پشتوں نے بنی بنائی بوے زور کی خلافت کو جب ایسا زیرو زبر کر دیا تو میری خلافت تو جمنے ہی نہیں پائی۔ میرے قابو کیونکر آئیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ میں سمجھ کر مارا

دوسرے بلوئی کی بات ہے تحقیق کے بعد قاتل غیر قاتل کو پہچان کر قصاص لیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ یہ سمجھے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ان ظالموں کے طرف دار ہیں چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ جو محمد بن ابی بکر کو مارا تو اس کی وجہ بھی یہی ہوئی کہ ان کو منجملہ مشیران قاتلین سمجھتے تھے یہ بات جدا رہی کہ یہ (مشیر) تھے یا نہ تھے۔

جنگ جمل میں بلوائیوں کا ہاتھ تھا

تو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا خود اِرادہ قتال بھی نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل جو اِن لوگوں کو ڈراتے تھے تو اپنی جان بچانے کو بصرہ کو جاتے تھے۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے تعاقب کیا۔ انجام کار بایں وجہ کہ قاتلان مذکور نے بغرض فساد دو گروہ ہو کر دونوں لشکروں پر شب خون مارا ہر ایک نے دوسرے کی دغا سمجھی اور لڑ لڑا کر قصہ تمام کیا۔

اس طرح کی خطا کا صدور قصہ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے

مگر بشہادت کلام اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام پر کشتی توڑ ڈالنے اور لڑکے کو مار ڈالنے کے مقدمہ میں اعتراض کیا چنانچہ سورۂ کہف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے۔ جسے شوق ہو سولہویں سپارے کے شروع سے پہلے ایک رکوع نکال کر دیکھنا شروع کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے پاس جانا اور دوبارہ تسلیم عہد و پیمان کرنا پھر

بایں ہمہ اعتراض کرنا اور نیز حضرت خضر علیہ السلام کا ان باتوں میں بے قصور ہونا سب بخوبی واضح ہو جائے گا۔ اور نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلطی بھی کھائی پر بے بتلائے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس آپ نہیں گئے خدا کے بھیجے ہوئے گئے۔ خدا نے ان کے علم اور بزرگی کی ان سے تعریف کی پھر انہوں نے یہ کہہ لیا کہ تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا۔ تم میرے ساتھ نہ ہو۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کرلیا کہ میں کچھ تکرار نہ کروں گا۔ بایں ہمہ نور نبوت وکمال عقل ایسا کہ کیسی ہی باریک بات کیوں نہ ہواسے سمجھ جائیں پر اس پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھے اور نہ سمجھنا تو درکناریوں (بھی) نہ سمجھے کہ اس میں کچھ بھید ہوگا۔ صبر کرنا چاہئے اور پھر نہ سمجھنے کی نوبت یہاں تک آئی کہ بے بتلائے نہ سمجھے اگر ہم جیسے اور تم جیسے مستانِ دنیا کم عقل کم فہم ان قصوں کی حقیقت کو نہ سمجھیں جن میں مراتب مذکورہ میں سے ایک بات بھی محو نہیں تو کیا بعید ہے بلکہ لازم یوں ہے کہ نہ سمجھیں ہاں یہ سمجھ کر کہ ہماری سمجھ کا قصور ہے ان بزرگوں کا قصور نہیں ان پر اعتراض نہ کریں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہم کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کف لسانی واجب ہے

اس تقریر سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بابت قتل محمد بن ابی بکر اگر اعتراض ہے یا بہ نسبت محاربات حضرت امیر رضی اللہ عنہ کچھ طعن ہے وہ بھی مندفع ہو گیا۔ بالجملہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین میں سے قصور کسی کا نہ تھا۔ جیسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے دست و گریبان ہونے اور ہاتھا پائی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا۔

جملہ حَرْبُکَ حَرْبِیْ کے مفہوم پر مفصل بحث

باقی رہا جملہ حَرْبُکَ حَرْبِیْ اس کے یہ معنی ہیں کہ جان بوجھ کر نہ بوجہ غلط فہمی جو تم سے لڑے گا تو گویا وہ مجھ ہی سے لڑے گا یہ نہیں کہ جس طرح سے کوئی تم سے لڑے عمداً لڑے یا خطاء بوجہ غلطی لڑے یا بوجہ غلط فہمی وہ سب میری ہی لڑائی کے برابر ہے۔

ورنہ آیت:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً" (پارہ ۵، سورۂ نساء)

ترجمہ: "اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے"۔

جس کے معنوں سے صاف یہ بات روشن ہے کہ "قتل خطاء میں کچھ گناہ نہیں" غلط ہو جائے گی اور یہ بھی نہ سہی اگر حدیث مذکور عام ہے تو اس وجہ سے عام ہوگی کہ ظاہر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں مگر جیسے مفہوم حَرْبُکَ کو عام لیتے ہو مفہوم حَرْبِیْ کو بھی عام لیجئے اور پھر بہدایت فہم تقابل ملحوظ رکھئے یعنی یوں کہئے تم سے عمداً لڑنا تو مجھ سے عمداً لڑائی کے برابر ہے اور تم سے خطاءً لڑنا مجھ سے خطاءً لڑنے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمداً لڑنا اور آپ کی جان بوجھ کر تکذیب کرنی بُری ہے اور غلطی بے خبری میں اگر کسی سے یہ حرکت ہو جائے اور بعد علم متنبہ ہو کر شرائط آداب بجالائے تو عقل نقل کی رُو سے قابل عتاب نہیں۔ عقل کی گواہی کی تو حاجت نہیں اہل عقل کے نزدیک بدیہی ہے۔ نقل کی بات پوچھئے تو کلام اللہ موجود ہے بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ اور مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ اور لفظ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ سے صاف ظاہر ہے کہ عتاب اسی وجہ سے ہے کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں بلکہ آیت:

"وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ" (سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۰)

ترجمہ: "اور اگر بالفرض تو تابع داری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار"۔

سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ بے خبری اگر کچھ خلاف مرضی خداوندی کر جائیں تو کچھ حرج نہیں (جیسے اسارئ بدر سے فدیہ اور تبوک میں بے عذر منافقوں کو چھٹی وغیرہ) بالجملہ خدا کی مخالفت بوجہ غلطی جب مضر نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بدرجۂ اولیٰ مضر نہ ہوگی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت اگر بوجہ غلطی ہو تو اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ اور یہ بھی نہ سہی لفظ حَرْبُکَ عام اور لفظ حَرْبِیْ

شیعوں کی زبردستی سے خاص ہے مگر جیسے حدیث مذکور میں پہلا لفظ عام ہے۔ آیت:

"وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا" (سورۃ نسآء، آیت ۹۳)

ترجمہ: "اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب"۔

بھی باعتبار الفاظ عام ہے باغی، زانی قطاع الطریق اس میں سب آگئے اب فرمایئے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کو قتل کیا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے سینکڑوں باغیوں کو تہ تیغ کیا ادھر اَب تک یہ آیت سب کی معمول بہا نہ مجتہدان شیعہ اس سے انکار کر سکیں نہ علماء اہل سنت۔ پھر یہ انصاف ہے کہ ایک حدیث کے بھروسے جس میں کسی قدر ضعف (یہ حدیث حَرْبُکَ حَرْبِیْ یا اناحرب لمن حَارَبْتُمْ بالکل ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے۔ انا حرب لمن حاربتم کے الفاظ باب مناقب فاطمہ ترمذی میں ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے، صرف یہی سند ہمیں ملی ہے اور اُم سلمہ کے مولی صبیح معروف نہیں۔ (۲) مسلسل تین راوی شیعہ کثیر الخطاء اور غریب الروایۃ ہیں۔ تقریب التہذیب سے ان کا حال یہ ہے۔ (۱) علی بن مادم خزاعی کوفی صدوق اور شیعہ ہیں۔ (۲) ابونصر ہمدانی کثیر الخطاء صدوق اور غریب حدیثیں بیان کرتے ہیں (۳) ابو محمد سُدی کوفی تشیع سے متہم ہیں صدوق وہمی ہیں۔ ۱۲۔ مہر محمد) ہے اس پر بھی یہ احتمال ہے کہ غلط ہو۔ اتنا غل وشور ہے کہ العظمۃ لِلّٰہ آیت کو نہیں دیکھتے کہ اس میں شمہ بھی باقی نہیں چھوڑا تو اس پر غلطی اور کذب رواۃ کا احتمال نہیں پھر اسکے باعث کہاں کہاں یہ اعتراض پڑتا ہے۔

الزامی جواب: اَزواج مطہرات تمام موٴمنوں کی مائیں ہیں تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مقابلہ کیوں کیا

اور جواب الزامی یہ ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَرْبُکَ حَرْبِیْ فرمایا ہے تو اَزواج مطہرات کے حق میں:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ" (سورۂ احزاب، آیت ۵۲)

ترجمہ: ''نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں''۔

اُدھر عام والدین کے حق میں:

"لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا" (سورۃ البقرہ، آیت ۸۳)

ترجمہ: ''عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا''۔

فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جو اُمہات المومنین ہیں ان کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ تاکید ہوگی۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایمان کیا۔ کمال ایمان میں بھی شک کی گنجائش نہیں جو یوں کہئے کہ اوروں کی والدہ تھیں ان کی نہ تھیں پھر کیا یہی احسان تھا کہ ایسی والدہ کا یوں مقابلہ کرتے اور اگر یہ خیال ہے کہ خطاء پر تھیں۔ تو یہ بات کس منہ سے کہنی مناسب ہے سُنّی کہہ لیں تو کہہ لیں شیعوں کو اس کے کہنے کی مجال نہیں کیونکہ آیت:

" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا" (سورۃ احزاب، آیت ۳۳)

ترجمہ: ''اللہ یہی چاہتا ہے کہ دُور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو اور سُتھرا کردے تم کو ایک ستھرائی سے''۔

ان کے نزدیک عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

آیت تطہیر کا شانِ نزول

اور پھر یہ آیت دیکھ لیجئے کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اَزواجِ مطہرات کی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی؟ کلام اللہ موجود ہے دیکھ لو ازواج کا ذکر ہے یا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا۔

اور اگر حدیث عبا پر کودتے ہو تو اس سے صاف یہی بات نکلتی ہے کہ یہ آیت ان کی

شان میں نازل نہیں ہوئی ورنہ اس دُعا کی کیا حاجت تھی کہ عبا میں پنج تن کو شامل کر کے یہ فرمایا: اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِی الخ بالجملہ دُعا کرنے سے جیسے دخول پنج تن زمرہ اہل بیت میں معلوم ہوتا ہے ایسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل نہیں ہاں یہ دُعا قبل نزول آیت ہوتی تو یہ بھی احتمال تھا کہ دُعا ہی باعث نزول ہوئی ہے۔ مگر اس میں سُنی ہی نہیں شیعہ بھی اس طرف ہیں کہ آیت پہلے نازل ہوئی۔ دعا پیچھے ہوئی۔

(آل عبا کو اہل بیت کہنے کا مطلب)

باقی پنج تن کو پہلے سے اہل بیت فرمایا یہ نہ فرمایا کہ ان کو اہل بیت میں داخل کردے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بیگانے۔ اور بیگانے اپنے نہیں ہو سکتے۔ جس کی جو قرابت ہے وہی رہتی ہے۔ کوئی غیر آدمی کی نسبت یہ دُعا تو کر ہی نہیں سکتا کہ الٰہی یہ شخص میرا حقیقی بیٹا بن جائے ہاں جس سے محبت شدید ہوتی ہے اس کو خود بیٹا کہہ دیا کرتے ہیں اگرچہ بیگانہ ہی کیوں نہ ہو۔ لے پالک کو عرف میں بیٹا کہتے ہیں لیکن حقیقی بیٹا ہونا اس کا ممکن نہیں اسی طرح جو اہل بیت نہ ہوں ان کا اہل بیت ہو جانا ممکن نہیں جو اس کی دُعا کی جاتی کہ الٰہی ان کو اہل بیت حقیقی بنا دے ہاں ان کے ساتھ بھی معاملہ اہل بیت ہی کا سا تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا الٰہی یہ بھی میرے اہل بیت ہیں تو اپنا وعدہ ان کے ساتھ پورا کر اور اگر یوں کہئے کہ اہل بیت تو پہلے ہی سے تھے پھر دُعا کے وقت ان کو اس لقب سے یاد کر لیا تھا سو یہ بات غور سے دیکھئے تو گوز شتر سے کم نہیں۔ جناب باری تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبوی کون ہیں جو آپ کے بتلانے اور جتلانے کی ضرورت ہوئی۔ جب خداوند کریم نے وعدہ تطہیر کر لیا تھا آپ پورا کرتا پھر دُعا کی کیا حاجت تھی۔

آیت تطہیر اَزواج کی شان میں ہے

بالجملہ بروئے انصاف شیعوں کے جی میں بھی یہی ہوگا کہ آیت تو اَزواج مطہرات ہی کی شان میں ہے ہاں جیسے کوئی بادشاہ کسی امیر سے وعدہ کرے کہ تمہارے گھر کے لوگوں کو میں انعام دوں گا اور وہ امیر وقت تقسیم انعام اپنی دختر اور داماد اور نواسوں کو بھی لے جائے

اور یہ کہے کہ آپ نے میرے گھر کے لوگوں کیلئے وعدہ انعام کیا تھا یہ بھی میرے گھر کے لوگ ہیں پچھ اجنبی نہیں تو وہ بادشاہ باوجود یہ کہ جانتا ہے کہ بیٹی دوسرے گھر کا چاندنا ہے گھر کے لوگوں میں تو داخل نہیں۔ نواسے اور داماد تو در کنار۔ گھر کے لوگ اگر ہیں تو بی بی ہے چنانچہ اہل بیت کا ترجمہ ہی اہل خانہ ہے یا فرزند وغیرہ جو اس کے گھر رہتے ہیں مگر بوجہ عموم کرم و مزید قدر شناسی امیر مذکوران کو بھی انعام دے تو کچھ بعید نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھنا چاہئے کہ پنج تن باوجودیکہ شرف گونا گوں رکھتے ہیں پر اصل سے اہل بیت میں سے نہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے ماوراء دیگر انعام ہائے بے پایاں انعام اہل بیت میں بھی شریک ہو گئے۔ چنانچہ قرینہ دُعا اس پر عمدہ شاہد ہے اور بہت ہاتھ پاؤں مارئیے تو یہ بات بن پڑتی ہے کہ لقب اہل بیت تو اوّل سے ازواج اور پنج تن دونوں کو شامل ہے خطاب خاص ازواج ہی کے ساتھ ہے گو وعدہ مذکورہ سب کیساتھ ہو۔ جیسے کوئی بادشاہ اپنے نوکروں میں سے کسی ایک نوکر کو بلا کر یوں کہے کہ ہمارا کل کو اِرادہ ہے کہ اپنے نوکروں کو انعام دیں سو یہ خطاب گو اس ایک ہی کیساتھ خاص ہے پر وعدہ سب ہی نوکروں کیلئے ہے۔

پنج تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی وجہ

بالجملہ پنج تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہیں ورنہ اصل سے یہ آیت ازواج ہی کے حق میں ہے۔ ان کے خارج اہل بیت ہونے کا کوئی احتمال نہیں اگر احتمال ہے تو اہل بیت کے خارج ہونے کا احتمال ہے اگر چہ غلط ہو کیونکہ باتفاق اہل سنت وہ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں۔ اوّل سے ہی یا پیچھے ہو گئے پھر جب آیت مذکورہ عصمت پر دلالت کرے۔ چنانچہ شیعہ پنج تن کی عصمت اس سے ثابت کرتے ہیں تو ازواج مطہرات بدرجہ اَولیٰ معصوم ہوں گی۔ انہوں نے جو کچھ حضرت امیر کے ساتھ کیا بجا ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اُن کے اُم المؤمنین ہونے کا لحاظ نہ کیا۔ فرزند کو والدین کی اطاعت چاہئے والدین کو فرزند کی اطاعت کی حاجت نہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوئی کیونکہ وہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے حق میں بمنزلہ والد کے تھے یہ نہ ہوتا تو

اَزواج مطہرات اُم المؤمنین ہی کیوں ہوتیں پھر جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے باوجودیکہ موافق عقیدہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مندرجہ سوال دوم سے واضح ہے اور نیز حالِ قالِ شیعہ سے ٹپکا پڑے ہے (یعنی عملاً امیر رضی اللہ عنہ کو افضل جانتے ہیں) زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ بایں وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار رکھی کہ وہ بمنزلہ والد تھے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے حق میں بمنزلہ والدہ تھیں۔ اور پھر والدہ بھی کیسی معصوم۔ ان کی اطاعت اور فرماں برداری بھی ان کو ضرور تھی۔ سواَب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اپنے اعتراضات کا جواب تو دَندان شکن لے چکے ہمارے ان اعتراضات کا جواب بھی چاہئے۔

باقی رہا یہ قصہ کہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے گوسفند بھون کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان کے بھائی کی نسبت کچھ کہلا بھیجا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گوسفند کا کھانا چھوڑ دیا۔ اوّل تو قصہ بے سند اور اگر ہو بھی تو اس کا ذکر کرنا مباحثہ کو ایسے مضامین سے طول دینا خود جنگ آزمانا ہے۔ صاحبو! مباحثہ ہے کوسنا پیٹنا نہیں۔ جو حضرات شیعہ عورتوں کی طرح ایسی باتیں گاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقط یہ شعر کافی ہے ؎

اُلجھنے کو بلائیں آپ تو کچھ خیر ہے صاحب
لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشان کو

غرض ایسی باتوں سے دین شیعہ مستحکم نہیں ہوتا حقانیت کی سند ہاتھ نہیں آتی۔ پھر کیا فائدہ، دیوانوں کی طرح جاہلوں کے دِل میں شبہ شک ڈالتے ہیں۔

سوال چہارم

اہل سنت و جماعت امام جعفر صادق وغیرہ اہل بیت کو نہیں مانتے مگر امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کو مانتے ہیں جو معصوم نہ تھے۔ پھر ابوحنیفہ نے تو شراب کو حلال کیا ہے۔ اور امام شافعی نے ولد الزنا لڑکی سے زانی کا نکاح جائز کہا ہے

جواب سوال چہارم: اہل سنت ائمہ مجتہدین کو معصوم نہیں سمجھتے

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما اوّل ہمارے نزدیک ایسے امام نہیں جن کی بات خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے برابر ہو۔ ایک مجتہد ہیں اگر ان کی بات کوئی بھی ہو، جس پر اعتراض کی گنجائش ہو تو کیا ہوا ہمارے نزدیک تمہارے نزدیک دونوں کے نزدیک مجتہد سے خطا ممکن ہے پھر وہ بھی فروع میں اور فروع میں بھی ایسی بات جو خواہ مخواہ ظاہر نہیں۔

شیعہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک عاریت فرج حلال ہے

مگر ستم تو یہ ہے کہ حضرات شیعہ اِماموں سے جن کی عصمت کے مثل انبیاء معتقد ہیں ایسی روایتیں کرتے ہیں جو صاف کلام اللہ کے مخالف ہیں ''ارشاد'' میں جو تصنیف علامہ حُلّی ہے موجود ہے کہ اپنی باندی کو دوسروں پر حلال کردے تو اس کو اس سے صحبت جائز ہے۔ (علامہ حلی کی کتاب ''ارشاد'' کے علاوہ شیعہ کی کتب اُصول میں بھی ایسی روایتیں بکثرت موجود ہیں۔ چند ذیل میں درج کی جاتی ہیں) پھر باندیوں میں بھی کسی کی تخصیص نہیں جس سے اس کی اولاد ہو اس کا حلال کردینا بھی جائز ہے۔ اور غیروں کو عاریت دے دینا درکنار وقف کردینا شیعوں میں جائز ہے۔

(۱) عن الحسن العطار قالت سالت ابا عبدالله علیه السلام عن عارية الفرج قال لا باس (استبصار ص ۱۳۸، ج ۳)

(۲) عن عبدالكريم عن ابی جعفر علیه السلام قال قلت له الرجل يحل لاخيه فرج جاريته قال نعم له ما احلّ له منها. (کافی ص ۴۶۸ ج ۵۔ تہذیب الاحکام ص ۲۴۲ ج ۷۔ استبصار ص ۱۳۶، ج ۳)

(۳) عن الفضيل بن يسار قال قلت لابی عبدالله علیه السلام جعلت فداک ان بعض اصحابنا قد روىٰ عنک اِنک قلتَ اذا احل الرجل لاخيه جاريته فهی له حلال؟ فقال نعم قلت له فما تقول فی رجل عنده

جاریة نفیسةً و هی بکر احل لاخیه مادُون فرجها اَلَهُ ان یقتضّها؟ قال لالیس له الّا ما احل له منها لو احل له قبلة منها لم یحل له ما سوی ذلک، قلتُ ارأیتَ ان احل له ما دُون الفرج فغلبته الشهوة فاقتضّها قال لا ینبغی له ذٰلکَ قلتُ فان فعل ایَکونُ زانیًا؟ قال لا ولکن یکون خائنًا الخ. (کافی ص۴۶۸ ج۵، طبع تہران)

(۴) عن ابی عبداللّٰه علیه السلام اذا احل الرجل للرجل من جاریته قُبلة لم یحل له غیرها فان احلّ له منها دون الفرج لم یحل له غیره و ان احلّ له الفرج حل له جمیعها. (کافی ص۴۷۰ ج۵، مطبوعہ تہران)

ترجمہ: (۱) حسن عطار کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے شرمگاہوں کو عاریت دینے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کچھ حرج نہیں۔

(۲) عبدالکریم کہتے ہیں میں نے ابوجعفر علیہ السلام سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنی باندی کی شرم گاہ اپنے کسی بھائی کے لئے حلال کر دے تو فرمایا ''اس کے لئے حلال ہے جو اس نے حلال کیا''۔

(۳) فضیل بن یسار کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا آپ پر میری جان قربان ہو ہمارے بعض اصحاب نے آپ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہا ہے جب کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کے لئے اپنی لونڈی حلال کر دے وہ اس کے لئے حلال ہے تو انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا ہے میں نے کہا آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس ایک خوبصورت لونڈی ہو اور باکرہ (کنواری) ہو اس لونڈی کو اپنے کسی بھائی کے لئے فرج کے علاوہ حلال کر دے کیا وہ اس کی بکارت زائل کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں یہ اس کے لئے روا نہیں سوائے اس کے جو اس نے حلال کر دیا۔ فضیل کہتے ہیں میں نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں۔ اگر اس کے لئے فرج کے علاوہ حلال کیا تو اس آدمی پر شہوت نے غلبہ کیا اور اس نے اس لونڈی کی بکارت زائل کر دی، امام نے کہا یہ اس کے لئے مناسب نہیں میں نے کہا اگر اس نے ایسا کیا تو کیا زانی ہوگا؟ امام نے کہا نہیں خائن ہوگا۔

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے لئے اپنی لونڈی کا بوسہ حلال کردے تو اس کے لئے سوا بوسہ کے اور کچھ حلال نہیں اگر شرم گاہ کے علاوہ حلال کردے تو اس کے لئے اس کے علاوہ کچھ حلال نہیں اگر شرم گاہ حلال کردے تو اس کا تمام بدن حلال ہے۔ ۱۲۔ محمد اشرف ﴾ بلکہ ابن بابویہ تو حضرت امام مہدی کے نام سے ایک واقعہ ایسا روایت کرتا ہے۔ جس کے سننے سے مسلمانوں کا بدن کانپتا ہے۔ حاصل کلام اس کا یہ ہے کہ مہمانوں اور دوستوں کے لئے باندیوں اور حرموں کی شرم گاہ کی عاریۃً دینے میں بڑا ثواب ہے۔ اور عمدہ عبادات میں سے ہے۔

شیعہ کے نزدیک متعہ بہت ہی بڑا کارِ ثواب ہے

اُدھر متعہ کا آوازہ اور اس کے فضائل کا شور تو سبھی نے سُنا ہوگا یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سُنی شیعہ ہوئے چلے جاتے ہیں اور کیوں نہ ہوں جیتے جی یہ مزے اور مرنے کے بعد وہ مرتبے کہ حضرات ائمہ کا مرتبہ نصیب ہو۔ قطرات غسل سے فرشتے پیدا ہوں۔ ایسا دین اور ایسا ایمان تو قسمت ہی سے ملتا ہے۔ اعتبار نہ ہو تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی میں اس آیت " فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً " (سورۃ النساء، آیت ۲۴) کی تفسیر میں دیکھ لیں میں نے تو کچھ بھی نہیں لکھا۔ انہوں نے تو وہ فضائل نقل کئے ہیں کہ جن کے سننے کے بعد رمضان کی طرف سے جدا جی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے۔ جہاد کی قدر جُدا ہی جی سے نکل جاتی ہے بلکہ کوئی عبادت متعہ کے سامنے آنکھوں میں نہیں جچتی۔ غرض ایسی ایسی لذتوں کی بدولت اس مذہب کی رونق ہوئی ورنہ جہاد و اجتہاد ائمہ تو معلوم ۔ جس سے یہ فروغ ہوتا اور کہہ سکتے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں سے اسلام کو فروغ ہوا۔ اماموں کے جہادوں سے مذہب شیعہ کو ترقی ہوئی۔

سورۃ مؤمنون اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکوحہ اور لونڈی حلال ہیں لیکن متعہ والی عورت کسی قسم میں داخل نہیں

لیکن بایں ہمہ صاف کلام اللہ کے مخالف (پ ۱۸) سورۃ مؤمنون (ع ۱) اور سورہ معارج (پارہ ۲۹، ع ۵) میں دیکھئے یوں فرماتے ہیں:

”وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ“ (سورۃ المؤمنون، آیات ۵ تا ۷)

ترجمہ: ”اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سو ان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے“۔

جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ بی بی اور باندی کے سوا اور کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت نہ بی بی ہے نہ باندی۔ بی بی تو اس لئے نہیں کہ بشہادت آیت ”فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ“ (سورۃ نساء، آیت ۳) نکاح چار (عورتوں) سے زیادہ نہیں اور متعہ میں شیعوں کے نزدیک یہ قید نہیں۔

اور لفظ نکاح سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے کہ سورۃ نساء کے دوسرے رکوع (آیت نمبر ۱۲) میں فرماتے ہیں: ”وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ“ (اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم) اور لَهُنَّ کی ضمیر اَزْوَاجُكُمْ کی طرف راجع ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اور ازواج کا مطلب سب جانتے ہیں کہ بی بی کو کہتے ہیں۔ غرض جو لفظ اَزواج سورۂ مؤمنون اور سورۂ معارج میں ہے وہی سورۂ نساء میں ہے۔ سو سورۂ نساء میں اَزواج کی نسبت میراث میں درصورتیکہ اولاد نہ ہو رُبُعٌ، اور اولاد ہو تو ثُمنٌ، فرماتے ہیں۔

سو متعہ کی عورت اگر ازواج میں داخل ہوتی تو اس کو میراث بقدر مذکور مِلا کرتی۔ حالانکہ باتفاق شیعہ، متعہ کی عورت وارث نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا القیاس اور احکام مثل عدتِ طلاق عدل وغیرہ کی جو بہ نسبت ازواج کلام اللہ میں مذکور ہیں متعہ کی عورت کی نسبت شیعہ تجویز نہیں کرتے اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو میں ہی سب کو بتلاتا۔ مگر یوں سمجھ کر کہ کلام اللہ موجود ہے پڑھنے والے خود دیکھ لیں گے اسی پر اکتفا کی جاتی۔ بالجملہ زن متعہ داخل ازواج

تو نہیں چنانچہ خود شیعہ بھی اپنی کتابوں میں زنِ متعہ کو اَزواج میں شمار نہیں کرتے۔
باقی رہا باندی ہونا اس کے ابطال کی کچھ حاجت نہیں۔ خود ظاہر ہے کون کہہ دے گا کہ زنِ متعہ باندی ہے ورنہ بیع، شرا، ہبہ، عتق وغیرہ سب احکام جاری ہوتے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زنِ متعہ زوجہ ہے نہ باندی۔ تو متعہ کرنے والے منجملہ "فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعَادُوْنَ" ہوئے یا نہ ہوئے؟ یعنی منجملہ ظالمین جو بمعنی عادین ہے۔ اب غور فرمایئے کہ یہ مسئلہ باتفاق (شیعہ) منجملہ عبادات ہے سبحان اللہ سُنیوں پر ان باتوں پر طعن جو ان کے ہاں اگر ہیں تو منجملہ مباحات ہیں نہ عبادات، پھر وہ بھی اختلافی نہ اتفاقی اور وہ بھی اجتہاد ہے نہ یہ کہ بحوالہ نصوص قرآنی یا نصوص احادیث۔ پھر ان میں بھی کوئی بات خلاف عقل و نقل نہیں بلکہ عقل و نقل دونوں اس کے مؤید ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان شاء اللہ عنقریب ہی واضح ہوا جاتا ہے۔ اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ صریح زنا مخالف قرآن شریف پھر اس کو یہ بھی نہیں کہ مباح کہہ کر چپ ہو رہیں بروایت ائمہ اس کے فضائل بھی بیان کریں۔ پھر فضائل بھی ایسے ویسے نہیں کہ انسان گرفتار ہوا و ہوس تو درکنار فرشتہ بھی ہو تو ان فضائل کو سُن کر لوٹ پوٹ ہو جائے اور متعہ کرنے کو تیار ہو آدمی دوسرے پر طعن کرے تو اپنی خبر لے لے۔

شاید متعہ کسی بھی مذہب وملت میں جائز نہ ہوا ہو

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس فحش صریح کا یہ اہتمام کسی مذہب، کسی ملت، کسی دین، کسی آئین میں نہ ہوا ہوگا۔ پھر اس پر طرّہ یہ ہے کہ بعض روایتوں سے تو اجازتِ عام معلوم ہوتی ہے۔ کہ کنواریاں اور رانڈیں ہی نہیں خاوند والیاں بھی اس عیش ونشاط سے اپنا جی ٹھنڈا کرلیں۔ پھر وہ بھی ایک ہی سے نہیں پانچ دس مَردوں سے اختیار ہے چنانچہ علی بن احمد بیتی جو شیعوں میں بڑے جلیل القدر عالم تھے اس پر فتوے دے مرے کہ متعہ دوریہ یعنی ایک عورت کئی مردوں سے متعہ کرلے جائز ہے اور وہی کیا اور بھی بڑے بڑے عالم اُن کے ہم زبان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اصح علمائے شیعہ کے نزدیک

یہی ہے کہ خاوند والیوں کو بھی متعہ جائز ہے۔ اور اگر یہ بات شیعانِ زمانہ بروئے نقل بالفرض تسلیم نہ کریں تو بروئے عقل تو قابلِ تسلیم ہی ہے۔ اگر مجتہدین اوّلین کے خیال میں اس قسم کے متعہ کی اباحت نہیں آئی تو مجتہد العصر کو تجدید دین فرمانی چاہئے۔ وجہ اباحت اگر ذہن میں نہ آئی ہو تو یہ خاکسار عرض پرداز ہے۔ پھر شکرانہ احسان ضروری ہے۔

نکاح معاملات کے قبیل سے ہے اور متعہ عبادات سے اس لئے متعہ میں تعداد محدود نہیں

نکاح میں جو عورت کے لئے تعدد اَزواج جائز نہیں تو یہ وجہ ہے کہ نکاح از قسم معاملات ہے۔ بیع شراء کی طرح جس سے معاملہ ہو گیا ہو گیا۔ منجملہ عبادات میں نہیں جو ثواب کی اُمید ہو اور تائید ثواب کے لئے دس پانچ سے کیا جائے اور ترویج دین کے لئے خاوند والیوں کو اجازت دی جائے ہاں بحمد اللہ نعوذ باللہ متعہ میں ماشاء اللہ نعوذ باللہ یہ فضائل ہیں کہ نہ پوچھئے ایک متعہ میں حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا دوسرے میں حضرت سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا تیسرے میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا، چوتھے میں خود مقام سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتا ہے اور غور کیجئے تو بقیاس صائب پانچویں مرتبہ میں خدائی کی اُمید۔ وہ وعدہ نہ سہی پر قطرات غسل سے ملائک تک کا تولّد کس قدر موجب برکات ہوگا۔ وہ ملائک اس احسان کے بدلے کیا کچھ عرق ریزیاں دعا و استغفار کریں گے اور ان کی تسبیحات کا ثواب بے پایاں کیسا حلواء بے دود کی طرح مفت ہاتھ آئے گا۔ سند مطلوب ہے تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی ملاحظہ فرمائیں۔ ﴿فضائل متعہ کے عند الشیعہ مذکورہ حوالے ص ۲۲۸ ج ۲، پر تفصیلاً مع اصل عبارات وصفحہ نمبر درج کردیے ہیں۔ ملاحظہ فرمالیں۔ ۱۲۔ محمد اشرف﴾

الغرض یہ فضائل متعہ اس بات کو مقتضی ہیں کہ جس قدر ہو سکے دریغ نہ کیجئے۔ عورت کی طرف دیکھئے تو اس کے حق میں متعہ کا کرنا مردوں کے حق میں بڑی فیض رسانی ہے۔ اگر وہ نہ کریں تو مردوں کو یہ فضائل کیوں کر میسر آئیں۔ علیٰ ہذا القیاس

مردوں کی طرف دیکھئے تو ان کا متعہ کرنا عورتوں کے لئے فیض کا کام ہے۔ سو اس فیض کو طرفین میں عام ہی رکھنا چاہئے۔

متعہ کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے کیونکہ عورتیں بمنزلہ کھیتی کے ہیں اور متعہ کی صورت میں تقسیم اولاد ممکن نہیں

اور نکاح پر قیاس نہ فرمائیں کیونکہ وہاں مقصود بالذات توالد و تناسل ہوتا ہے۔ تحصیل فضائل نہیں ہوتا نکاح کی عورت بمنزلہ زمین زراعت ہوتی ہے۔ چنانچہ خود حضرت خداوند تعالیٰ بھی یہی ارشاد فرماتا ہے "نِسَآءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ"

سو اس زمین میں اگر دس پانچ کا اشتراک ہوگا تو اس کی پیداوار بھی اعنی اولاد بھی مشترک ہوگی اور بایں نظر کہ مقصود بالذات اس زمین سے جسے بی بی کہئے۔ یہ پیداوار ہے جسے اولاد کہئے سو جیسے زمین اصلی سے اس کی پیداوار مقصود ہوتی ہے یہاں بھی ہر کوئی اس پیداوار کا خواستگار ہوگا اور نیز خواہش طبعی تولد اولاد بھی اسی کو مقتضی ہے پھر بوجہ محبت طبعی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو لیجئے اس کو نہ لیجئے جو سب میں یوں تقسیم ہو جائے کہ درصورتِ تعددِ اولاد ایک بچہ ایک لے لے اور دوسرا بچہ دوسرا لے لے۔ اور نہ یہ ہو سکے کہ ہر ہر بچہ کو کانٹ چھانٹ کر گوشت کی طرح تقسیم کر لیں جیسے درصورتیکہ ایک ہی بچہ ہو صورت تقسیم یہی نظر آتی ہے اس لئے چار و ناچار نکاح میں مردوں کا تعدد تو ممکن نہ ہوا ہاں عورتوں کے تعدد میں کچھ خرابی نہ تھی۔ پر متعہ میں مقصود بالذات اولاد ہوتی ہی نہیں بلکہ قضاء حاجت اور تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت کا روا کر دینا اور ثواب کا کام کرا دینا (ہوتا ہے) بلکہ بعض صورتوں میں تحصیل اولاد ممکن ہی نہیں۔ جیسے ایک ایک دو دو شب کے لئے کوئی عورت روز متعہ کرتی رہے اس لئے کہ ایسی صورت میں اوّل تو بوجہ کثرت مجامعت جیسے رنڈیوں کی اولاد بہت کم ہوتی ہے اولاد ہی کیوں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو سبھی کی ہوگی۔ کسی ایک کی کیونکر کہہ دیجئے جو اس کے حوالہ کر دیجئے پھر اولاد مقصود نہ ہوئی تو وہی قضاء حاجت و تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت روائی اور تائید کا ثواب باقی رہ گئے۔

سواس کی ممانعت قرین عقل ونقل ہرگز نہیں فیض اور ثواب کا کام ہے جس قدر ہو سکے غنیمت ہے ایک سے کرنے میں ایک کا فیض اور ایک کا ثواب ہوگا تو دو سے اور دس پانچ سے کرنے میں زیادہ ہی فیض اور زیادہ ہی ثواب ہوگا۔

خاوند والی عورت کے متعہ میں اشتباہ اولاد متصور نہیں کیونکہ الولد للفراش

علیٰ ہذا القیاس خاوند والیوں اور ان کے خاوندوں کے حق میں متعہ میں مضرت مفقود اور منفعت موجود ہے عورت کے حق میں اپنی قضاء حاجت جدا دوسرے کی حاجت روائی جدا اپنا ثواب جدا دوسرے کے ثواب میں شریک ہو جانا جدا۔ پھر خاوند کے لئے بے محنت بچوں کی اُمید بے بوئے جوتے کھیتی پکی پکائی ہاتھ آئی اس سے زیادہ اور کیا نفع ہوگا غرض جو وجہ ممانعت تعدد ازواج عورت کے حق میں نکاح میں تھی یہاں اصلاً نہیں پھر تجدید دین کو کیوں ہاتھ سے دیجئے اور کاہے کو اس فتویٰ فیض سے احتراز کیجئے۔ بالجملہ اپنے گھر کا تو یہ حال پھر شیعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کریں تو یہ کریں کہ ایک نے تو شراب کو حلال فرمایا دوسرے نے اولاد الزنا کو (نکاح میں) حلال بتایا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے شراب کو حلال نہیں کہا

صاحبو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگر شراب کو حلال کہا ہے تو مطلق شراب کو حلال نہیں کہا ہے۔ حالت اضطرار میں حلال کہا ہے جس میں خود خداوند کریم نے مردار وغیرہ محرمات کو حلال کہا ہے۔ اعتبار نہ آئے تو سورۃ المائدہ کے پہلے کی رکوع کی آیت ۳ ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ

اَلْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ " تک تلاوت فرمائیں۔ آیت "حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ" سے اگر مردار وغیرہ محرمات کا حرام ہونا معلوم ہوگا تو آیت:

"فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" (سورۃ المائدہ، آیت ۳)

ترجمہ: "پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

سے انہی محرمات کا حالت اضطرار میں جواز معلوم ہو جائے گا۔ سو حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے وقت میں اگر شراب کو حلال فرمایا تو خدا ہی کے اشاروں پر چلے کچھ خدا کی مخالفت تو نہیں کی جو اس قدر رنج و ملال ہے مگر ہاں شاید حضرات روافض کو خود جناب احکم الحاکمین پر اعتراض ہو اور نہیں تب اَب کریں گے۔ خیر اگر یہ ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں اور جواب کی کچھ حاجت نہیں فقط اس وقت یہ ایک شعر کافی ہے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد

بایں ہمہ امام ہمام نے بوقت مذکور اگر کہا ہے تو حلال ہی کہا ہے۔ فرض، واجب، سنت، مستحب تو نہیں کہا جائز ہی فرمایا ہے۔ مستوجب حصول درجاتِ ائمہ اطہار و سید ابرار صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین تو نہیں فرمایا۔ متعہ کے برابر کر دیتے تو جائے اعتراض تھی کہ ایسی ناپاک چیز کو ایسے پاک کام کے برابر کر دیا فقط جواز پر اس قدر ترش رو ہونا مناسب نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حُرمت مصاہرۃ کا جواب

رہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے اگر اولاد الزنا کا نکاح جائز فرمایا۔ تو بایں نظر فرمایا کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ میراث کا نہ ملنا اس کی دلیل ہے پھر حُرمتِ نسب و مصاہرہ ثابت کیوں ہوگی۔ اور میں جانتا ہوں انہوں نے کچھ بے جا

نہیں کہا۔ قطع نظر اس کے کہ نسب جیسی نعمت جس کے نعمت ہونے پر ادھر اپنا وجدان،

دوسری آیت قرآن واقعہ سورۂ فرقان:

"وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا" (سورۃ الفرقان، آیت ۵۴)

ترجمہ: "اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کے لئے جد اور سسرال اور تیرا رب سب کچھ کرسکتا ہے"۔

دو شاہد عادل گواہ ہیں۔ ایسے فعل قبیح سے جسے زنا کہتے ہیں کیونکر ثابت ہو ورنہ زنا بھی منجملہ انعامات ہو محرمات نہ ہو۔ متعہ کو دیکھا کہ باوجود کثرت فضائل وفور محامد عظمت ثواب مثبت نسب نہیں۔ چنانچہ اولاد متعہ کو میراث نہیں پہنچتی، پھر جب شیعوں کے نزدیک متعہ مثبت نسب نہ ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس پر قیاس کر کے زنا کو مثبت نہ سمجھیں تو خفا ہونے کی بات نہیں۔ شیعوں کو تو آفرین وتحسین کرنی چاہئے۔ ہاں یہ شکایت ہو تو بجا ہے کہ زنا متعہ کے ساتھ زنا مشہور کی اتنی برابری میں بھی بے ادبی ہے زناء متعہ کجا زنا مشہور کجا۔ پھر زنا معلوم کو ایسے زنا کے ساتھ جو عبادت ہو اتنا بھی مشابہ نہ رکھنا چاہئے مگر یہ شکایت اور یہ اعتراض ہے تو اہل سنت کے پاس اس کا جواب نہیں اور ہے تو یہ ہے "جواب جاہلاں باشد خموشی"۔

لیکن شیعہ انصاف کریں تو جائے شکایت نہیں۔ ہاں زنا معلوم کو فضائل میں زناء متعہ کے برابر کردیتے تو بے جا تھا۔ اب کیا ہے ابھی زمین وآسمان کا فرق باقی ہے اوران سب باتوں کو جانے دیجئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سُنیوں کے نزدیک شیعوں کے سے امام نہیں جو ان کی غلطی سے سُنیوں کا کوئی رُکن مذہب ڈھ جائے۔

شیعہ مذہب کے اُصول بھی قرآن پاک سے ٹکراتے ہیں

علاوہ بریں مسائل مذکور کچھ اُصول احکام مذہب اہل سنت اور مسائل متفق علیہ میں سے نہیں پھر ان کی حلت حرمت بھی ایسی زبان زد عام نہیں ہاں ائمہ شیعہ کی روایت سے ثابت۔ جن کی طرف بطور شیعہ احتمال خطا ممکن نہیں۔ پھر مسائل متفق علیہا اور اُصول مذہب میں سے اگر کوئی اس مسئلہ کو نہ مانے تو شیعہ ہی نہیں تو اس پر اس کا

حال اور اس کی حلّت ایسی واضح کہ کسی پر مخفی نہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ ہمارے اس اعتراض کا جواب دیجئے ورنہ یہ شرط انصاف نہیں کہ دوسروں سے تقاضا کریں اور اپنے آپ آئیں غائیں بتلائیں۔ باقی فروع کو بھی اسی پر قیاس کیجئے ۔

تو قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

رہے اُصول سو اُصول کی کچھ نہ پوچھئے ائمہ کو ان کے اعتقاد کے موافق علم ازل واَبد اور اپنی موت وحیات کا اختیار جس کے بُطلان پر بیسیوں آیتیں کلام اللہ کی گواہ۔ زیادہ کی فرصت نہیں ایک ایک آیت دونوں کے بطلان کے لئے پیش کش ہے۔ اوّل کے لئے:

"قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ " (سورۃ النمل، آیت ۶۵)

ترجمہ: "تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چُھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ اور ان کو خبر نہیں کب جی اُٹھیں گے"۔

جو (پارہ ۲۰، سورۂ نمل (ع ۵، آیت ۶۵) میں واقع ہے اور دوسرے مسئلہ کے ابطال کے لئے:

" اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ" (سورۃ یونس، آیت ۴۹)

ترجمہ: "جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے"۔

جو کئی جا لفظ فاء کی تقدیم وتاخیر کے ساتھ واقع ہے۔ سوا اس کے اور کچھ حاجت نہیں مشتے نمونہ خروارے۔ ہاں اگر اس بات کا اعتبار نہ ہو کہ شیعہ کا یہ مذہب اور یہ اعتقاد ہے یا نہیں تو کلینی (شیعہ محدث کلینی باب قائم کرتے ہیں "**ان الائمة عليهم السلام يعلمون متى يموتون و انهم لا يموتون الا باختيار منهم**" یعنی ائمہ اپنی موت کے وقت سے باخبر ہوتے ہیں اور وہ اپنے اختیار سے ہی مرتے ہیں۔ اسی باب کے نیچے روایت نقل کی ہے) کو ملاحظہ فرمائیں

قال ابو عبدالله عليه السلام اى الامام لا يعلم ما يصيبه والى ما يصير

فليس ذلک بحجة الله علىٰ خلقه (کافی ص ۲۵۸ ج ۱، طبع تہران)

"امام جعفر صادق نے فرمایا جو امام اپنے آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات سے باخبر نہ ہو وہ اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت نہیں"۔

اسی طرح کلینی نے دوسرا باب قائم کیا ہے۔ باب "ان الائمة عليهم السلام يعلمون ما كان وما يكون و انّه لا يخفى علهيم الشيء صلوات الله عليهم " یعنی ائمہ ازل سے اَبد تک کا علم جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ اس باب کے نیچے کلینی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں۔

(۱) عن سيف التمار قال كنا مع ابى عبدالله عليه السلام جماعة من الشيعة فى الحجر فقال علينا عينٌ ؟ فالتفتنا يمنة ويسرة فلم نراحدًا فقلنا ليس علينا عين فقال و رب الكعبة و رب البنيّة ثلاث مراتٍ.لو كنت بين موسىٰ والخضر لاخبرتهما انى اعلم منهما وَلَا نُبّتهما بما ليس فى ايديهما. لان موسىٰ والخضرعليهما السلام اعطيا علم ما كان و لم يعطيا علم ما يكون وما هو كائن حتى تقوم الساعة وقدورثنا من رسول الله صلى الله عليه وسلم وراثة . (أصول کافی ص ۲۶۰ ج ۱، طبع تہران)

(۲) سمعوا ابا عبدالله يقول انى لا علم ما فى السمٰوٰتِ وما فى الارض و اعلم ما فى الجنة واعلم ما فى النار واعلم ما كان وما يكون "(کافی ص ۲۶۱ ج ۱ طبع تہران)

"سیف تمار کہتے ہیں امام جعفر صادق شیعہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہماری کوئی جاسوسی کر رہا ہے پس ہم نے دائیں بائیں توجہ کی تو ہم نے کسی کو بھی نہ دیکھا۔ ہم نے کہا ہماری کوئی بھی جاسوسی نہیں کر رہا تو امام نے کہا کعبہ کے رب اور عمارت کعبہ کے رب کی قسم یہ انہوں نے تین مرتبہ کہا اگر میں موسیٰ اور خضر کے پاس ہوتا تو انہیں خبر دیتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ جانتا ہوں اور انہیں وہ چیز بتاتا جو ان کے پاس نہ تھی اس لئے کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کو جو کچھ ہو چکا اس کا علم تو دیا گیا اور قیامت تک ہونے والے اُمور کا علم انہیں نہیں دیا گیا اور ہم

نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت پائی ہے۔

(۲) امام جعفر صادق سے بہت سے شیعہ راوی نقل کرتے ہیں کہ امام نے کہا بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور میں جانتا ہوں جو کچھ جنت میں ہے اور میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا یا جو کچھ ہونے والا ہے۔۱۲۔محمد اشرف)

اور پھر یہ فرمایئے کہ سنیوں کو تو ذرا سی مخالفت کلام اللہ پر اتنے طعنے پھر وہ مخالفت بھی موافق مصرع مؤمن ؎

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اپنے ہی قصور فہم سے مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ اُصول سے فروع تک جتنے مسئلے ہیں سب کے سب کلام اللہ کے مخالف اور پھر مخالفت بھی کیسی کچھ۔ کہ الٰہی پناہ! موافقت کے لئے دوسرا ہی کلام اللہ (امام غار والا) چاہئے اس کلام کی موافقت تو معلوم واللہ اعلم۔

سوال پنجم

حضرات اہل سنت شیعوں کی عزاداری امام حسین رضی اللہ عنہ میں سیہ پوشی اور سینہ زنی پر معترض رہتے ہیں، حالانکہ خانہ کعبہ کا غلاف کالا ہے۔اور جلال الدین سیوطی کے فتوئی سے خلفاء عباسیہ شاہانہ سیاہ لباس استعمال کرتے تھے)

جواب سوال پنجم

اس سوال کا کیا جواب لکھئے جیسے اپنے مذہب اور اہل مذہب کی دردمندی باعث تحریر جواب ہے ایسے ہی حضرات شیعہ کی خوش فہمی پر افسوس موجب پیچ وتاب ہے۔ علماء شیعہ کو اگر اعتراض کرنا نہیں آیا تھا تو اہل سنت ہی سے سیکھ لیتے جہاں کلام اللہ کا (ان کو) استاد بنایا تھا۔ کہ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر کلام اللہ بھی جہاں میں نہ ہوتا۔فہم مطالب میں بھی ان ہی کی جوتیاں سیدھی کرتے۔

دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہیں

دلیل کیا ہے مدلول کیا ہے۔ کجا خانہ کعبہ اور خلفاء عباسیہ کی سیہ پوشی۔ کجا حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے ماتم کی سیہ پوشی۔

غم میں اور فرحت میں ہے فرق زمین و آسمان کا
کھول کر آنکھیں تو دیکھو وہ کہاں اور یہ کہاں

اجی حضرات کچھ انصاف فرمایئے خانہ کعبہ پر نوحہ کرنے والوں کو کیوں کر قیاس کریں وہ خدا کا گھر یہ خدا سے بے خبر اگر خدا یاد ہوتا تو یہ گریہ وزاری اور یہ نوحہ و بے قراری نہ ہوتی تو خدا فرمائے:

"وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ" (سورۃ الانفال، آیت ۴٦)

ترجمہ: "اور صبر کرو بے شک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے"۔

یہاں اُلٹے رونے دھونے سے کار، خدا تو فرمائے:

"وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ "(سورۃ آلِ عمران، ۱۴٦)

ترجمہ: "اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے"۔

یہاں اور برعکس دونی زار و نزار ہے۔ اجی صاحب حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ سے صدمہ ہے تو صبر کیجئے اللہ کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور رنج و صدمہ نہیں اور یہی سچ ہے تو دونوں نہ کیجئے اور کالے کپڑوں اور جھوٹے آنسوؤں سے دعویٰ محبت نہ کیجئے۔ اگر یہی دین و آئین ہے تو منافقینِ زمانہ نبوی بدرجہ اَولیٰ دیندار اور مستحق کرامت پروردگار ہوں گے۔ آپ اگر اظہار محبت سید الشہداء کرتے ہیں تو وہ اظہار محبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے ان کے اگر جی میں (محبت) نہ تھی تو محبت تو آپ کے بھی جی میں نہیں۔

گریہ وزاری دلیل ایمان و محبت نہیں

باقی رہا سوز خوانی اور تصویر واقعہ کربلا سے اگر رونا آتا ہے تو اس میں آپ ہی کا کیا کمال ہوا۔ مجوس، ہنود و نصاریٰ یہود بھی اگر اس کیفیت کو سنیں تو رو اُٹھیں۔ کیفیات

مصائب کو سُن کر تو اجنبیوں کو بھی رونا آجاتا ہے اس کو محبت نہیں کہتے چنانچہ ظاہر ہے۔ اور اسے بھی جانے دیجئے اگر یہی قیاس ہے تو کل کو بوجہ مقبولیت غم امام رضی اللہ عنہ سیہ پوشانِ محرم الحرام دعوائے مسجودیت کریں گے۔

وہی خانہ کعبہ جس کی سیہ پوشی دستاویز

سیہ پوشی محرم ہے قبلہ نماز اور مطاف

عشاق جانگداز ہے۔ جب سیہ پوشی وہاں سے اُڑائی تو قبلہ وکعبہ بننے کے لئے کون مانع ہے حضرت قبلہ وکعبہ مجتہد العصر تو برائے نام ہی قبلہ، کعبہ ہیں۔ پر نوحہ کناں وسیہ پوشانِ محرم واقعی قبلہ وکعبہ بنیں گے اور حضرت قبلہ وکعبہ مجتہد العصر بھی ناچار ان کی جانب جھکیں گے۔ آخر ہم سنتے ہیں کہ حضرت مجتہد العصر درباره سیہ پوشی وسینہ زنی وتعزیہ داری ومرثیہ خوانی ان اہتمام اوران اُمورِ خیر میں جو مشعر و محبت ہیں مثل عوام کوشش واجتہاد نہیں فرماتے۔ علیٰ ہذا القیاس مجتہدان گزشتہ کا حال بھی ایسا ہی سنتے چلے آتے ہیں۔ بالجملہ قیاس کرنے کو کوئی مشابہت بھی چاہئے۔ لباس خانہ کعبہ پر لباس نوحہ گراں بے صبر کو قیاس نہ کرنا چاہئے۔ وہ اور قسم کی چیز، مظہرانِ غم اور قسم، بایں ہمہ ایک قسم میں بھی ایک حال کا لحاظ ضرور ہے۔ بیمار کو صحیح تندرستوں پر قیاس کر کے بد پرہیزی کی چیزیں نہ کھلانی چاہئیں اگر چہ دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں۔ سو جیسے صحیح تندرستوں کو پلاؤ زردہ شیر مال باقر خانی عمدہ غذا کھانے میں کوئی حرج نہیں اور بیمار کھائے تو خیر نہیں۔ ایسے ہی خانہ کعبہ کے لئے سیاہ پوشی جائز ہو اور نوحہ گروں کے لئے جائز نہ ہو تو کیا مضائقہ ہے ہاں اگر سیہ پوشی دین کے مقدمہ میں ایسی ہوتی جیسے زہر قاتل بنی آدم کے لئے نہ صحیح تندرست کو کھانا چاہئے نہ بیمار کو تو اس وقت اس اعتراض کا موقع تھا ہم بھی کہتے کہ جو چیز اصل سے بُری ہے وہ سب کے لئے بُری ہے اور سب جگہ پر بُری ہے۔ مگر لباس سیاہ کسی کے نزدیک کسی مذہب میں اصل سے بُرا نہیں جو یوں کہئے کہ خانہ کعبہ کے لئے بھی بُرا ہے اور خلفاء عباسیہ کے لئے بھی بُرا ہے۔ اس میں اگر بُرائی ہے تو اسی وجہ سے بُرائی ہے جو در بابِ مرثیہ خوانی جواب سوالِ اوّل میں مرقوم ہو چکی۔

اگنی بایں وجہ کہ یہ کام شیعوں کے نزدیک ان کاموں میں سے ہے جس پر ثواب کی اُمید ہے
پھر بایں ہمہ نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ حدیث شریف میں اس کا نشان۔ کلام اللہ کا حال تو
ظاہر ہے بلکہ کلام اللہ میں اگر ہے تو صبر کی تاکید ہے نہ یہ کہ جزع فزع کیا کرو نفاق کی
ممانعت ہے نہ یہ کہ غم کی صورت بنا کر سب کو جتلایا کرو۔ چنانچہ اُوپر مذکور ہو چکا۔

بدعاتِ عزاداری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی تائید نہیں

رہی احادیث نبوی وکلام اللہ کے موافق اور کیوں نہ ہو موافق آیت شریف "وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ" (سورۃ نحل، آیت ۸۹) جس کے یہ معنی ہیں کہ اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب جس میں سب چیز کا بیان ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں بجز تفصیل اجمال کلام اللہ اور شرح مشکلات قرآن اور کچھ نہ ہوگا۔ ورنہ احادیث میں سوائے کلام اللہ اگر اور بھی ایسے احکام ہوں جن کا کلام اللہ میں صراحۃً ذکر ہو نہ اشارۃً۔ تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی کہ کلام اللہ میں سب چیز کا بیان ہے۔ سو بایں نظر کہ کلام اللہ میں صاف صاف صبر کی تاکیدیں اور نفاق کی ممانعتیں ہیں۔ اور اس قسم کے خرافات کا اصلاً ذکر نہیں جو حضرات شیعہ محرم وغیر محرم میں کرتے ہیں۔ تو اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ احادیث میں جو ہوگا وہ اس کے موافق ہوگا مخالف نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس قسم کی واہیات موافق آیت مسطورہ :

" اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ "
(سورۃ الاعراف، آیت ۳)

ترجمہ: "چلو اسی پر جو اُترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سواء اور رفیقوں کے پیچھے"۔ سب ممنوع ہونگے اور پھر موافق آیت

"وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۹)

ترجمہ: "اور جو کوئی بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے سو وہی لوگ ہیں ظالم"۔ ان کاموں کے کرنے والے داخل زمرہ ظالمان ہونگے

بدعت کی تعریف اور امثلہ سے اس کی تفہیم

ہاں اگر مثل خلفاء عباسیہ اور لباس خانہ کعبہ سیاہ پوشی موجب ثواب نہ سمجھتے جیسے بہت سے اہل شوق سیاہ، سبز، زرد وغیرہ الوان کے کپڑے پہنتے ہیں اور کچھ موجب ثواب نہیں سمجھتے تو یہ کام ممنوع نہ ہوتا۔ بالجملہ موافق آیات مذکورہ اور نیز موافق حدیث مشہور و مذکور "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" (بخاری ص ۳۷۱، ج ۱۔ مسلم ص ۷۷، ج ۲)

اور نیز موافق حدیث "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم ۲۸۵، ج ۱)" (ہر بدعت گمراہی ہے) جو باتیں کلام اللہ اور احادیث سے ثابت نہ ہوں پھر اُن کو بے ضرورت شرعیہ ثواب سمجھ کر کرے تو وہ باتیں سب منجملہ بدعات ہوں گی باقی وہ کیا چیزیں ہیں جو بوجہ ضرورت شرعیہ باوجودیکہ کلام اللہ اور حدیث میں نہیں ہوتیں موجب ثواب ہوتی ہیں۔ تفصیل تو ان کی ممکن نہیں ہاں کوئی ایک نظیر مدنظر ہو تو بغور سنئے۔

منجملہ ان کے توپ بندوق وغیرہ سے جہاد کا کرنا۔ دین کی کتابوں کا تصنیف کرنا ہے یعنی یہ چیزیں ہر چند کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر ان کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب نسخہ میں دو تولہ شربت بنفشہ مثلاً لکھے اور بیمار کسی سے شربت بنفشہ کی ترکیب دریافت کر کے دوائیں جمع کرے مٹھائی لائے چولہا بنائے آگ جلائے قوام پکائے شربت بنفشہ بنائے ہر چند اتنے بکھیڑے کی نسبت نسخہ میں تصریح نہ تھی مگر بایں نظر کہ شربت بنفشہ بے اس بکھیڑے کے حاصل نہیں ہو سکتا، لاچار کرنا پڑے گا اور اس بکھیڑے کا کرنا امتثال اَمر طبیب سمجھا جائے گا موجب خوشنودی طبیب ہوگا سو جیسے طبیب نے نسخہ میں فقط دو تولہ شربت بنفشہ ہی لکھا تھا اور اس جھگڑے کا اصلاً مذکور نہ تھا اور پھر بایں ہمہ اس کا کرنا موجب ناخوشی نہیں بلکہ اگر شربت بنفشہ تیار نہ ملے تو اس جھگڑے کا نہ کرنا البتہ موجب ناخوشی ہوگا ایسا ہی تصنیف کتب اور آلاتِ مذکور کی ہر چند کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں کہیں تصریح نہیں، پر بایں

نظر کہ جہاد اور علم اس زمانہ میں دونوں پر موقوف ہیں تو ان کا کرنا موجب ناخوشی نہ ہوگا بلکہ نہ کرنا موجب نارضامندی خداوند ذوالجلال اور رسول باکمال صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

بدعت کی حسی مثال

ہاں اگر ایسی کمی بیشی ہو جیسے طبیب نے دو دوائیں لکھیں تھیں۔ یہ اس میں اپنی رائے سے ایک دو بڑھادے یا گھٹادے یا اوزان ادویہ میں اپنی رائے سے کمی بیشی کردے جیسے طبیب ایسے تصرفات سے ناخوش ہوتا ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے تصرفات سے ناخوش ہوں گے ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرائض خمسہ کو چار کردیجئے یا چھ کرلیجئے یا اعداد رکعات میں تصرف کرکے دخل دیجئے مگر چونکہ معمولات شیعہ کا نہ کلام اللہ و حدیث میں کہیں پتہ ہے نہ کوئی حکم احکام شرعیہ ضروریہ میں سے اس پر موقوف بلکہ معمولات مذکورہ کے باعث صبر جو احکام ضروریہ شرعیہ میں سے ہے ہاتھ سے جاتا رہتا ہے تو لاریب حسب ہدایت مثال مذکور سب موجب ناخوشی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

اب سنئے کہ جیسے کلام اللہ اور احادیث اہل سنت میں ان معمولات کا کہیں پتہ نہیں احادیث اہلِ تشیع بھی ان کے بیان سے خالی ہیں اس لئے علماء شیعہ جو متقی بھی ہوتے ہیں ایسی باتوں سے احتراز ہی کرتے ہیں اور اگر فرض کیجئے احادیث شیعہ میں کہیں اس قسم کا مذکور بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ شیعوں کے نزدیک وہ حدیثیں معتبر بھی ہیں یا نہیں۔ ان حدیثوں میں ہونا اہل سنت کے اعتراض کا دافع نہیں ہوسکتا۔ شیعوں کی معتبر حدیثوں کو بھی اہل سنت معتبر نہیں سمجھتے جو ان میں ہونا ان کے لئے حجت ہو۔ ہاں اگر حضرت سائل سیہ پوشی خانہ کعبہ اور سیہ پوشی خلفاء عباسیہ پر قیاس فرما کر اہل سنت پر الزام نہ رکھتے اور قصد اثباتِ سیہ پوشی قواعد اہل سنت سے نہ کرتے تو خیر یہی کہتے کہ وہ جانیں اور ان کا کام جانے مگر ستم تو یہ ہے کہ بے وجہ اہل سنت سے حجتیں کرتے ہیں۔ مصرع مشہور ہے ؎

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

لباس خلفاءِ عباسیہ سے سیہ پوشی پر استدلال صحیح نہیں

اب گذارش دیگر یہ ہے کہ لباس خلفاءِ عباسیہ اگر بوجہ ماتم داری حضرت سید الشہداء

رضی اللہ عنہ تھا علیٰ ہذا القیاس استار خانہ کعبہ۔ بغرض مذکور سیاہ مقرر ہوا تب تو خلفاء عباسیہ کی داد دیجئے اور اہل سنت کی فریاد نہ کیجئے اور اگر بوجہ عزاداری حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ بوجہ زیب وزینت وآرائش ہے تو آپ کو کیا زیبا ہے کہ ایسے غم میں یہ خوشی۔ پھر وہ بھی باقتداء خلفاء عباسیہ جس سے ائمہ اہل بیت رحمہم اللہ نے کیا کیا رنج اُٹھائے اور کیا کیا داغ کھائے اور کوئی اور وجہ ہے تو پہلے اس کی تعیین فرمائیے پھر قیاس دوڑائیے۔ مگر دِل میں تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ لباس خلفاء عباسیہ نے بوجہ آرائش اختیار کیا تھا کوئی صدمہ باعث سیہ پوشی نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس خانہ کعبہ کا غلاف کسی تعزیہ میں سیاہ نہیں ہو گیا آرائش خانہ معظمہ مقصود ہے کوئی تعزیت مقصود نہیں۔ سو شیعہ حضرات کو بھی اس واقعہ پر اظہار سرور مدنظر ہوگا جو لباس زینت اختیار کیا۔ اور شاید کیوں کہئے یقینی کہئے۔ تاشہ، مرفہ (باجا۔ طلبہ) ڈھول، نفیری، روشنی، گانا بجانا، کون سی بات شادی کی چھوڑ دی۔ فقط ایک آنکھوں کو تھوک لگا کر زور سے چلانا اور سینہ پر ہاتھ مار کر محفل کو سر پر اُٹھانا غم میں شمار کر لیجئے یا بھانڈوں کا تماشہ قرار دے لیجئے۔ مگر غم کا کوئی سامان ہی نہیں ہے تو شادی ہی کا سامان ہے۔ سو جیسے بوجہ شہادت سامانِ عیش ونشاط وقت شادی بھانڈوں کی کسی مصیبت کی نقل میں چیخنے کو غم پر کوئی محمول نہیں کرتا یہاں بھی وہی سارا سامان موجود ہے۔ غم نہ سمجھئے شادی شیعہ سمجھئے۔

شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں؟

اور کیونکر نہ سمجھئے۔ شیعوں کی اصل کو ٹٹولئے تو ان کے پیشوا وہی ہیں جنہوں نے اَوّل حضرت سید الشہداء (کربلا) رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر دغا دے کر عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ ہو کر حضرت کو قتل کروایا۔ سو ان کو اور ان کی اُمت کو خوشی نہ ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ اور اسے بھی ایک طرف رکھئے۔ ہم پوچھتے ہیں حضرت سید الشہداء کا اظہار غم ہی چاہیے۔ مثل اہلسنت صبر کر کے اس غم میں دل کو نہ جلائیے۔ پر یہ تو بتائیے کہ یہ قاعدہ اظہار غم کا کہاں سے اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے مثل قواعدِ دین اس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں فرمایا۔ بجز اس کے کہ نصاریٰ سے یہ بات اُڑائی ہو اور

کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ نصرانیوں میں اظہار غم کے لئے اس قسم کے احکام صادر ہوئے ہیں۔ مگر اہل دانش جانتے ہوں گے کہ میور صاحب کے مارے جانے میں جو حکم سیہ پوشی ہر عام و خاص کو ہوا تھا تو ان کے دل میں اس بات سے غم نہیں گھس گیا تھا بلکہ فقط ایک نفاق ہی نفاق تھا خیر یہ تو بھی جانتے ہیں کہ ان باتوں سے دل میں غم نہیں آجاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشابہت اور دو گمراہ فرقوں کا ظہور

اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا ''کہ مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام ایک قوم تمہاری محبت میں ہلاک ہوگی اور ایک قوم تمہاری عداوت میں''۔ (مسند احمد ص ۱۶۰۔ ج ۱) روافض و خوارج نے سچ کر دکھایا۔ یعنی اگر خوارج نے دربارہ عداوت حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہود کی پیروی اختیار کی تھی۔ حضرات شیعہ دربارہ افراطِ محبت نصاریٰ کے قدم بہ قدم چلے۔ نصیریہ نے تو صاف صاف حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خدائی کا اقرار کیا۔ اور اثناء عشریہ نے گو اس طرح بے پردہ اقرار نہ کیا پر بوجہ اثبات علم غیب وغیرہ پردہ میں خدائی کا اقرار کیا۔ کیونکہ علم غیب بشہادت کلام اللہ چنانچہ مذکور ہو چکا خدائی کو ایسی طرح لازم ہیں جیسے آفتاب کو دھوپ۔ سو جیسے دھوپ سواء آفتاب اور کسی چیز میں نہیں ایسے ہی علم غیب سوائے خداوند علیم کسی اور میں نہ سمجھنا چاہئے اور کوئی سمجھے تو یوں سمجھو کہ یہ شخص اس کو خدا سمجھتا ہے۔

شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت عیسائی فرقہ کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کے مشابہ ہے

نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سُولی پر چڑھنے کو اپنے گناہوں کے لئے کفارہ سمجھتے ہیں۔ حضرات شیعہ۔ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے خون کا خون بہا شیعوں کی مغفرت خیال کرتے ہیں اور ان کے یہاں حضرت مسیح کی حاضری ہوتی

ہے۔ جس میں نان وشراب کو بلفظ گوشت وخون مسیح علیہ السلام تعبیر کر کے نوش کرتے ہیں۔ یہاں باحتمال اختلاط خون سید الشہداء خاک کربلا کو پانی شربت میں گھول کر حضرت کا خون پیتے ہیں اور کیوں نہ پئیں حضرت کے خون کے پیاسے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور چال ڈھال کو خیال کیجئے تو بالکل وہی نسبت ہے جو کہا کرتے ہیں ۔ سگ زرد برادر شغال۔ فرصت نہیں ورنہ میں ہی تفصیل کر دیتا۔ ایک اظہار غم کے لئے سیہ پوشی رہ گئی تھی سو وہ بھی امام ہمام رضی اللہ عنہ کے غم کے بہانہ کر دکھائی۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کا جواب

بایں ہمہ یہ تو فرمایئے کہ امام جلال الدین پر یہ اعتراض تو کیا پر نشانِ کتاب کیوں نہ بتایا۔ مصرعہ ۔ انکار ہے صاف اس تیرے اقرار سے ظاہر

اور ہم کہتے ہیں کہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خلفاء عباسیہ کے لئے فتویٰ سیہ پوشی ہی دیا پر یہ فرمایئے مثل سیہ پوشی محرم موجب ثواب تو نہیں فرمایا جو آپ کو گنجائش قیاس ہو۔ اس کے سوا آپ نے جو بھاگتے ہوئے اور ایک پشتنگ مارا اور یہ فرمایا: ”کہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خلفاء عباسیہ کو اُولوا الامر قرار دیا“ اس کی کیا حاجت تھی اگر اختیار باعتبار ظاہر لیتے ہو تو اس میں کچھ کلام ہی نہیں آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ خلیفہ تھے ۔ آپ نے سوال ہی میں ان کو بلقب خلفاء عباسیہ یاد کیا ہے پھر امام جلال الدین نے اگر ان کو اُولی الامر کہہ دیا تو کیا گناہ ہے اور اگر باعتبار وجوہ استحقاق لیجئے۔ اعنی، قریشیت، صلاحیت تقویٰ وغیرہ جن کی فراہمی سے خلیفۂ وقت، خلیفہ راشد کہلاتا ہے۔ تو اس کو آپ بھی جانتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت میں سے کوئی بھی ان کو خلیفہ راشد نہیں کہتا بلکہ اکثروں کو ملوک جبارین سے سمجھتے ہیں۔ خلفاء راشدین پورے پورے تو ان کے نزدیک پانچ ہی ہیں چار یار (جن کی خلافت موعودہ علیٰ منہاج النبوۃ تھی) اور ایک امام حسن رضی اللہ عنہ مگر ان کے خلیفہ راشد ہونے اور اوروں کے نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اور سب ظالم ہی تھے اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ ولی حضرت امیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مگر اس

کے یہ معنی نہیں کہ گیارہ امام باقی نعوذ باللہ گنہگار ہیں۔ رہا خلفاء عباسیہ کا مصداق۔

"اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُم" (النساء، آیت ۵۹)

ترجمہ: "حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں"۔

کا مصداق ہو کر واجب الاطاعت ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا مقرر کرنا بایں غرض کہ وہ اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرے یعنی ضروریات دین کو جاری کرے اور بدعات اور سیئات اور کفریات کو مٹا دے چنانچہ لفظ اُولو الامر بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ سو اگر وہ اقامت دین قائم کرے تب اس کی اطاعت کرے ورنہ گناہ کے مقدمہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ بالجملہ جب وہ کار مذکور نہ کرے تب وہ اُولی الامر ہی نہیں اگر بالکل برعکس کرتا ہے تو بالکل نہیں۔ اور اگر کسی قدر وہ اقامت دین بھی کرتا ہے تو اسی قدر وہ اُولوالامر بھی ہے اتنی یہ باتوں میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ اقامت دین نہ کرے تو کیا کیجئے اگر صبر وتحمل اپنے اندر نظر آئے تو مثل سید الشہداء رضی اللہ عنہ اپنی جان پر کھیل جائے۔ ورنہ مثل دیگر ائمہ صبر کرے اور چوں و چرا نہ کرے۔

اس کے بعد کچھ ارشاد ہے اس کی تشبیہ میں حیران ہوں۔ بواسیر خر کہیئے یا گوز شتر لکھیئے بہرحال اس میں تو آپ نے اسی عورت کا کام کیا ہے جو آپ گوز مار کر اوروں کے ذمہ لگایا کرتی تھی۔ خیر اس سے تو شاید آپ بُرا مانیں گو بُرا ماننے کا موقع نہیں بدایت آپ کی طرف سے ہے اور یہ سنا ہی ہوگا۔

کلوخ انداز را پاداش سنگ است

مگر پھر ہم درگذر کرتے ہیں اور دوسرا شعر آپ کی مجرا میں نقل کرتے ہیں۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآ ہوئے چین بستہ اند

فقہ جعفریہ کے فحش مسائل

مخدوم من! ایسے کیوں بھولے بن گئے ہو۔ لف حریر کے مسئلے کی شہرت تو شرق

سے غرب تک پہنچ گئی، سنیوں سے تو تب چھیڑ اُٹھائی تھی جب مذہب شیعہ پر تبرا کر لیتے اور ہماری طرف سے پیش بادُسن لیتے۔ مگر آپ نے تو کچھ خدا کا خوف کیا ہوتا حضور مرنا بھی ہے اس طوفان بے تمیزی کے پھچن بھی دیکھنے میں ہمیں پر تہمت لگائیں پھر ہمیں سے آنکھیں ملائیں۔ چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

بحرالرائق مثل کتب شیعہ نادرالوجود نہیں۔ کہیں اوّل سے آخر تک یہ بات نکل آئے کہ اس قسم کے افعال (مذکور در سوال گمشدہ) جائز ہیں تو ہم آپ کو سلام کر جائیں۔ ہاں اہل فقہ ہر قسم کے احتمالات لکھ کر ان کے احکام لکھ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً شیعوں کے یہاں روزہ میں اگر کوئی شخص اپنی ماں کا بوسہ لے لے تو اس کے ذمہ کفارہ نہیں آتا۔ یا بیٹی سے زنا کرے اور حضرات ائمہ سے اعتقاد باقی رہے تو کافر نہیں ہو جاتا۔ سو جیسے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹی سے زنا اور ماں کا بوسہ لینا جائز ہے۔ ایسے ہی اگر کسی سُنّی نے ایسی ہی (صورت فرض کر کے) کوئی بات لکھ دی تو اس سے اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اہل سنت و جماعت اور شیعہ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ روزہ نہ رکھنا ناقضِ نماز نہیں اور نماز کا نہ پڑھنا ناقضِ صوم نہیں۔ مگر اہل فہم کے نزدیک اس کے یہ معنٰی نہیں کہ روزہ کا نہ رکھنا اور نماز کا نہ پڑھنا جائز ہے۔ ہاں شیعوں کے فہم میں اگر ایسی عبارات سے ایسے معنٰی سمجھ میں آجائیں تو کیا بعید ہے کہ انہیں اللہ نے فہم نہیں دیا۔ مگر انہیں فہم نہیں تو ہماری بھی ان سے کلام نہیں۔ اہلِ فہم سے کلام ہے بالجملہ حضرات شیعہ کی قدیمی عادات ہے کہ اپنا عیب دوسروں کے ذمہ لگاتے ہیں۔

خطا کہ کرد و سزا مید ہی کراجاناں۔

یہ مزید فہم و فراست شاید اغلام زنان سے ہی میسر آیا ہے جبھی اس فہم میں سارے جہان سے ممتاز ہیں یہ چیز اور سب کے یہاں حرام ہے ہاں حضرات شیعہ البتہ اس دولتِ بے زوال سے کامیاب ہیں یہ عقل اور یہ مضامین وہیں سے نکالے ہوں گے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک جتنے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں ان کے دین میں یہ بات کبھی جائز نہیں ہوئی۔

جو لوگ پابند دین نہیں اپنے کسی آئین کے پابند ہیں ان میں سے کسی نے آج تک یہ بات تجویز نہیں فرمائی۔ ہاں علماء شیعہ نے زن منکوحہ اور باندی سے اغلام کرنا حلال طیب رکھا ہے۔ چنانچہ ''ارشاد'' میں علامہ حلّی ارشاد فرماتے ہیں:

''والوطی فی الدبر کالوطی فی القبل فی جمیع الاحکام حتی فی تعلق النسب''

ترجمہ: '' اور دُبر (جائے براز) میں جماع کرنا اسی طرح جیسے قُبل (جائے پیشاب) میں جمع کرنا۔ تمام احکام میں حتیٰ کہ نسب (بچہ) ثابت ہونے میں بھی)۔

جس کے (عندالشیعہ) یہ معنی ہیں کہ اغلام کلام اللہ میں بتصریح مذکور ہے وطی فی الدبر یعنی عورت سے اغلام عندالشیعہ جائز ہونے کے اس کے علاوہ بھی دوسری متعدد معتبر کتب شیعہ سے ثبوت موجود ہیں۔ شیعہ کی مشہور کتاب ''استبصار'' میں تو ایک مستقل باب بھی اس سلسلے میں موجود ہے۔ ''باب اتیان النساء فی مادون الفرج'' اور پھر اس باب کے نیچے مختلف سندوں کے ساتھ متعدد روایتیں جمع کی ہیں) چند درج ذیل ہیں: ہے۔ (معاذ اللہ۔ کیونکہ)

(۱) عن عبدالله بن ابی یعفور قال سالت ابا عبداللّٰہ علیه السلام عن الرجل یاتی المراۃ فی دُبرھا قال لا بأس اذا رضیت (استبصار ص ۲۴۳ ج ۳ و تھذیب الاحکام ص ۴۱۴ ج ۷)

(۲) عن ابی الحسن الرضا علیه السلام عن اتیان الرجل المراۃ من خلفھا فی دُبرھا فقال احلتھا آیة من کتاب اللّٰہ تعالٰی قول لوط علیه السلام (ھؤلاء بناتی ھُن اطھرلکم) (استبصار ص ۲۴۳ ج ۳، وتھذیب الاحکام ص ۴۱۵ ج ۷)

(۳) عن صفوان یقول قلت للرضا علیه السلام ان رجلاً من موالیک امرنی ان اسالک عن مسئلةٍ فھابک و استحیا منک ان یسألک قال ما ھی قال قلت للرجل ان یاتی امرأته فی دُبرھا قال نعم ذٰلک له. (استبصار ص ۲۴۳ ج ۳، وتھذیب الاحکام ص ۴۱۵ ج ۷)

(ترجمہ: (۱) عبداللہ بن ابی یعفور کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو عورت سے اس کی جائے براز میں وطی کرتا ہے فرمایا

جب وہ راضی ہو تو کچھ حرج نہیں''۔

(۲) ابوالحسن رضا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا جو آدمی عورت کے ساتھ جائے براز میں وطی کرے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو تو قرآن پاک کی آیت (یہ میری بیٹیاں ہیں تمہارے لئے حلال ہیں) نے حلال کیا جو لوط علیہ السلام کا قول ہے۔

(۳) صفوان کہتے ہیں میں نے ابوالحسن رضا علیہ السلام سے کہا آپ کے موالی میں سے ایک آدمی نے مجھے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے کہا ہے وہ خود آپ سے پوچھنے سے شرماتا اور ڈرتا ہے انہوں نے کہا وہ کیا ہے تو صفوان کہتے ہیں میں نے کہا۔ وہ آدمی جو اپنی بیوی سے اس کی دُبر میں وطی کرے تو اُنہوں نے کہا ہاں یہ اس کے لئے درست ہے۔ ۱۲۔ محمد اشرف ﷫

''نِسَآءُ کُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ'' ۔جس کے کھلے ہوئے یہ معنی ہیں کہ تمہاری عورتیں تمہارے کھیت ہیں اور سب جانتے ہیں کہ کھیت بغرض زراعت ہوتا ہے سو وہ زراعت جو اس کھیت سے مقصود ہے اور وہ پیداوار اس زمین میں ہوتی ہے یہی اولاد ہے جو بطریق معہود ہے عورت کی مباشرت سے متصور ہے۔ اغلام سے متصور نہیں ہاں کوئی افسون یا طلسم (جادو) حضرات شیعہ کے پاس شاید ایسا ہو مثل بازی گروں کے۔ کہیں ڈالیں اور کہیں سے نکالیں۔ شعر۔

نہیں ہیں خون سے مژگان تر یہ خار دل نشین نکلے
جنوں یہ نیشتر کیسی کہیں ڈوبے کہیں نکلے

قربان جایئے اس مذہب کے جس میں دنیا میں یہ عیش ونشاط، اور آخرت میں وہ درجات۔ اور بھی کچھ نہ ہو تو اس مذہب کی افضلیت کے لئے متعہ کے فضائل اور حرموں اور اُمہات الاولاد کی بغرض صحبت و اغلام عاریت دینے کے ثواب اور درجات اور اغلام کا جواز کافی ہے۔ سبحان اللہ اہل سنت پر آوازہ پھینکتے ہیں اور اپنے آپ کو نہیں دیکھتے مگر یوں کہئے کہ اس اسرار کی برکات کی اہل سنت کو خبر نہیں ۔شعر۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زلذت شُربِ مدامِ ما

اب فرمائیے کہ لذت کی باتوں کو خدا اور رسول کے نام پر لگا کر شیعوں نے دین آئین بنا رکھا ہے یا اہل سنت نے ؟۔

اب لازم یوں ہے کہ بس کیجئے مگر یوں عرض کر دیجئے کہ ایسی باتوں کا سننا (سنانا) شیوہ نہیں پر موافق "جَزَآؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِثْلُهَا" کے ہم کو بھی دوسرے (لہجہ) میں جواب دینا پڑا۔

"سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ" اور صحبت معہود کے احکام سارے ایک ہیں یہاں تک کہ مثبت نسب بھی ہے۔ کیا مزے کی بات ہے۔ کتاب (ارشاد) سے اغلام کرنا جائز تھا وہ کیا افسون ہوگا۔ جس سے بچہ بھی دُبر کی راہ سے آ جائے۔ بہر حال حضرات شیعہ کے مذہب میں بڑا لطف ہے کہ متعہ تھا ہی اغلام بھی ہے۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَخُلَفَاءِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَجَمِیْعِ اُمَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ.

بھی محبت ہوگی تو اب بجز سوز و گداز اور کیا ہاتھ آئے گا۔ اپنے جی میں جل بھن کر رہ جائے گا۔ اور اس کا یہ اضطراب و قلق اور یہ سوز گداز آگے کو تو اس کے یوں کام آئے گا۔ اور عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے گا۔ اور اوروں کو یوں مفید ہوگا کہ انہیں بھی اپنے دن نظر آئیں گے اور عبرت پکڑ کر ایسے خیالات سے باز رہیں گے بہر حال طلاق خلاف مرضی خداوندی تھی اس لئے یہ جرمانہ مقرر ہوا۔ سو ﴿غرض یہاں بھی انتظار رضا بھی ہے گو وہ رضا کے پہلے جفا کے جرمانہ میں بیکار جائے۔۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)﴾ یہ بات حیض و طہر ہی کے ساتھ خوب مربوط ہے دس دِن چار ماہ کو اس سے علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس عدد کو لبھانے میں کچھ دخل نہیں علاوہ بریں کسی طلاق کا ثانی یا ثالث ہونا ایک اَمر اضافی ہے بلحاظ ما قبل یہ وصف اس پر عارض ہوتا ہے ورنہ فی حدِّ ذاتِہٖ اوّل اور دوم اور سوم سب برابر ہیں اور عدت مذکورہ حسب بیان بالا طلاق کے مقتضیات ذات میں سے ہے۔ یعنی یہ انتظار رضا بوجہ اتحاد نوعی محبت باہمی وقت ناخوشی قابلِ لحاظ تھا اور حُرمت مغلظہ بوجہ اَمر اضافی مذکور عارض ہوئی اس لئے عدت جوں کی توں رہی۔ کیونکہ مقتضیات ذات عوارض خارجیہ کے باعث زائل نہیں ہوسکتے۔ ہاں جیسے نور شمس وقتِ کسوف زائل نہیں ہوتا چاند کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے لوازم و مقتضیات ذات بھی عوارض خارجیہ کی آڑ میں مستور ہو جاتے ہیں اور اپنا اثر نہیں کرتے سو یہاں بھی بعینہٖ قصہ ہے کہ عدت وہی کی وہی رہی پر فائدہ عدت متفرع نہ ہوا یعنی انتظار رضا بے کار گیا اور زوج اوّل کے ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا۔ بالجملہ حالت عدت میں خاص کر عدت وفات اور عدت طلاق مغلظہ میں نکاح باقی نہیں رہتا اگر رہتا ہے تو اس کا اثر یعنی احصان باقی رہتا ہے۔ سو اگر لفظ والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمتزوّجات یا والمنکوحات فرماتے تو باشارہ "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" معتدہ طلاق مغلظہ اور معتدہ وفات دونوں حلال سمجھی جاتیں پر علت حرمت جوں کی توں باقی رہتی۔ چنانچہ بخوبی واضح ہوگیا۔ اس لئے جناب باری تعالیٰ نے لفظ والمحصنات اختیار فرمایا اور سوا اس کے اور خدا جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔

علت احصان سے متعہ حرام ہے

لیکن جب وجہ اختیار لفظ والمحصنات معلوم ہوگئی اور معنیٰ احصان بخوبی ظاہر